مقدمہ
فضیلۃ الشیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

تالیف
ابو الفوزان کفایت اللہ سنابلی

فہرست مجمل

فہرست مفصل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

فروعی مسائل میں عوام کا رویہ بالعموم دو طرح کی انتہاءوں کا شکار ہے۔ایک انتہاء افراط کی ہے اور دوسری تفریط کی۔اعتدال کا موقف ان دونوں کے بیچ کا ہے۔

فروعی مسائل کے حوالہ سے ایک انتہاء تو شدت پسندی کی ہے۔شدت پسندی یہ ہے کہ ان فروعی مسائل کو شریعت میں ان کے مقام سے آگے بڑھا کر انہیں محبت و نفرت اور ولاء و براء کا معیار بنا لیا جاتا ہے۔ان مسائل میں اختلاف کو ڈسکس کرنے کا لہجہ علمی نہ رہ کر مناظراتی بن جاتا ہے۔اس قسم کے مسائل میں جب لہجہ علمی اور تحقیقی ہونے کے بجائے مناظراتی رخ اختیار کرتا ہے تو اخلاق و آداب اور عدل وانصاف کے سارے اصول بھلا دیے جاتے ہیں۔پھر بات کفر و بدعت کے الزامات تک پہنچ جاتی ہے۔عوام کی ایک بہت بڑی تعداد ہی نہیں علماء کہلانے والا ایک اچھا خاصہ طبقہ بھی اس شدت پسندی کا شکار ہے۔احناف میں جہاں یہ دیکھا جاتا ہے کہ انہیں چند مسائل کی بنیاد پر جماعت اہل حدیث اور علماء اہل حدیث پر غیر مقلدیت،شیعیت حتیٰ کہ قادیانیت تک کے الزام لگائے جاتے ہیں بلکہ اس سے آگے بڑھا کر بات یہودیوں کے ایجنٹ اور وکٹوریہ کی اولاد جیسے بے ہودہ طعنوں تک پہنچائی جاتی ہے وہیں علماء سلف کے توسع سے ناواقف اہل حدیث عوام کا بھی ایک منحرف طبقہ ان مسائل کی بنیاد پر عدل کی حدود کو پھلانگ جاتا ہے۔احناف کے پیچھے نماز کے عدم جواز یا ان کی تکفیر وغیرہ کے فتوے اسی شدت پسندانہ ذہنیت کا مظہر ہیں۔دونوں مسالک کے علماء اثبات اس رویہ کی مذمت کرتے ہیں۔

فروعی مسائل میں دوسرا منحرف رویہ تفریط کا ہے۔یہ رویہ پہلے رویہ سے زیادہ خطرناک ہے۔سیکولرازم کے پھیلاؤ نے ہمارے یہاں دین پسند طبقہ میں ایک سوچ کو بہت شدت کے ساتھ بڑھاوا دیا ہے۔عبادت کو معاملات سے کمتر جاننے کی سوچ۔اس سوچ سے متاثر ایک بڑا طبقہ دین میں سیاسی، سماجی،معاشی معاملات کے مقابلہ میں نماز ،روزہ، حج جیسی عظیم عبادات کو کمتر اور حقیر سمجھتا ہے۔بلکہ ان عبادات کے متعلق مختلف مسالک میں پائے جانے والے اختلافات پر بحث و مباحثہ اور تحقیق کو امت کے اتحاد کے لیے نقصان دہ تصور کرتا ہے۔ان عظیم سنتوں کو فروعی مسئلہ بول کر ان کی اہمیت کو کم جتانے کی کوشش کرتا ہے۔

اس ذہنیت کے فروغ کی ایک وجہ دین کے معاملات میں فروع اور اصول کی تقسیم بھی ہے۔دین میں اصول اور فروع کی تقسیم صحابہ اور سلف کے زمانہ میں نہیں پائی جاتی تھی۔اس تقسیم کا استعمال سب

سے پہلے متکلمین نے کیا۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کی ایک بڑی جماعت۔ جس میں امام ابن تیمیہ کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ دین میں اصول اور فروع کی تقسیم کو پسند نہیں کرتی۔ البتہ اصطلاح میں ان الفاظ کے متعین معنیٰ موجود ہونے کی وجہ سے ان کا استعمال ہمارے لیے ایک فنی مجبوری ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ فروع کے لفظ میں ایک طرح کا ہلکا پن پایا جاتا ہے۔ حالانکہ اصطلاح میں اس کا استعمال دین کے نہایت اہم امور پر ہوتا ہے۔ اس لفظ کے استعمال کی وجہ سے ان امور کے غیر اہم یا کم اہم ہونے کی ذہنیت کو بڑھاوا ملتا ہے۔

شیخ کفایت اللہ سنابلی نے جس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اس کا سب سے اہم پہلو تو یہ ہے کہ زیر بحث مسئلہ نماز کا ہے۔ نماز دین کے ارکان میں شہادتین کے بعد دوسرے درجہ کا رکن ہے۔ انسان دنیا میں اللہ کی بندگی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اور نماز اس بندگی کی معراج ہے۔ اللہ کے سامنے اپنی بندگی کے اظہار کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اللہ کے یہاں کسی بھی عبادت کی قبولیت کے لیے سنت کی اتباع ایک لازمی شرط ہے۔ اور زیر نظر کتاب نماز کی ایک سنت کے حوالہ سے بحث کرتی ہے۔

اس مسئلہ کی اہمیت کا ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ نماز میں ہاتھ باندھنے کا مسئلہ اہل حدیث اور احناف کے درمیان امتیازی اختلافی مسائل میں سے ایک ہے۔ ان امتیازی مسائل کی اہمیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہ صرف کچھ مسائل نہیں ہیں۔ بلکہ ان کی حیثیت دین کے دو الگ الگ مناہج کے نمائندہ کی ہے۔ ایک منہج تحقیق واتباع کا ہے اور دوسرا منہج تقلید و جمود کا۔ ان مسائل سے یہ طے ہوتا ہے کہ بندہ اپنی پوری زندگی میں علم و تحقیق کا راستہ اپنانا چاہتا ہے یا جمود اور تقلید کا۔ لہذا ان مسائل میں بحث و تحقیق کی اہمیت دیگر مسائل سے زیادہ ہے۔ جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تفضیل کا مسئلہ اپنے آپ میں اتنا بڑا مسئلہ نہیں۔ لیکن اس کی اہمیت کا اصل پہلو یہ ہے کہ اس مسئلہ کے پیچھے دو الگ الگ فکر و عقیدہ اور اصول و منہج کے دو الگ الگ نظام موجود ہیں جن کی نمائندگی یہ مسئلہ کرتا ہے۔

قیام میں سینے پر ہاتھ باندھنے کا مسئلہ اہل حدیث اور احناف کے یہاں امتیازی اختلافی مسائل میں سے ایک ہے۔ اس معاملہ میں جہاں اہل حدیث کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ دلائل کی روشنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ثابت کی جائے وہاں احناف کی ساری کوششوں کا مرکز ''اپنے امام کا مسلک'' صحیح ثابت کرنا ہوتا ہے۔ اہل حدیث کے پاس نبی کے علاوہ کوئی امام ایسا نہیں جس کے لیے انہیں تعصب برتنے کی ضرورت ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ان کی محبت اور لگاؤ ہر طرح کے لاگ لپیٹ اور تعصب سے پاک، سچی اور خالص ہے۔ اور یہ ان پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔ اس قسم کے

مسائل میں بحث وتحقیق سے دونوں طرف کے مسالک کی ذہنیت، سنت سے ان کے تعلق اور لگاؤ ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی محبت اور وابستگی جانچی جانی چاہیے۔

شیخ کفایت اللہ سنابلی اسلامک انفارمیشن سینٹر ممبئی کے سینئر علماء میں سے ہیں۔ آپ کی حیثیت صرف سینٹر کے اسٹاف کی نہیں بلکہ آپ سینٹر کے علمی اور دعوتی کاموں کے نگراں اور رہنما ہیں۔ آپ کی رہنمائی کو ہم اپنے لیے سعادت اور اللہ کا بہت بڑا انعام سمجھتے ہیں۔

اسلامک انفارمیشن سینٹر ممبئی نے بہت مختصر وقت میں اپنی علمی اور دعوتی سرگرمیوں کی وجہ سے علمی اور عوامی دونوں سطحوں پر اپنی ایک منفرد شناخت بنائی ہے۔ اپنے اس مختصر سفر میں اس منزل تک پہنچنے میں ہمارے علماء اور اسٹاف کی محنتوں کے ساتھ ساتھ ان سارے لوگوں کا بڑا رول ہے جنہوں نے اس سفر کے مختلف پڑاؤ پر ہمارا علمی، مالی، جسمانی یا زبانی کسی بھی طرح کا تعاون کیا ہے۔ اس ''عظیم کتاب'' کی اشاعت کے موقع پر میں اسلامک انفارمیشن سینٹر کے نمائندہ کی حیثیت سے اپنے تمام معاونین کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور سینٹر کے عالم اسٹاف کی حیثیت سے محترم برادر زید پٹیل صاحب کا شکر گذار ہوں جن کی انتھک کوششوں، محنتوں، حوصلہ افزائیوں اور مشوروں نے ہمیشہ ہمارے جذبوں کا ساتھ دیا ہے۔ اور دین کی خدمت کے لیے ہمیں اسلامک انفارمیشن جیسا بڑا اسٹیج فراہم کیا۔

اللہ اپنے کلمہ کی سربلندی کے لئے ہمارے دلوں کو حوصلہ، ہمارے حوصلوں کو عمل کی محنت اور ہماری محنتوں کو قبولیت کے شرف سے نوازے۔

سرفراز فیضی
اسلامک انفارمیشن سینٹر، ممبئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مؤلف

نماز میں حالت قیام میں ہاتھ کہاں باندھا جائے اس بارے میں زمانہ قدیم سے اختلاف چلا آ رہا ہے۔لیکن صحیح احادیث اور صحیح آثار صحابہ رضی اللہ عنہم کی روشنی میں جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ نماز میں حالت قیام میں سینہ پر ہی ہاتھ باندھا جائے۔اس لئے یہی اہل حدیث کا مذہب ہے۔

اس کے برخلاف احناف کا مسلک یہ ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھا جائے، حالانکہ ان کے اس موقف پر کوئی ایک بھی صحیح صریح مرفوع مسند روایت ذخیرہ احادیث میں سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔اور بعض صحابہ کی طرف جو روایات منسوب ہیں وہ بھی سخت ضعیف ومردود ہیں۔

اوراحناف جب اہل حدیث کے دلائل کا جواب نہیں دے پاتے تو اہل حدیثوں کو یہ کہہ کر مطعون کرتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے مسائل پر بحث ومباحثہ کرتے ہیں اوران پر کتابیں لکھتے ہیں۔حالانکہ یہ تلخ حقیقت ہے کہ اس موضوع پر کتابی سلسلہ پوری دنیا میں سب سے پہلے احناف ہی نے شروع کیا ہے وہ بھی آپس ہی میں ایک دوسرے کے خلاف ہے۔

چنانچہ احناف کے ایک بہت بڑے عالم علامہ ابوالحسن سندھی حنفی رحمہ اللہ نے جب یہ دیکھا کہ صحیح احادیث کی روشنی میں نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا ہی ثابت ہے تو وہ اس پر فوراعامل ہوگئے بلکہ اس کی تبلیغ بھی کرنے لگے،اسی پر بس نہیں بلکہ احناف کے موقف یعنی زیرناف ہاتھ باندھنے کو غیر ثابت بھی کہنے لگے۔ اس کے بعدان کے بہت سارے حنفی تلامذہ بھی سینے پر ہاتھ باندھنے لگے۔

احناف نے جب اپنے ہی بھائیوں کو اپنے مسلک کے خلاف سینہ پر ہاتھ باندھتے دیکھا تو اس پر ہنگامہ کھڑا کردیا بلکہ حد ہوگئی کہ سینے پر ہاتھ باندھنے کی وجہ سے اپنے ہی عالم کو جیل بھجوادیا۔

اس کے ساتھ ساتھ قلمی جنگ بھی چھیڑدی اور خاص اس مسئلہ پر پوری دنیا میں سب سے پہلے جو کتاب لکھی گئی وہ **”درهم الصره فی وضع الیدین تحت السرة“** ہے اسے احناف کے عالم شیخ محمد ہاشم سندھی الحنفی رحمہ اللہ نے لکھا۔اس کے جواب میں احناف ہی کی طرف سے سینے پر ہاتھ باندھنے سے متعلق دو کتابیں لکھی گئیں انہیں احناف کے عالم شیخ محمد حیاۃ السندی الحنفی رحمہ اللہ نے لکھا۔

پھر شیخ ہاشم السندی الحنفی رحمہ اللہ نے بھی جوابا دو کتابیں لکھیں، پھر اس کے جواب میں شیخ محمد حیاۃ السندی الحنفی رحمہ اللہ نے ایک مفصل کتاب **”فتح الغفور فی وضع الایدی علی االصدور“** لکھی۔ اور پھر اس کے بہت بعد اہل حدیث حضرات نے بھی کتاب لکھنی شروع کی۔ یہ پوری تفصیل فضیلۃ الشیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے اس کتاب کے مقدمہ میں پیش کی ہے۔

قارئین دیکھ سکتے ہیں کہ پوری دنیا میں سب سے پہلے احناف ہی نے اس مسئلہ پر کتابی سلسلہ شروع کیا اور اہل حدیث کے موقف یعنی سینے پر ہاتھ باندھنے کے اثبات میں بھی سب سے پہلے حنفی عالم ہی نے

کتابیں لکھیں اس واضح حقیقت کے باوجود بھی بلاوجہ اہل حدیثوں کو مطعون کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ فروعی مسائل کو ہوا دیتے ہیں اوراس پر بحث ومناظرہ کرتے ہیں۔

واضح رہے کہ یہ طرز فکر بھی درست نہیں ہے کہ فروعی مسئلہ کا بہانا بنا کر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت شدہ سنتوں کو رد کردیا جائے۔ بالخصوص نماز کی نبوی کیفیات کو تو فروعی مسئلہ کہہ کران کی تخفیف کی کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ اللہ کے نبی ﷺ نے یہ واجبی حکم دے دیا ہے کہ: صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي یعنی نماز ویسے ہی پڑھو جیسے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔(صحیح البخاری رقم ۶۰۰۸)

اور نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا نہ صرف یہ کہ اللہ کے نبی ﷺ کا عمل ہے بلکہ آپ ﷺ نے اس کا خصوصی حکم بھی دے رکھا ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث سے ثابت ہے دیکھئے یہی کتاب ص ۵۴۔

بلکہ اللہ نے قرآن میں بھی نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ کی یہی تفسیر اللہ کے نبی ﷺ اور صحابہ نے کی ہے۔ دیکھئے یہی کتاب: ص ۱۹۱ نیز ص ۲۰۰۔

اور قرآن میں نمازی کے لئے سینے پر ہاتھ باندھنے کا حکم کیوں نہ ہو جب کہ نماز کا یہ محل، قرأتِ قرآن ہی کا محل ہے اور نماز کا یہی حصہ پوری نماز کی روح ہے بلکہ صحیح مسلم میں منقول ایک حدیث قدسی کے مطابق اللہ رب العالمین نے نماز کے اسی حصہ میں قرأت فاتحہ کو نماز کہتے ہوئے کہا: قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي نِصْفَيْنِ، یعنی میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھا آدھا بانٹ دیا ہے(مسلم رقم ۳۹۵)۔

معلوم ہوا کہ نماز میں قیام کا محل ہی نماز کا سب سے اہم حصہ ہے اور اس قیام میں قرآن کی قرأت ہوتی ہے لہٰذا اس حالت میں سینے پر ہاتھ باندھ کر قرأت کرنا خشوع وخضوع کا ذریعہ ہے۔ اسی لئے قرآن میں اس کا خصوصی ذکر ہے، کیونکہ قرآن میں کئی مقامات پر قرأتِ قرآن کے آداب بھی سکھلائے گئے ہیں۔ اور حالت نماز میں قرأتِ قرآن کا خاص ادب یہ بتلایا گیا ہے کہ اس موقع پر ہاتھ سینے پر رکھے جائیں۔

الحمدللہ اہل حدیث حضرات کتاب وسنت کی اتباع کرتے ہوئے اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر عمل کرتے ہوئے نماز میں سینے پر ہاتھ باندھتے ہیں اور دوسروں کو بھی اسی کی تلقین کرتے ہیں اور اس موضوع پر اپنی تحریریں بھی پیش کرتے ہیں۔

ناچیز کی یہ کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ یہ مفصل کتاب پیش کرنے کی ضرورت اس لئے محسوس کی گئی کیونکہ اس موضوع پر لکھی گئی تمام دستیاب کتب دیکھنے کے بعد اندازہ ہوا کہ شاید اب تک اس موضوع پر کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی ہے جس میں فریق مخالف کی طرف سے پیش کردہ تمام روایات اور تمام شبہات پر بحث کی گئی ہو اور اب تک جس قدر حصہ لکھا جا چکا ہے اس میں بھی بہت زیادہ تفصیل نہیں ہے۔ بلکہ بعض شبہات پر تو کوئی ٹھوس بحث ملتی ہی نہیں ہے مثلاً مسند احمد وصحیح ابن خزیمہ وغیرہ کی صحیح احادیث کے بعض رواۃ پر تفرد وشذوذ کا جو اعتراض خصوصاً بعض عرب علماء کی طرف سے بڑے زور شور سے کیا جا رہا ہے اس کا مفصل جواب ہماری نظروں سے تا حال نہیں گذرا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس کتاب میں ان شبہات کا رد

پوری تفصیل سے کیا ہے۔

اس کے ساتھ یہ بھی دیکھا گیا کہ فریق مخالف نے بعض مقام پر کسی کتاب کے محقق کی صریح غلطی کو دلیل بنالیا اور حیرت کی بات ہے کہ اس کا نوٹس بھی نہیں لیا گیا۔ دیکھئے یہ کتاب ص ۲۹۶۔

اس کے علاوہ بعض احادیث، آثار اور رجال سے متعلق بھی کئی اہم گوشے تھے جن پر مفصل بحث کی ضرورت تھی، ان وجوہات کی بنا پر ناچیز نے ضرورت محسوس کی کہ اس موضوع پر ایک مفصل کتاب لکھی جائے، پھر کافی عرصہ کی مسلسل محنت سے یہ کتاب تیار ہوئی جو " أنوار البدر في وضع اليدين على الصدر " کے نام سے آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس کتاب میں احادیث کی تحقیق، اور رجال کے تعارف میں پوری کوشش کی گئی ہے کہ محدثین وائمہ فن کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے چند امور کی وضاحت کردی جائے۔

جمع طرق :

حدیث کی تحقیق میں سب سے پہلا مرحلہ جمع طرق کا ہوتا ہے کسی بھی حدیث پر حکم لگانے سے قبل سب سے پہلے اس کے تمام طرق کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔ زیر بحث موضوع میں بعض مقامات پر اہل علم کے تسامحات کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ روایت کے تمام طرق کو وہ سامنے نہ رکھ سکے۔ مثلاً صحیح ابن خزیمہ کی حدیث میں مومل کے اضطراب کا دعوی۔ ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾ کی تفسیر میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کی صرف بیہقی والی سند ہی پر حکم لگانا۔ اور اسی سلسلے میں علی رضی اللہ عنہ کی تفسیری روایت میں سند و متن میں اضطراب کا دعوی۔

زیادتِ ثقہ:

زیادتِ ثقہ کے بارے میں محدثین کا موقف یہی ہے کہ اس کے قبول ورد کا فیصلہ قرائن دیکھ کر کیا جائے جیسا کہ ہم نے اس کی پوری تفصیل اپنی کتاب "یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ (ص ۲۰۸ تا ۲۴۹)" میں پیش کی ہے۔

بعض حضرات صحیح ابن خزیمہ و مسند احمد کی حدیث میں زیادتِ ثقہ کو بغیر کسی مضبوط بنیاد کے رد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم نے اس کتاب میں ثابت کیا ہے کہ یہاں قرائن زیادتِ ثقہ کو قبول کرنے کے حق میں ہی ہیں۔

حسن لغیرہ:

اگر کوئی ضعیف روایت متعدد طرق و کئی سندوں سے منقول ہو۔ اور تمام طرق و سندیں سخت ضعیف ہوں تو ایسی صورت میں ضعیف روایات کو ملا جلا کر حسن لغیرہ بنانا باتفاق محدثین درست نہیں۔

افسوس کہ بعض لوگ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے سے متعلق ایک دو روایت کو ملا جلا کر یہ کہنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ روایات آپس میں مل کر حسن لغیرہ ہو جاتی ہیں۔ حالانکہ ان روایات کو حسن لغیرہ بنانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ یہ روایات سخت ضعیف اور بعض موضوع و من گھڑت ہیں جیسا کہ کتاب میں تفصیل موجود ہے۔

یاد رہے کہ متعدد ضعیف روایات کے اندر اگر ضعف ہلکا ہو تو اس بارے میں بھی کوئی قاعدہ کلیہ پیش کرنا درست نہیں ہے۔ یعنی نہ تو یہ کہنا درست ہے کہ اس طرح کی روایات ہر صورت میں رد کردی جائیں گی اور نہ

ہی یہ کہنا درست ہے کہ اس طرح کی روایات ہر جگہ قابل قبول ہوں گی بلکہ ایسی صورت میں قرائن دیکھ کر فیصلہ کرنا ہی محدثین کا منہج ہے۔

ذہبی عصر، شیخ النقاد، عظیم محدث علامہ عبدالرحمٰن بن یحیی المعلمی رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے دیکھئے: العبادہ للمعلمی: ص ۲۸۰۔

دکتور خالد الدریس حفظہ اللہ نے اپنی کتاب ''الحسن لذاتہ ولغیرہ'' کی پانچویں جلد میں بڑی تفصیلی بحث کرتے ہوئے اسی موقف کو راجح قرار دیا ہے۔ یہ کتاب دکتور وصی اللہ عباس حفظہ اللہ کی نگرانی میں لکھی گئی ہے اور راقم الحروف نے اصول حدیث کے موضوع پر دکتور وصی اللہ عباس حفظہ اللہ سے انٹرویو لیتے وقت یہ سوال کیا تھا کہ: کیا آپ اس کتاب میں حسن لغیرہ سے متعلق پیش کئے گئے موقف سے متفق ہیں؟ تو آپ نے ہاں میں جواب دیا۔ اس انٹرویو کی ویڈیو ریکارڈنگ آئی آئی سی ممبئی والوں کے پاس محفوظ ہے۔

علامہ البانی رحمہ اللہ کے تعلق سے بعض لوگ یہ مشہور کرتے ہیں وہ معمولی ضعف والی متعدد روایات کو ہر جگہ حسن لغیرہ بنا لیتے ہیں۔ یہ بات قطعا درست نہیں۔ ایک سوال کے جواب میں علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی واضح طور پر کہہ دیا کہ اس سلسلے میں کوئی قاعدہ کلیہ نہیں پیش کیا جاسکتا۔ دیکھئے: الدرر فی مسائل المصطلح والأثر، مسائل ابی الحسن الماربی للالبانی: ۲۷۔

یہی وجہ ہے کہ قصہ تلک الغرانیق اور اس جیسی معمولی ضعف والی بعض روایات کو علامہ البانی رحمہ اللہ حسن لغیرہ نہیں بناتے۔ زیادہ سے زیادہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ علامہ البانی رحمہ اللہ کے یہاں حسن لغیرہ کے بارے میں وسعت کچھ زیادہ ہے واللہ اعلم۔

جرح وتعدیل کے اقوال کی تحقیق:

کسی روای سے متعلق محدثین کے اقوال جرح وتوثیق سے استدلال کے لئے ضروری ہے کہ جرح یا توثیق کا وہ قول قائل سے بسند صحیح ثابت ہو یا قائل کی کتاب سے نقل کیا گیا ہے۔

ذہبی عصر عبدالرحمٰن المعلمی فرماتے ہیں:

''اذا وجد فی الترجمة کلمة جرح أو تعدیل منسوبة الی بعض الائمة فلینظر أثابتة هی عن ذالک الامام أم لا''

''جب کسی راوی کے ترجمہ میں جرح یا تعدیل کا کوئی کلمہ بعض ائمہ کی طرف منسوب ملے۔ تو یہ تحقیق ضروری ہے کہ وہ اس امام سے ثابت ہے یا نہیں'' (التنکیل: ص ۲۵۰، ط. المکتب الاسلامی)۔

ضوابط الجرح والتعدیل کے مؤلف فرماتے ہیں:

''لا عبرة بجرح لم یصح إسناده إلی الإمام المحکی عنه''

''اس جرح کا کوئی اعتبار نہیں ہے جس کی سند اس امام تک صحیح نہ ہو جس سے وہ جرح منقول ہو'' (ضوابط الجرح والتعدیل: ص ۳۸)۔ آگے مولف لکھتے ہیں:

”لا يُقبل توثيق لم يصح إسناده إلى الإمام المحكى عنه“

”ایسی توثیق قابل قبول نہیں ہوگی جس کی سند توثیق کرنے والے امام تک صحیح نہ ہو“ [ایضا: ص۳۹]۔

بنابریں ہم نے اس کتاب میں رجال کے تعارف میں کسی امام کے قول سے استدلال کرنے سے قبل اس بات کی پوری تسلی کرلی ہے کہ وہ قول قائل سے ثابت ہے یا نہیں اور ثابت ہونے کی صورت میں ہی ہم نے اس سے استدلال کیا ہے۔

اس سلسلے میں ہماری کوشش یہ رہی ہے کہ ائمہ کے اقوال کو ”تہذیبین“ یا ”میزان“ وغیرہ سے نقل کرنے کے بجائے اصل مراجع ومصادر سے نقل کیا جائے چنانچہ جن محدثین کی کتابیں دستیاب تھیں، ہم نے ان کے اقوال کو براہ راست ان کی کتب سے نقل کیا ہے۔اور جن محدثین کی کتابیں دستیاب نہیں ہیں لیکن ان کے اقوال کو بعض محدثین نے اپنی کتاب میں سند کے ساتھ نقل کیا ہے جیسے الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم، الکامل لابن عدی، تاریخ بغداد للخطیب وغیرہ تو یہ اقوال پیش کرنے سے پہلے ان کتب کے مؤلفین سے لیکر قائلین تک کی سند کی تحقیق کرلی گئی ہے اور سند صحیح ہونے کی صورت میں ہی اس قول کو پیش کیا گیا ہے اور کتاب کے حوالے کے ساتھ سند کا درجہ بھی لکھ دیا گیا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ تہذیب یا میزان وغیرہ میں منقول وہ اقوال جنہیں ان کتب کے مؤلفین نے صراحت کے ساتھ کسی امام کی کتاب سے نقل کیا ہے۔یا کتاب کی صراحت نہیں کی ہے لیکن اس بات کے قرائن ملے کہ ان اقوال کو براہ راست ائمہ کی کتب سے نقل کیا گیا ہے ہم نے ان اقوال سے بھی حجت پکڑی ہے گرچہ ان قائلین کی کتابیں ہم کو نہیں ملیں یا کتابیں ملیں مگر ان میں یہ اقوال نہیں ملے۔کیونکہ اس بارے میں ہمارا ماننا یہی ہے کہ ان ائمہ نے جب متقدمین کی کتب سے نقل کردیا ہے تو کتاب سے نقل کردہ بات پر اعتماد کرنا چاہے۔فضیلۃ الشیخ ارشادالحق اثری حفظہ اللہ نے بھی مقدمہ کے اخیر میں بر سبیل تذکرہ غالبا اسی بات کی وضاحت کی ہے۔

چنانچہ اس کتاب کے ص۱۸۱ پر ہم نے مؤمل بن اسماعیل سے متعلق امام ساجی کی جرح کو ثابت مانا ہے جبکہ اس جرح کے لئے نہ تو صراحتہ امام ساجی کی کتاب کا حوالہ ہے اور نہ ہی اس کی سند ذکر ہے۔لیکن چونکہ دیگر قرائن بتلاتے ہیں کہ ناقلین نے امام ساجی کی کتاب ہی سے ان کے اقوال نقل کئے ہیں اس لئے امام ساجی سے منقول اقوال معتبر ہیں۔یہی معاملہ امام عجلی اور بعض دیگر ائمہ کے اقوال کے ساتھ بھی اپنایا گیا ہے۔

البتہ یہاں بھی کسی خاص قول کے بارے میں ایسے اشارے ملے کہ وہ کتاب سے منقول نہیں ہے یا کتاب ہی سے منقول ہے مگر نقل میں غلطی ہوئی تو خاص ایسے قول کو ہم نے رد کردیا ہے۔مثلا تہذیب وغیرہ میں مؤمل بن اسماعیل سے متعلق امام بخاری سے منکرالحدیث کی جو جرح منقول ہے وہ قابل رد ہے کیونکہ دیگر دلائل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس قول کو نقل کرنے میں غلطی ہوئی ہے۔

اس کے برعکس تہذیب الکمال وغیرہ کے جن اقوال کے بارے میں اس بات کا ثبوت یا اشارہ نہیں ملا کہ یہ اقوال، قائلین کی کتب سے منقول ہیں۔ بلکہ اس بات کا احتمال قوی لگا کہ یہ اقوال ثانوی مراجع سے منقول ہیں اور اصل سند نا معلوم ہے۔ نیز یہ اقوال خود قائلین یا دیگر ائمہ فن کے ثابت شدہ اقوال کے معارض ہیں، تو ایسے اقوال نا قابل قبول سمجھے گئے ہیں۔ محدثین سے بھی اس طرز عمل کا ثبوت ملتا ہے چنانچہ:

☆ کتب رجال میں امام ابوداود کے بیٹے سے متعلق امام ابوداود سے کذاب کی جرح منقول ہے لیکن چونکہ یہ قول بڑا عجیب وغریب ہے اور دیگر محدثین کے ثابت شدہ اقوال کے خلاف ہے اس لئے امام ذہبی نے کہا:

"ولعل قول أبی داود لا یصح سندہ، أو کذاب فی غیر الحدیث"

"اور شاید ابوداود کے قول کی سند صحیح نہیں ہے یا یہ حدیث کے علاوہ دیگر معاملہ میں کذاب ہے" (تاریخ الإسلام ت بشار: ۷/۵۱۰) نیز دیکھئے (التنکیل بما فی تأنیب الکوثری من الأباطیل: ۲/۱۵۸)

☆ امام ذہبی رحمہ اللہ ایک مقام پر ابن معین سے منقول ایک قول کو رد کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"وقال الازدی :قال ابن معین :ضعیف، کذا نقلہ أبو العباس النباتی ولم یسندہ الازدی عن یحیی، فلا عبرۃ بالقول المنقطع"

"ازدی نے کہا کہ امام ابن معین رحمہ اللہ نے کہا : یہ راوی ضعیف ہے۔ اسی طرح ابوالعباس النباتی نے نقل کیا ہے اور ازدی نے ابن معین رحمہ اللہ سے اس قول کی سند بیان نہیں کی ہے اس لئے منقطع قول کا کوئی اعتبار نہیں" (میزان الاعتدال للذہبی ت البجاوی: ۳/۴۱۶)

☆ ایک راوی سے متعلق ابن معین کی جرح ثابت تھی لہٰذا اس کے معارض ابن معین سے توثیق کے قول کو ضعیف السند ہونے کی وجہ سے امام ذہبی رحمہ اللہ نے رد کرتے ہوئے کہا:

"وکذلک لا یفرح عاقل بما جاء بإسناد مظلم عن یحیی بن بدر .قال :قال یحیی بن معین :أبو ھدبۃ لا بأس بہ ثقۃ .فھذا القول باطل، فقد قال إبراھیم بن عبداللہ بن الجنید :سمعت یحیی بن معین، وسئل عن أبی ھدبۃ فقال :قدم علینا ھاھنا، وکتبنا عنہ عن أنس، ثم تبین لنا أنہ کذاب خبیث"

"اسی طرح کوئی بھی عاقل شخص اس قول سے خوش نہیں ہوسکتا جو پر تاریک سند سے یحیی بن بدر کے واسطے ابن معین سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا : أبو ھدبۃ لا بأس بہ ثقۃ۔ یہ قول باطل ہے کیونکہ ابن الجنید نے کہا کہ میں نے ابوھدبہ کے بارے میں پوچھے جانے پر ابن معین کو کہتے ہوئے سنا کہ: یہ ہمارے پاس یہاں آیا تھا ہم نے اس سے انس رضی اللہ عنہ کی روایات لکھیں۔ پھر ہمیں پتہ چلا کہ یہ بہت بڑا جھوٹا اور خبیث ہے" (میزان الاعتدال للذہبی ت البجاوی: ۱/۷۲)

☆ احمد بن صالح المصری کے بارے میں تہذیب الکمال وغیرہ میں ابن معین رحمہ اللہ سے کذاب کی جرح منقول ہے اس کو رد کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لم يصح طعن يحيى بن معين فيه"

''ان کے بارے میں ابن معین رحمہ اللہ کا طعن ثابت نہیں ہے۔'' [مقدمۃ فتح الباری:ص ۴۶۰]

☆ ابراہیم بن سوید النخعی کے بارے میں ابن الجوزی رحمہ اللہ نے کہا کہ امام نسائی نے اسے ضعیف کہا ہے (الموضوعات لابن الجوزی، ت القاضی: ۱/ ۳۵) اور ابن الجوزی کی پیروی میں امام ذہبی رحمہ اللہ نے بھی یہ تضعیف میزان میں نقل کردی ہے۔ (میزان الاعتدال للذہبی ت البجاوی: ۱/ ۳۷)

لیکن چونکہ امام نسائی ہی سے ان کی توثیق ثابت شدہ ہے اس لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام ابن الجوزی اور امام ذہبی رحمہ اللہ کے نقل کردہ اس قول کو رد کرتے ہوئے کہا:

"إبراهيم بن سويد النخعى ثقة لم يثبت أن النسائى ضعفه"

''ابراہیم بن سعید نخعی ثقہ ہے اور امام نسائی سے ثابت نہیں کہ انہوں نے اسے ضعیف کہا'' [تقریب ۱۸۴]

☆ سعید بن خالد بن عبداللہ بن قارظ القارظی کے بارے میں امام مزی (تہذیب الکمال للمزی: ۱۰/ ۴۰۵) اور امام ذہبی (الکاشف للذہبی: ۱/ ۴۳۴) نے نقل کیا کہ امام نسائی نے انہیں ضعیف کہا۔ چونکہ امام نسائی سے ان کی توثیق ثابت شدہ ہے اس لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا:

"وقال النسائى فى الجرح والتعديل ثقة فينظر فى أين قال إنه ضعيف"

''امام نسائی نے جرح تعدیل میں اسے ثقہ کہا ہے۔ اس لئے دیکھا جائے کہ امام نسائی نے اسے ضعیف کہاں کہا ہے۔'' [تہذیب التہذیب لابن حجر، ت بیروت: ۴/ ۱۸]

الغرض یہ کہ تہذیبین اور میزان وغیرہ میں ناقدین سے جرح وتعدیل کے جو اقوال منقول ہیں وہ سب کے سب ائمہ متقدمین کی کتابوں ہی سے ماخوذ نہیں بلکہ بعض تو قائلین کی کتابوں سے نقل کئے گئے ہیں جبکہ بعض کا ماخذ قائلین کی کتابوں کے علاوہ دیگر وہ کتب ہیں جن میں سند کے ساتھ یہ اقوال مروی ہیں۔ اور یہ سندیں ضعیف بھی ہوسکتی ہیں۔ اس لئے جہاں اس قبیل کے اقوال دیگر قوی تر اقوال کے معارض ہوں اور تطبیق کی صورت نہ ہو تو یہ اقوال ناقابل حجت ہوں گے۔ البتہ جہاں تعارض کی صورت نہیں ہے وہاں ان اقوال سے احتجاج میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ دیگر ثابت شدہ اقوال ان کے مؤید ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

جرح وتعدیل اور جمہور:

جرح وتعدیل میں اگر تعارض ہو تو بعض حالات میں جمہور کا قول مقدم ہوگا مگر ہمیشہ یا عموما جمہور کے قول کو مقدم کرنے والی بات ہماری نظر میں درست نہیں، ہم نے دکتور وصی اللہ عباس حفظہ اللہ سے لئے گئے انٹرویو میں یہ سوال بھی پوچھا تھا، جس کے جواب میں آپ نے بھی یہی کہا تھا کہ ووٹنگ والا یہ اصول درست نہیں ہے۔

ہماری نظر میں اس تعارض کے حل کی مختلف صورتیں ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے اس بارے میں بعض اہل علم نے کتابیں بھی لکھی ہیں ان کی طرف مراجعت کی جائے۔ اس کتاب میں جہاں ایسی نوبت آئی ہے وہاں کسی بھی قول کی ترجیح کے وجوہ ذکر کردئے گئے ہیں۔

مؤمل بن اسماعیل اور سماک بن حرب کے سلسلے میں ہم نے ثابت کیا ہے کہ جمہور نے انہیں ثقہ کہا ہے یہ ایک اضافی جواب ہے۔ اس سے کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ ہمارے نزدیک کسی کے ثقہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ جمہور سے اس کی توثیق ثابت ہو۔

ضمنی توثیق:

ضمنی توثیق سے ہماری مراد یہ ہے کہ محدثین کسی حدیث کی سند کی تصحیح یا تحسین کریں تو یہ ان محدثین کی طرف سے اس سند کے تمام رواۃ کی توثیق ہوتی ہے۔ دیکھئے: ص ۲۴۶، ۲۴۷۔

لیکن یاد رہے کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ ضعیف راوی پر مشتمل سند کو محدثین شواہد یا متابعات کی وجہ سے صحیح یا حسن کہیں، یا صحیح وحسن کہنے میں کسی سے تساہل بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے جہاں اس طرح کے اشارے مل جائیں وہاں ہم اس طرح کی توثیق کو حجت نہیں سمجھتے۔

مدلسین کے طبقات:

مدلسین کے بارے میں محدثین نے جو طبقات بیان کئے ہیں اسی کی رعایت ضروری ہے چنانچہ جن مدلسین کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ انہوں نے شاذ ونادر ہی تدلیس کی ہے خواہ ثقات سے یا ضعفاء سے، تو ایسے مدلسین کا عنعنہ مقبول ہوگا الا یہ کہ کسی خاص عنعنہ میں تدلیس کا ثبوت مل جائے یا دیگر دلائل اس کی طرف اشارہ کریں۔ اس طرح کے مدلسین طبقہ اولی یا طبقہ ثانیہ میں شمار ہوں گے جن کا عنعنہ عام حالات میں مقبول ہوگا۔

سینے پر ہاتھ باندھنے سے متعلق صحیح ابن خزیمہ کی جو حدیث ہے اس پر سفیان ثوری رحمہ اللہ کے عنعنہ کی وجہ سے اعتراض درست نہیں ہے کیونکہ سفیان ثوری رحمہ اللہ بہت کم تدلیس کرنے والے ہیں کتاب کے اندر اس سلسلے میں قدرے تفصیل دی گئی ہے دیکھئے: ص ۱۴۷، ۱۵۳۔

اور جن مدلسین کے بارے میں یہ طے ہو جائے کہ وہ بکثرت تدلیس کرتے ہیں تو ایسے مدلسین کا عنعنہ مقبول نہیں ہوگا جب تک کہ سماع کی صراحت یا متابعت نہ مل جائے۔ اس طرح کے مدلسین طبقہ ثالثہ یا اس کے بعد کے طبقات میں شمار ہوں گے۔

اصول حدیث سے متعلق یہ چند باتیں تھیں جن کی وضاحت مناسب سمجھی گئی۔ اصول حدیث کے مباحث کو سمجھنا عام لوگوں کے لئے مشکل ہوتا ہے اس لئے اس کتاب میں ان مباحث کو آسان سے آسان اسلوب میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اللہ رب العالمین کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اسی کے فضل وکرم سے یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اللہ رب العالمین ان تمام حضرات کو جزائے خیر دے جنہوں نے اس سلسلے میں راقم کا کسی طرح بھی تعاون کیا اور حوصلہ افزائی فرمائی۔

علامہ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کا میں خصوصی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آں محترم نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود ناچیز کی گذارش سماعت فرمائی اور انتہائی اہم معلومات پر مشتمل قیمتی مقدمہ تحریر فرمایا رب العالمین آپ کی عمر میں برکت دے اور امت مسلمہ کو آپ کے علوم ومعارف سے مزید فائدہ پہنچائے

آمین۔ یہاں یہ وضاحت مناسب ہے کہ اس کتاب میں ناچیز نے آپ کی بہت ساری تحریروں سے بھرپور استفادہ کیا ہے بالخصوص مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت پر بحث کا کئی حصہ آپ ہی کی تحریروں سے مستفاد ہے۔ جزاہ اللہ خیرا عن جمیع المسلمین۔

فضیلۃ الشیخ محفوظ الرحمٰن فیضی حفظہ اللہ کا تہہ دل سے شکر گذار ہوں۔ آپ علمی دنیا میں بالخصوص علم حدیث میں خصوصی طور پر جانے جاتے ہیں آپ نے اپنی عمر عزیز کا بہت بڑا حصہ علم حدیث کے مطالعہ وتدریس میں گذارا ہے۔ ہم نے مراجعہ کے لئے آپ کی خدمت میں بھی کتاب کا ایک نسخہ ارسال کیا تھا۔ آپ نے اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود کتاب کا پورا مسودہ پڑھا اور جس محبت اور شفقت سے کئی مقامات پر ہماری اصلاح کی ہے اسے محسوس کر کے ان طلباء پر رشک آتا ہے جن کو آپ سے تلمذ کا شرف ملا ہے۔ جزاہ اللہ خیرا وبارک فی علمہ ومعرفتہ۔

مفکر جماعت، سلطان القلم فضیلۃ الشیخ عبد المعید مدنی حفظہ اللہ کا بہت بہت شکر گذار ہوں، آپ علم وفن کی دنیا میں کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں، ناچیز کی خوش قسمتی ہے کہ پچھلے سات سال سے آپ سے ملاقات اور تلمذ کا سلسلہ جاری ہے۔ آپ کی مجالس میں شرکت کی پوری کوشش ہوتی ہے اور آپ سے استفادہ کے لئے ہر موقع کی تلاش رہتی ہے۔

مناظر جماعت، فضیلۃ الشیخ رضاء اللہ عبد الکریم مدنی حفظہ اللہ کی حوصلہ افزائی پر از حد شکر گذار ہوں۔ آپ سے فون اور ملاقات کے ذریعہ مسلسل استفادہ ہوتا رہتا ہے۔ رب العالمین آپ کی حفاظت فرمائے اور دعوت دین کی راہ میں آپ کی مساعی کو قبول فرمائے، اور امت کو آپ کے قلم ولسان سے مزید نفع پہنچائے آمین۔

فضیلۃ الشیخ عبد السلام سلفی حفظہ اللہ، امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کا بھی شکر گذار ہوں، رب العالمین جمعیت وجماعت کی راہ میں آپ کی خدمات قبول فرمائے آمین۔

الاخ الحبیب، شیخ سرفراز فیضی، محترم ابوالمیز ان اور برادر ابوزید ضمیر حفظہم اللہ کا بھی شکر گذار ہوں۔ جزاھم اللہ خیرا وافضل الجزا۔

اس موقع پر ضروری سمجھتا ہوں کہ دو عظیم شخصیات مولانا عبد الحق سلفی رحمہ اللہ اور مولانا محمد امین ریاضی حفظہ اللہ کا شکریہ ادا کروں جنہوں نے ممبئی میں کتاب وسنت کی دعوت اور منہج سلف کی نشر واشاعت میں بے مثال خدمات انجام دی ہیں۔ یہ دونوں بزرگ ایک طویل عرصے تک جمعیت اہل حدیث ممبئی کے امیر رہے ہیں۔ اہل حدیثان ممبئی کی تاریخ لکھنے والا کبھی بھی ان دو شخصیات کو فراموش نہیں کر سکتا۔

ممبئی میں قدم رکھنے کے بعد ان دونوں شخصیات نے میری تعلیم وتربیت پر جو خصوصی توجہ دی، اس کے لئے میں تا عمر ان کے لئے دعا گو رہوں گا۔ مولانا عبد الحق سلفی رحمہ اللہ ہمیشہ میری رہنمائی کرتے رہے، میرے ہر کام اور سرگرمی پر نظر رکھتے تھے۔ ان کے ڈانٹ ڈپٹ میں جو پیار ہوتا تھا وہ اوروں کی محبت میں بھی محسوس نہیں ہوتا۔ مولانا نے مجھے اپنی ذاتی لائبریری سے استفادہ کے لئے مکمل آزادی دی تھی یہ مجھ پر مولانا

کا بہت بڑا احسان تھا۔ مولانا نے کئی موضوعات پر مجھے لکھنے کا حکم دیا تھا۔ ''چار دن قربانی کی مشروعیت'' نامی کتاب مولانا کے حکم ہی سے لکھی گئی تھی اور اس کے لئے مراجع ومصادر کی کئی کتابیں مولانا نے خود فراہم کی تھیں اس کی پہلی طباعت مولانا کی زندگی میں ہوئی تھی۔ گذشتہ سال بعض اضافات کے ساتھ اس کا دوسرا ایڈیشن بھی چھپ چکا ہے اور اس کا تیسرا ایڈیشن بھی جلد ہی پیش کرنے کا ارادہ ہے۔

مولانا نے ہر ماہ کی سنن وبدعات پر کتاب لکھنے کی ذمہ داری مجھے سونپی تھی، لیکن مولانا کی زندگی میں صرف دو ہی کتاب لکھ سکا ایک ''ماہ صفر اور نحوست بدشگونی'' جو مدرسہ رحمانیہ سلفیہ، ممبئی سے مطبوع ہے۔ اور دوسری ''ماہ شوال اور سنن وبدعات'' جواب تک غیر مطبوع ہے۔ تیسری کتاب ''ماہ ربیع الاول اور بدعات وخرافات'' زیر ترتیب ہی تھی کہ اسی دوران اچانک مولانا کا انتقال ہو گیا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ رب العالمین آپ کی مغفرت فرمائے آپ کی خدمات قبول فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ دے آمین۔

مولانا عبدالحق سلفی رحمہ اللہ ہی نے مجھے مولانا محمد امین ریاضی حفظہ اللہ کے ادارہ کلیہ ام سلمہ الاثریہ میں بحیثیت استاذ بھیجا تھا۔ یہاں آنے کے بعد ایک دوسری شخصیت ملی جس نے میری علمی سرپرستی کی۔ علمی تعاون اور کتابوں کی فراہمی میں مولانا ریاضی بھی کافی سخی تھے میں نے چند عربی کتب کی فرمائش کی تو مولانا نے فورا منگوادی۔ بلکہ یہ بھی کہہ دیا جس کتاب کی بھی ضرورت محسوس کرو اسے خرید لو ادارہ اس کا خرچ دے دے گا۔ کچھ دنوں بعد میں نے علامہ البانی رحمہ اللہ کی کتب کی فرمائش کی، مولانا نے تھوڑے ہی عرصہ بعد علامہ البانی رحمہ اللہ کی تقریبا تمام کتب منگوادی بلکہ انہیں رکھنے کے لئے کئی نئی الماریاں بھی فراہم کردیں اسی پر بس نہیں بلکہ مولانا کے پاس اگر کہیں سے ہدیتا کوئی کتاب آتی تو آپ اسے بھی میرے حوالے کردیتے اس طرح کچھ ہی عرصہ بعد اچھی خاصی کتابیں جمع ہوگئیں اور لائبریری تیار ہوگئی پھر ہم نے اسے ''طوبی لائبریری'' کا نام دیا جواب بھی اس ادارہ میں موجود ہے۔ اور آج تک اس سے استفادہ جاری ہے۔

مولانا ریاضی حفظہ اللہ کے اور بھی کئی احسانات مجھ پر ہیں۔ اللہ رب العالمین آپ کو اپنے حفظ وامان میں رکھے، صحت وتندرستی عطا فرمائے اور آپ کی خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین۔

یہی دو بزرگ ہیں جن کے زیر سایہ ایک لمبی مدت تک ناچیز نے تربیت پائی ہے، اور زبان وقلم میں جو بھی جنبش ہے انہیں کی سرپرستی اور عنایات کا نتیجہ ہے۔

بڑی ہی ناسپاسی ہوگی اگر میں اسلامک انفارمیشن سینٹر کے صدر محترم برادر زید پٹیل حفظہ اللہ کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے یہ کتاب تالیف کرنے کے کا موقع فراہم کیا اور ہر ممکن تعاون پیش کیا۔ اللہ رب العالمین آپ کو جزائے خیر دے اور دین کی راہ میں آپ کی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے آمین۔

قارئین سے گذارش ہے کہ دوران مطالعہ جن لغزشوں اور غلطیوں پر آگاہ ہوں اس سے آگاہ فرمائیں ہم اپنی اصلاح کی پوری کوشش کریں گے ان شاء اللہ۔

ابو الفوزان کفایت اللہ السنابلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

فضیلۃ الشیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام علی سيد الانبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين اما بعد:

ائمہ کرام وفقہاء عظام رحمہم اللہ کے مابین جن فقہی مسائل میں اختلاف ہے ان میں سے ایک مسئلہ نماز میں ہاتھ باندھنے کے بارے میں ہے کہ ہاتھ سینہ پر، اس سے نیچے ناف کے اوپر یا ناف کے نیچے باندھے جائیں ۔امام ترمذیؒ نے مجمل طور پر فرمایا ہے کہ ”بعض حضرات ناف کے اوپر اور بعض ناف کے نیچے باندھنے کے قائل ہیں ان کے نزدیک اس میں توسع ہے“۔یعنی جہاں بھی ہاتھ باندھ لیجئے درست ہے۔مگر بعض حضرات نے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کو ترجیح دی ہے۔بعض نے ناف سے اوپر اور بعض نے سینہ پر باندھنے کو ترجیح دی ہے۔فقہائے کرام میں امام اسحاق بن راہویہ کا یہی موقف ہے چنانچہ امام اسحاق بن منصور الکوسجؒ نے مسائل الامام احمد واسحاق ابن راہویہ ج ۲ ص ۵۹۱ سوال ۳۴۶۸ کے تحت ذکر کیا ہے کہ:

” يضع يديه على صدره او تحت الثديين “

”کہ امام اسحاقؒ اپنے ہاتھ پستان پر یا پستانوں سے نیچے رکھتے تھے “۔

بعض اہل علم نے سینہ پر ہاتھ باندھنے کا ذکر امام شافعیؒ سے بھی نقل کیا ہے۔صاحب ہدایہ علامہ مرغینانیؒ نے امام شافعی کا یہی موقف ذکر کیا ہے۔ہدایہ کی مشہور شرح فتح القدیر لابن الہمام ہے جس پر علامہ ابوالحسن محمد بن عبدالہادی السندھی المدنی - جو ابوالحسن الکبیر سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔صحیح بخاری، مسند احمد، صحیح مسلم، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ وغیرہ پر ان کے حواشی ہیں- کا حاشیہ ہے۔

اسی فتح القدیر کے حاشیہ میں انہوں نے لکھ دیا کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی کوئی دلیل ثابت نہیں جب کہ سینہ پر ہاتھ باندھنا ہی صحیح ہے۔یہی کچھ انہوں نے سنن ابن ماجہ کے حاشیہ میں بھی لکھا ہے۔

علامہ ابوالحسن سندھی مرحوم کا عمل بھی اسی پر تھا اور نماز میں مواضع ثلاثہ میں رفع الیدین بھی کرتے تھے۔ان کے یہ لکھنے اور عمل کرنے پر بہت سے ان کے حنفی تلامذہ نے بھی اسی پر عمل شروع کیا تو اس پر ایک ہنگامہ کھڑا ہوگیا حتیٰ کہ اسی ”جرم“ کی پاداش میں قاضی نے انہیں جیل بھجوادیا۔جیل ہی میں اسی

طریقے پر نماز پڑھ رہے تھے اوپر چادر اوڑھے ہوئے تھے کہ قاضی کے انتقال کی خبر کانوں میں پڑی تو نماز ہی میں چادر اتار دی۔ یہ ساری دل خراش داستان ان کے تلمیذ علامہ محمد عابد سندھیؒ نے تراجم الشیوخ میں ذکر کی ہے۔ اور اسی کے حوالہ سے حضرت سید رشد اللہ شاہ الراشدی پیر آف جھنڈا نے مسلک الانصاف میں اور شیخی وسیدی علامہ ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی نے " **التعلیق المنصور علیٰ فتح الغفور** "میں ذکر کی ہے۔

علامہ ابوالحسن السندھی کے اس اقدام "جرم" پر جو نکیر ہوئی وہ ان رسائل میں دیکھی جاسکتی ہے جو ان کے موقف کی تردید میں لکھے گئے۔ چنانچہ سب سے پہلے اس پر علامہ محمد ہاشم السندھی نے " **درهم الصرة فی وضع الیدین تحت السرة** " کے نام سے رسالہ لکھا" **درهم الصرة** " کے جواب میں علامہ ابوالحسن سندھی کے تلمیذ رشید علامہ محمد حیات سندھی نے دو رسالے لکھے ایک کا نام تو معلوم نہ ہوسکا البتہ دوسرا رسالہ " **درة فی اظهار غش نقد الصرة** " کے نام سے لکھا۔ جوانہوں نے اپنے شیخ علامہ ابوالحسنؒ کی مراجعت ومشورہ سے لکھا تھا۔ ان دونوں کا جواب پھر علامہ محمد ہاشم نے لکھا پہلے رسالے کا جواب " **ترصیح الدرة علی درهم الصرة** " کے نام سے اور دوسرا " **معیار النقاد فی تمییز المغشوش عن الجیاد** " کے نام سے دیا۔ یہ قلمی رسائل اسلامیہ کالج پشاور کے مکتبہ میں پائے جاتے ہیں۔ عرصہ ہوا اس ناکارہ نے ان کا عکس حاصل کیا تھا اب یہی رسائل مولانا شیر احمد منیب کی مساعی سے زیور طبع سے آراستہ ہوگئے۔ علامہ ہاشم السندھی کے بعض رسائل دار المصنفین اعظم گڑھ کے مکتبہ میں بھی محفوظ ہیں۔

مولانا علامہ محمد حیات سندھی نے " **فتح الغفور فی وضع الایدی علی الصدور** " کے نام سے ایک مستقل رسالہ لکھا جس کے کئی ایڈیشن طبع ہوئے۔ فضیلۃ الدکتور محمد ضیاء الرحمٰن الاعظمی حفظہ اللہ کی تحقیق وتعلیق سے بھی یہ رسالہ طبع ہوا ہے اور سیدی ومرشدی سید بدیع الدین الراشدی نور اللہ مرقدہ نے " **التعلیق المنصور** " کے نام سے اس پر بڑا مبسوط ومفصل حاشیہ لکھا جو تا حال زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوا تاہم مستقبل قریب میں اس کے شائع ہونے کی امید ہے۔ ان شاء اللہ۔

فتح الغفور کا جواب مولانا علامہ محمد قائم سندھی نے دیا جس کا نام پڑھیئے:

" **فوز الكرام بما ثبت فی وضع الیدین تحت السرة أو فوقها تحت الصدر عن الشفیع المظلل بالغمام علیه وعلی آله وصحبه وتابعهم وعلینا معهم ازکیٰ الصلاة وانمی السلام** "

یہ رسالہ بڑا مفصل ہے تا حال طبع نہیں ہوا اس کے بعض مقامات میں بیاض ہے اور اس کا ایک نسخہ

اس ناکارہ کے ہاتھ سے لکھا موجود ہے۔ علامہ محمد ہاشم سندھی ہوں یا علامہ محمد قائم سندھی ہوں، انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں عبدالرحمٰن بن اسحاق کے دفاع کی جس اسلوب میں کوشش کی ہے وہ کسی عجوبہ سے کم نہیں۔ جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔ عبدالرحمٰن کے دفاع کی تمام تر کوشش کے باوجود بالآخر یہ تسلیم کرلیا گیا کہ:

"ثم لا یخفی علیکم انا لا نکتفی فی الاحتجاج علی الوضع تحت السرة بحدیث فیه عبد الرحمٰن بن اسحاق بل احتجاجنا بحدیث وائل بن حجر المذکور فی مصنف ابن ابی شیبة" (معیار النقاد)

"تم پر مخفی نہ رہے کہ ہم تحت السرة ہاتھ باندھنے کے لئے عبدالرحمٰن بن اسحاق کے واسطہ سے مروی روایت سے استدلال پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ہمارا استدلال حضرت وائل بن حجرؓ کی حدیث سے ہے جو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے"

المصنف کی اس روایت پر تمام تر لن ترانیوں کے باوجود یہ دیکھئے کہ اسی مسئلہ کے بارے میں مولانا علامہ نیمویؒ نے بھی "الدر الغرّة فی وضع الیدین تحت السرة" اور" آثار السنن و التعلیق الحسن" میں بھی تفصیلاً بحث کی ہے اور واشگاف الفاظ میں تسلیم کیا ہے کہ "تحت السرة" کے الفاظ غیر محفوظ اور باعتبار متن کے ضعیف ہے۔ (التعلیق الحسن ص ۷۱، ط ملتان) جس سے المصنف کی اس ادعائی روایت کے غبارے سے ہوا نکل جاتی ہے۔

علامہ ابوالحسن سندھی اور ان کے تلمیذ رشید علامہ محمد حیات سندھی کی تحقیقات کا نتیجہ ہے کہ علامہ محمد حیات کے معروف شاگرد اور برصغیر کے نامور مرشدِ حق حضرت مظہر جاں جاناں شہید رحمہ اللہ کے معمولات مظہریہ میں لکھا ہے:

"دست را بر سینہ می بستند و می فرمودند کہ ایں روایت ارجح است از روایات زیر ناف، اگر کسے گوید کہ دریں صورت خلاف حنفیہ بلکہ انتقال از مذہب بمذہب لازم می آید۔ گویم بموجب قول ابی حنیفہ رحمہ اللہ اذا صح الحدیث فھو مذہبی از انتقال در مسئلہ جزئی خلاف مذہب لازم نمی آید بلکہ موافقت در موافقت است"۔ (معمولات مظہریہ ص ۷۵ بحوالہ خاتمة الاختلاف)

وہ نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ روایت سینہ پر ہاتھ باندھنے کی روایت زیر ناف سے ارجح ہے۔ اور کسی جزئی مسئلہ مذہبی میں اگر کسی صحیح حدیث کا خلاف لازم آئے تو مذہب کے اس جزوی مسئلہ کو ترک کر دینے کی امام عالی

مقام ابو حنیفہؒ نے وصیت فرمائی کہ جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔ اس لئے مخالفت مذہب لازم نہیں آتی بلکہ یہ خوب خوب موافقت ہے''۔

جس سے اس مسئلہ کے بارے میں حضرت شہیدؒ کے موقف کو سمجھا جا سکتا ہے۔ برصغیر و پاک و ہند میں ترک تقلید اور سنت کی ترویج میں علماء اہل حدیث کثرھم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی موقف ہے اور وہ اسی پر عمل پیرا ہیں۔

اسی موضوع پر ہمارے ایک ہندی فاضل مولانا محترم ابوالفوزان کفایت اللہ السنابلی حفظہ اللہ نے ''انوار البدر فی وضع الیدین علی الصدر'' کے نام سے ایک مفصل کتاب شائع کی ہے جو ماشاء اللہ ۳۵۰ صفحات میں پھیلی ہوئی اور اس موضوع سے متعلقہ تمام مباحث پر سیر حاصل بحث پر مشتمل ہے۔ جس کے چار ابواب ہیں۔ باب اول میں انہوں نے سینہ پر ہاتھ باندھنے کے ثبوت میں چھ مرفوع احادیث اور چار صحابہ کرام کے آثار پیش کئے ہیں۔ باب دوم میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی احادیث و آثار پر بحث ہے اور اسی ضمن میں المصنف لابن ابی شیبہ کے حوالے سے بیان کی جانے والی حدیث پر بڑی تفصیل سے بحث ہے کہ اس کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا۔

البتہ یہ ناکارہ یہاں ایک بات کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ علامہ المزیؒ ہوں، علامہ ابن الجوزیؒ ہوں یا علامہ الذہبیؒ وہ اگر ائمہ متقدمین سے کوئی نقد و جرح نقل کریں یا کسی کی توثیق نقل کریں اور ان کے یہ اقوال اگر ان کی متداول کتابوں میں نہیں ملتے تو بلا وجہ ان سے انکار درست نہیں۔ اس انکار کا منطقی نتیجہ ہے کہ ہم علامہ المزیؒ وغیرہ سے زیادہ محتاط ہیں اور انہوں نے بلا ثبوت ان اقوال کا انتساب ائمہ کرام کی طرف کر کے ''جرم'' کا ارتکاب کیا ہے یہ بے اعتمادی بلکہ بدظنی ''إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ'' کا مصداق ہے البتہ اگر ان سے منقولہ اقوال کے برعکس انہیں سے کوئی قول مل جاتا ہے تو وہاں نظر ثانی کی ضرورت ہے اور اسے دو مختلف اقوال پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے۔ یہ بات بر سبیل تذکرہ نوک قلم پر آ گئی کہ بعض حضرات اس قسم کی جسارت کر گزرتے ہیں مگر یہ ناکارہ اس اسلوبِ فکر سے اتفاق نہیں کرتا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں کتاب وسنت کا صحیح فہم نصیب فرمائے سبیل المومنین کا راہرو بنائے اور ائمہ سلف کے بارے میں سوءِ ظن سے بھی محفوظ رکھے۔

ارشاد الحق اثری

۲۰۱۴/۹/۶ء

تقاریظ علمائے کرام حفظہم اللہ

مفکر جماعت، سلطان القلم فضیلۃ الشیخ عبدالمعید مدنی حفظہ اللہ

(علی گڑھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلاۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ محمد و الہ وصحبہ اجمعین وبعد!

کسی تحریر وتصنیف کی قدر وقیمت کئی اعتبار سے متعین ہوتی ہے۔اور ہرایک کی شرعی دینی اور علمی اہمیت طے ہے۔جس موضوع پر تحریر آئی ہے وہ موضوع کیا ہے؟ موضوع پر آئی تحریر کا منہج کیا ہے؟ اور خود صاحب تحریر اپنے موضوع سے متعلق مخلص ہے، سچا ہے یا نہیں؟ جب موضوع دینی ہو، کارِثواب، کار خیر ہو، اور منہج بحث وتحریر، تثبت وتحقیق، عدالت اور ثقاہت کا حامل ہو اور نتیجہ خیز ہو، تو تحریر کامیاب مانی جائے گی، نتیجہ خیز ہوگی، اور قلم کار کامیاب مانا جائے گا۔"انوار البدر فی وضع الیدین علی الصدر" اسی قسم کی کتاب ہے جس کے مصنف مولانا کفایت اللہ سنابلی صاحب ہیں۔

اس کتاب کا موضوع عنوان سے ظاہر ہے۔عموماً لوگ یہی جتلانے کی کوشش کرتے ہیں اور ناک بھوں چڑھاتے ہیں کہ فروعی مسائل پر اس دور میں اتنی تفصیل سے لکھنے کی ضرورت کیا ہے؟ لیکن علم و تحقیق، بحث ونظر کی دنیا میں ایسی گفتگو درست نہیں ہے۔وضع الیدین علی الصدر ایک دینی جزء بن چکا ہے، اور قیامت تک کے لئے اس کی دینی حیثیت مسلم ہے۔اس دینی حیثیت کی تصدیق اور ثبوت کے لئے علمی منہج اور تحقیقی جدوجہد لازمی ہوتی ہے۔اگر اس دینی عمل کی دینی حیثیت کا انکار کیا جائے، اور اس کے علمی پہلو اور تثبت وتحقق کے سلسلے کو تاراج کیا جائے، اور علم وتحقیق کے منہجی طریقوں کو بگاڑا جائے، تو ایسی صورت میں پورا روایتی تثبت شکوک وشبہات کی زد میں آجائے گا۔اور تقلید وآراء پرستی کا سب سے بڑا خطرہ یہی رہتا ہے کہ خود پرستی اور تحزب کے ہتھیار سے دین کے تثبت وثقاہت اور عدالت کے زریں اصولوں کو تباہ کردیا جائے۔

دین کی حراست کا وہ سلسلہ جو گروہ محدثین سے جاری ہے، قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا اور

رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی ضمانت الٰہی رہی ہے۔(**یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ** ...) کہ حراست دین کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔اوراس کے اہل وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو عدول ہوں۔حراست دینی کا وہ سلسلہ جو محدثین سے چلا آرہا ہے ہر دور میں خلف عن سلف جاری رہے گا۔اور وہی اس سلسلہ کی ایک کڑی بن سکتے ہیں جو عدول ہوں اور دینی وشرعی عدالت ان کے اندر پائی جاتی ہو۔

عزیز مصنف کی خوبی اور کمال یہی ہے کہ وہ اس کے خواہش مند بھی ہیں اور کوشاں بھی ہیں کہ محدثین کے دینی حراست کے سلسلے میں داخل ہونے کے اہل بن جائیں۔ان کی جس طرح علمی اٹھان ہے اس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ ان شاء اللہ وہ محدثین کے دینی حراست کے سلسلے میں داخل ہوں گے اوران کی وراثت کے حقدار بنیں گے۔

یہ اہم بات ہے کہ ذاتی اعتبار سے وہ کوشاں رہتے ہیں کہ محدثین کے نقوش پر چلتے رہیں اور حق و صداقت،سچائی اور ایمان داری کی راہ ان سے چھوٹے نہیں۔آج کے دور میں ہر میدان میں قلم کاروں کا رہنما ان کا شکم ہوتا ہے۔بہت کم ایسے قلم کار ملیں گے جن کا ضمیر وایمان ان کا ساتھ دیتا ہو۔ضمیر وایمان، سچائی اور صداقت کی اگر قلم کو رفاقت حاصل نہ ہو،تو سارے کام وبال اور علم وتحقیق کیلئے بوجھ ہوتے ہیں۔اور صحیح بات تو یہ ہے کہ بے ضمیر انسان کتنا بھی لکھے پڑھے اور بولے،اس کی بات وتحریر کی صحیح اور اچھی تاثیر نہیں ہوتی ہے،اس کے اثرات غلط ہی ہوتے ہیں۔اوراس کو حق وحمایتِ دین کی بات بہت کم سجھائی دے سکتی ہے۔

عزیز محترم کی راہ تحقیق اور تثبت کی راہ ہے اور تحقیق وتثبت کی راہ سے وہ حق وصداقت تک پہونچنے کی کوشش کرتے ہیں۔اس راہ میں بڑی طول نفسی اور صبر و برداشت کی ضرورت ہوتی ہے۔ روایات کی چھان بین،طرق کو جمع کرنا،نتیجہ نکالنا اور حکم لگانا،جرح وتعدیل میں اقوال علماء کو جمع کرنا اور نتیجہ نکالنا،فقہی آراء میں فقہاء ومحدثین کے اقوال وآراء کا دلائل کی روشنی میں محاکمہ ومناقشہ کرنا اور صحیح رائے کو ترجیح دینا،آسان کام نہیں۔آج کی نقالی اور کاہلی کے دور میں اس راہ سے باخبر لوگوں کو اتنے جوکھم بھرے کاموں کو دیکھ کر ہی پسینہ آجاتا ہے۔

جماعت اہل حدیث کے خصائص میں یہ داخل ہے کہ روایات کی تحقیق میں منہج محدثین کا سلسلہ جاری ہے اور تحقیق کی راہ کبھی بند نہیں ہوئی ہے۔اس اتھل پتھل، انتشار اور مادیت کے دور میں تحقیق اور تثبت کا وہ طریقۂ محدثین، جس کو سنابلی صاحب نے اختیار کیا ہے، وہ جماعت کی بہت بڑی ضرورت ہے جس کو جناب پورا کر رہے ہیں۔اور یہ بات خود ان کیلئے باعث سعادت ہے کہ انہوں نے محدثین کی راہ اپنائی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ وہ اس راہ پر چلتے رہیں اور محدثین کے اس اخلاق وسیرت کے حامل بنے رہیں جو ان کا طرۂ امتیاز تھا اور ان کی شناخت تھی۔

حدیثی تحقیقات جماعت اہلحدیث کا ہر دور میں بہت بڑی ضرورت اور بہت بڑا سرمایہ رہے ہیں۔صحیح، منہجی اور اصل تحقیقات اور نتائج سے سنت پر عمل کرنے کی راہ ہموار ہوتی ہے۔اور جب حدیثی، منہجی تحقیقات اصالت اور تثبت کے ساتھ جاری رہتے ہیں اور ان کا عمل برقرار رہتا ہے تو فرد وسماج کے فکر وخیال اور عقیدہ وعمل پر اصلاح پذیر اور تغیر پذیر اثرات چھوڑتے ہیں۔اور جب جمود پیدا ہوتا ہے تو محض جمود کے سبب خود اہل حدیثوں پر مردنی چھا جاتی ہے اور ان کے اندر بے رونقی آجاتی ہے۔اور ہر کہ ومہ کی ہر محقق وغیر محقق اور صحیح وغلط بات مان لینے کا امکان رہتا ہے، اور چھوٹ بھیوں کے پھلنے پھولنے اور اڑانے کا ماحول بن جاتا ہے۔

تحقیقات کا عمل جاری رہے تو تحقیق پسندی اور تحقیقات پسندی کا مزاج بھی برقرار رہتا ہے۔تحقیق پسندی سے ذہنی غلامی کا مزاج مرتا ہے اور ذہنی غلامی کا مزاج بننے کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور علمی ادعا پسندوں اور علمی بونوں کو پھلنے پھولنے کا موقع نہیں ملتا۔تحقیق کا کام بہت کٹھن ہے لیکن ہے سب ہی موثر اور مفید۔**ایک مصیبت یہ آن پڑی ہے کہ مخطوطات کو ایڈٹ کرنے کا نام تحقیق پڑ گیا ہے اس کی بھی اپنی مطلوب اہمیت طے ہے، لیکن تحقیق سے مراد تحقیق حق ہے، معانی کی تحقیق، روایات کی چھان بین، اور مقبول ومردود کی تحقیق، استدلال واستنباط کے صحیح اصولوں کے مطابق احکام کے دریافت کرنے کی کوشش، دین سے متعلق پھیلے شکوک وشبہات کو دور کرکے حق اور سچائی کی تحقیق، دراصل یہی بنیادی تحقیق ہے۔**

دینی، حدیثی تحقیقات کی جو راہ سنابلی صاحب نے اپنائی ہے اس کا تعلق حقیقی اور اصلی تحقیق سے

ہے۔روایات کی تحقیق میں انہوں نے اصولی منہج کواپنایا ہے۔متون واسناد کے دراسۃ کے جو اصول و ضوابط ہیں، ان کی روشنی میں یہ روایات کا مطالعہ اور دراسۃ کرتے ہیں، اور اپنی ذاتی محنت اور ماحصل کو پوری علمی ودینی امانت داری کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔عموماً یہ ہوتا ہے کہ کثرت تحریر کے شوق میں محدثین کے دراسات اور روایات پر ان کے احکام کولوگ اپنا بنا کر اپنا حاصل دراسۃ پیش کرتے ہیں۔اس عام روش کے برخلاف عزیز سنابلی نے فن کے درو بست سے پوری آگاہی حاصل کرنے کی کوشش کی ہے اور اس وادی کی بھرپور سیر کی ہے اور کرتے رہتے ہیں۔اور پورے ادب و احترام کے ساتھ علماء حدیث کے تجریحی وتعدیلی احکامات اور خیالات سے استفادہ کرتے ہیں۔اور سارے دراساتی مرحلوں سے گزر کر بذات خود اصولوں کے مطابق ایک نتیجہ نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

فن روایات میں معلل روایتوں کی پرکھ، اوران سے متعلق طرق متعددہ کی جانکاری، اوران کے اسنادومتن کا دراسۃ اور نتیجے تک پہونچنا سب سے کٹھن کام ہے۔معلل روایتوں کو چھان کرنکالنا، انہیں مقبول ومردود کے نتیجے تک پہونچانا روایات کا سب سے معرکۃ الآراء علمی مبحث ہے۔اللہ تعالیٰ ان لوگوں کوان کی پہچان دے دیتا ہے جو دین کی جذبے سے اس میں لگ جاتے ہیں۔مصنف نے اس کٹھن مرحلے سے بھی خودکوگزارا ہے اوراس گھاٹی کوبھی سرکرنے کی کوشش کی ہے۔

ہماری دعا ہے کہ جس حساس تحقیقی میدان میں مولانا کفایت اللہ سنابلی نے قدم رکھا ہے اللہ تعالیٰ اس راہ میں ان کی مدد فرمائے اور انہیں اس علم مبارک میں محدثین کا خلف صالح بنائے اور دین وملت کیلئے ان کے علم کو مفید بنائے۔آمین۔

عبدالمعید مدنی (علی گڑھ)

۲۰۱۴/۹/۲۹

مناظر جماعت، فضیلۃ الشیخ رضاء اللہ عبد الکریم مدنی حفظہ اللہ

ناظم تعلیمات جامعہ سید نذیر حسین محدث دہلوی

بسم اللہ الرحمان الرحیم

الحمدلله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين و على اله و صحبه و اهل بيته اجمعين ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين.

اما بعد

مسائل صلاۃ میں اختلاف علماء امت کے درمیان زمانہ قدیم سے چلا آتا ہے انہیں مسائل میں ایک مسئلہ حالت صلاۃ میں ہاتھ باندھنے کا بھی ہے، عام طور پر اس میں دو فریق مشہور ہیں علماء اہل حدیث اور علماء اہل الرای۔ روایات اس بارے میں کئی معنی کی مروی ہیں، بعض میں علی الصدر، بعض میں عند الصدر اور بعض میں تحت الصدر جیسے الفاظ مروی ہیں۔ اور بعض روایات میں فوق السرۃ، بعض میں تحت السرۃ اور بعض میں علی السرۃ یا اسی معنی کے الفاظ ہیں۔ بعض روایات میں صرف ہاتھ باندھنے کا تذکرہ ہے ان میں علی الصدر یا علی السرۃ یا تحت السرۃ کے الفاظ تو نہیں لیکن جو طریقہ ان میں بیان کیا گیا ہے، اگر اس پر عمل کریں تو ہاتھ علی الصدر یعنی سینہ ہی پر آتے ہیں۔

ان احادیث پر عمل بھی دو طریق پر آجکل ہو رہا ہے، ایک طریقہ اہل حدیث کا ہے جس پر عمل کثرت سے ہو رہا ہے، مذاہب فقہیہ میں شوافع، حنابلہ اور موالک میں اہل تحقیق سینہ پر ہی ہاتھ باندھنے پر عامل ہیں اگر اس میں ان مذاہب فقہیہ کی خواتین کو بھی شامل کر لیا جائے جو امت کا آدھے سے زیادہ حصہ ہیں تو یہ بات کہنے میں کوئی باک یا شک نہیں رہتا کہ امت کی اکثریت سینہ پر ہاتھ باندھنے پر عمل پیرا ہیں۔

صرف چند ضدی مقلدوں کے علاوہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا عمل کسی کا نہیں احناف جو ہندوستان کی غالب اکثریت ہے ان میں عورتیں تو ساری ہی سینہ پر ہاتھ باندھتی ہیں باقی علماء مقلدین میں آج اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو فوق السرۃ پر عامل ہیں اور اگر بعض ان علماء کی بات مان لی جائے جو ناف سے اوپر کے حصہ کو صدر ہی میں شمار کرتے ہیں تو نتیجہ یہی نکلے گا کہ احناف کے پڑھے لکھے لوگ

سینہ پر ہی ہاتھ باندھنے پر عامل ہیں۔

جن مسائل میں احناف خصوصاً دیوبندی حضرات اہل حدیث سے الرجک ہیں ان میں یہ مسئلہ بھی ہے، اس مسئلہ پر دونوں طرف سے بیسیوں کتابیں، کتابچے شائع ہو چکے ہیں اور برابر ہو رہے ہیں۔

اہل حدیث کی طرف سے حضرت سہل بن سعد کی روایت جو بخاری کی روایت ہے حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت حضرت طاؤس بن کیسان اور حضرت قبیصہ بن ھلب طائی کی روایات پیش کی جاتی ہیں ان روایات صحیحہ صریحہ ومرفوعہ وحسان کو احناف محض اپنے تقلیدی مذہب کی پاسداری میں واہی تباہی مطاعن سے رد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

جب کہ خود ان کے موقف پر دلالت کرنے والی ایک روایت بھی صحیح صریح مرفوع سرے سے موجود نہیں۔

اس کمی کو انھوں نے ان اعمال نامرضیہ غیر شریفہ سے پورا کرنا چاہا ہے جو کسی مسلمان کی شان کے ہرگز لائق نہیں چہ جائے کہ علماء ذی وقار یہ گھناؤنی حرکت کریں۔

الحمد اللہ اس مسئلہ پر آج کی تاریخ تک سب سے طویل، وقیع، ضخیم اور بے مثال کتاب عزیزم مولانا ابوالفوزان کفایت اللہ السنابلی، حفظہ اللہ وتولاہ وکثر امثالہ وجزاہ اللہ خیرا نے تالیف فرمائی ہے۔

کتاب میں اس مسئلہ کے مالہ وماعلیہ پر علی وجہ البصیرۃ سیر حاصل کلام کیا گیا ہے۔ محدثین کرام کے علوم و معارف سے استفادہ کا سلیقہ ہر ایک کو نہیں آتا، لیکن کہنا پڑتا ہے کہ ابوالفوزان کفایت اللہ السنابلی کو یہ سلیقہ آتا ہے۔

اہل حدیث کے دلائل پر آج تک تمام وہ اعتراضات جو مقلدین کے اکابر واصاغر وقتا فوقتا کرتے رہتے ہیں ان کو پوری بصیرت کے ساتھ علمی شان وسنجیدگی کے ساتھ نا صرف رد کر دیا ہے بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ یہ اعتراضات محض مذھبی پاسداری میں کئے گئے تھے اور محدثین کے نزدیک ان کی حیثیت محض تار عنکبوت کی ہے۔

مقلدین احناف نے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کو جن شبہات کے سہارے مدلل کرنے کی کوشش کی ہے اس کے بخیئے خوب ادھیڑے ہیں اگر ضد اور ہٹ دھرمی چھوڑ کر انصاف کی راہ سے غور کریں گے تو وہ بھی یہ تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکیں گے کہ اہل حدیث کے دلائل اس بابت نہایت پختہ اور احناف کے دلائل بودے ہیں۔

کتاب کے آخر میں مصنف ابن ابی شیبہ کے مطبوعہ آٹھ نسخوں کا عکس دے کر دیگر قلمی نسخوں کے مقابلہ سے مولف یہ بات ثابت کرنے میں صدفی صد کامیاب ہیں کہ احناف نے اس مسئلہ میں اپنی کمزوری کوتحریف کے گھناؤنے جرم سے دور کرنے کی کوشش کی ہے۔اوراس پر اصرار ہی اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ یہ تحریف جان بوجھ کر کی گئی ہے ورنہ اس طرح کی غلطیوں کوغلطی ہی مانا جاتا ہے مگران کی ضد، ہٹ دھرمی اوراصرار نے اس کوتحریف کہنے پر مجبور کیا ہے۔

اس سلسلہ میں ہندو بیرون ہندوممالک عربیہ کے چندان علماء کی قلعی بھی کھولی گئی ہے جواپنے حلقہ میں محقق بے بدل کہلاتے ہیں۔

مسئلہ کی تفہیم میں کوئی خلاء نہیں چھوڑا گیا ہے ہرقسم کی علمی تشنگی کومعتبر علمی حوالوں سے مزین فرما کر دور کردیا گیا ہے، لہجہ کی پسندیدگی، دلائل کی فراوانی اوراستدلال کی پختگی قاری کوضرورمتاثر کرے گی۔

جماعت اہل حدیث کا یہ نوجوان، ان شاء اللہ اس کمی کوضرور پورا کرے گا جس کے لئے ہم جیسے بہت سارے لوگ فکرمند تھے سچ کہا ہے کسی نے۔

ہر کسے را بہر کارے ساختند

اللہ تعالی نے ان کو جو صلاحتیں دی ہیں وہ میرے لئے باعث مسرت ہیں اللہ ان کی زندگی کو دراز کرے اوران کی ذات سے اسلام کوبیش ازبیش فائدہ پہونچائے،ضرورت ہے جماعت ان جیسے نوجوانوں کی بھرپور سرپرستی کرے تاکہ جوخلاء سالہائے گذشتہ میں جماعت کے بزرگ علماء کی رحلت سے پیدا ہوا ہے وہ پورا ہوسکے۔ولیس ذلک علی اللہ بعزیز۔وصلی اللہ علی نبینا محمد ﷺ۔

رضاءاللہ عبدالکریم المدنی

ناظم تعلیمات جامعہ سید نذیر حسین محدث دہلوی

پھاٹک حبش خان، دہلی۔٦

٢٠/٩/٢٠١٤

فضیلۃ الشیخ محفوظ الرحمٰن فیضی حفظہ اللہ

استاذ حدیث جامعہ محمدیہ کھیدو پورہ، مئو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فاضل گرامی مولانا ابوالفوزان کفایت اللہ سنابلی رحفظہ اللہ وسلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

آپ کی گراں قدر تحقیقی کتاب ''انوارالبدر فی وضع الیدین علی الصدر'' کا مسودہ بصد شوق وتوجہ دیکھا، لیکن مراجعہ سے زیادہ استفادہ کی غرض سے۔ میں قبل ازیں آپ کے متعدد مقالات علمیہ سے مستفید ہوتا رہا ہوں۔ اور اب اس کتاب سے استفادہ کا موقع ملا، جس کے بعد بجا طور پر میرا جو تاثر ہے وہ یہ کہ میں آپ کی شخصیت میں حافظ زبیر علیزئی رحمہ اللہ کا بدل ہی نہیں نعم البدل پا رہا ہوں، زادکم اللہ بسطۃ فی العلم والفقہ فقہ الکتاب والسنہ۔

اس سلسلے میں ایک ہی نصیحت کرسکتا ہوں کہ حافظ زبیر علیزئی رحمہ اللہ کی سی سختی اور امام ابن حزم رحمہ اللہ کی غلظت ویبوست سے ہر ممکن پرہیز کرنے کی کوشش کیجئے گا، اور قرآنی ادب ﴿فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَيِّنًا﴾ پر عمل کرتے رہنے کی کوشش کیجئے گا۔ وفقنا اللہ وایاکم لمایحبہ ویرضی ،وھو الموفق والمستعان. وجزاکم اللہ خیرا. وزادکم علما وفضلا و معرفۃ .

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

محفوظ الرحمٰن فیضی
مئوناتھ بھنجن
۲۹ /اگست ۲۰۱۴

فضیلۃ الشیخ عبدالسلام سلفی حفظہ اللہ

امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علی رسولہ الکریم و صلی اللہ علی الہ وصحبہ اجمعین ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین وبعد !

اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی کا صحیح طریقہ اس کے رسول ﷺ کا ہی طریقہ ہے کیونکہ جس طرح عبادت کا حکم اللہ کی طرف سے ہے اسی طرح اس کا طریقہ بھی اللہ رب العالمین کی طرف سے رسولِ رحمت پر اترا ہے۔اور عام حکم ہو چکا ہے: ﴿اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُم مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ﴾ تم لوگ اس کی اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر من گھڑت سرپرستوں کی اتباع مت کرو تم لوگ بہت ہی کم نصیحت پکڑتے ہو (الاعراف:۳)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی بنیاد پر نبی ﷺ سے علم وعمل دونوں سیکھتے تھے آپ نے ممبر پر کھڑے ہو کر طریقۂ صلوٰۃ کی بھی عملی تعلیم دی اور ہر دینی مسئلے میں حکم عام تھا کہ سنت سیکھو اور اسی پر چلو۔اس لیے ہر امتی کی یہ دینی ذمہ داری ہے کہ سنت پر عمل پیرا ہو۔

لیکن حسب پیشین گوئی امت میں یہ فتنہ ظہور پذیر ہوا کہ ھدی رسول ﷺ کو چھوڑ کر غیروں کے طریقے پر عمل رائج ہوا۔اس پر عصبیت اس حد تک بڑھی کہ اپنے مسلک وطریقے کو مدلل کرنے کے لیے حدیث سازی کا عمل بھی شروع ہو کر رائج ہوا۔نعوذ باللہ من ذالک

مگر ساتھ ہی یہ اللہ کا وعدہ تھا جو پورا ہوا اور ہر دور میں پورا ہوگا۔ فتنے اگر ہوں گے تو ختم بھی ہوں گے اور تجدید دین وسنت کا کام ہوتا رہے گا:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾

ہم نے ہی اس قرآن کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں (الحجر:۹)

”إِنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِينَهَا“

”بیشک اللہ ذوالجلال ہر سو سال کے شروع میں یا آخر میں اس امت کے اندر ایک آدمی پیدا کرتا رہے گا جو اس کے دین کو از سرنو قائم اور مضبوط کرتا رہے گا“۔ (ابوداؤد:۴۲۹۱)

اس میدان میں مردان حق کی لا متناہی کوششیں تاریخ کا حصہ ہیں اور آج بھی یہ عمل جاری وساری ہے۔

اسی سلسلے کی ایک کڑی شیخ کفایت اللہ سنابلی حفظہ اللہ کی یہ علمی اور تحقیقی کتاب بھی ہے جو اہل علم اور طلباء کے لیے زیادہ مفید ہے لیکن تھوڑی سی توجہ دے دیں تو عام قارئین کو بھی اسے سمجھنے میں دشواری نہیں ہوگی۔ اللہ سے لو لگانے والوں پر اللہ کی طرف سے آسانی وہدایت اترتی ہے۔ **یهدی الیه من ینیب**

ممبئی کے مستند فاضل نوجوان اور علمی دنیا میں اپنی ایک خاص پہچان سے شہرت کی طرف گامزن شیخ کفایت اللہ سنابلی/سلمہ نے سینے پر ہاتھ باندھنا ہی سنتِ صحیحہ سے ثابت ہے، اس اہم موضوع کو منتخب کیا ہے اور موضوع کا حق ادا کر دیا ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر نہایت مفید مطمئن اور کفایت کرنے والی ثابت ہوگی۔ **فجزاہ اللہ خیرا عن جمیع المسلمین**

آئی آئی سی ممبئی نے اس کتاب کی طباعت واشاعت کا فیصلہ کر کے ایک اہم اقدام کیا ہے۔ اس کے ذمہ داران، محبانِ سنت کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ رب العالمین مؤلف عزیز اور اس ادارہ کی اس خصوصی کوشش اور پیش کش کو قبول فرمائے اور توفیق مزید دے۔ **وصلی اللہ علی نبینا محمد** ﷺ.

اخوکم فی الدین

عبدالسلام سلفی

امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

۱۱/ذی القعدہ ۱۴۳۵ھ

۷/ستمبر ۲۰۱۴ء

انسائیکلوپیڈیا مختلف فیہ مسائل۔جلد اول

جب بھی نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی بات ہوتی ہے تو فوری طور پر مجھے دو چیزیں یاد آتی ہیں۔پہلی چیز میرے استاد شیخ عبدالستار سراجی/حفظہ اللہ کی عقلی دلیل کہ جب کوئی انسان احتراماً کسی کے لیے ہاتھ جوڑتا ہے تو اس کے دونوں ہاتھ منہ اور سینے کے درمیان اور دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کا رخ قابل احترام شخص کی طرف ہوتا ہے۔یہ حرکت نیچرل ہے اور ہر انسان بغیر کسی ٹریننگ کے جب یہ کرتا ہے ایسا ہی کرتا ہے۔کیونکہ اس کے بجائے اگر کوئی اپنے دونوں ہاتھ زیر ناف رکھ کر کسی کو احترام دینا چاہے تو وہ احترام نہ ہو کر کچھ اور ہو جائے گا جس کا اندازہ ہر نارمل انسان کر سکتا ہے۔

دوسری چیز، سوالوں جوابوں، بحثوں دلیلوں کا وہ سلسلہ جس کا سامنا مدرسہ پلانیٹ چھوڑنے کے بعد سے اب تک ہوا ہے۔اس طرح کے سارے سلسلے اور ان کی گتھیاں سلجھانے میں الجھے ہوئے لوگ کبھی اس معیار کے اہل حدیث نہیں لگے مجھے جن سے دنیا قیامت تک خالی نہیں ہوگی، حالانکہ 'فروعی مسائل' کہہ کر نبی ﷺ کی سنتوں کی تخفیف کرنے والوں کے لیے ہمیشہ یہ محسوس ہوا ہے کہ انھیں اپنے اسلام اور ایمان دونوں پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔دوسری طرف اپنے مفروضہ امام کے مسلک کی طرف داری اور اس کو درست سمجھنے میں حیلوں بہانوں قصے کہانیوں یہاں تک کہ تحریف کے شکار لوگوں سے سامنا ہو جائے تو لگتا ہے ان کی کھوپڑی سے علماء سوء نے سوجھ بوجھ کی چپ (Chip) ہی نکال لی ہے۔

مختلف فیہ مسائل کا تنازعہ دور کرنا بلاشبہ تبلیغ دین کا ایک حصہ ہے مگر ساری فوج دیگر محاذ چھوڑ کر یہیں ڈٹ جائے تو باقی محاذوں کی کیا درگت بنے گی اس کا اندازہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے آج کی دنیا دیکھ لیجیے۔کمانڈر نہ ہو یا ہو مگر کمزور ہو تو فوج ایسی ہی من مانی کرتی ہے جیسی آج کل ہو رہی ہے۔ ساری اہل حدیثیت ایک 'مختلف فیہ مسائل' کے نام ہو گئی ہے۔

ایسے مشاہدے اور ایسے نقطہ نظر میں ایک اور ڈائمنشن کا اضافہ ابھی حال ہی میں شیخ کفایت اللہ سنابلی صاحب کی کتاب ''انوار البدر فی وضع الیدین علی الصدر'' سے ہوا۔مختلف فیہ مسائل پر ڈاکومنٹیشن کی سطح کا ایسا ہی کام ہونا چاہیے۔اور ایسے محاذ پر شیخ کفایت جیسے متخصصین ہی حق ادا کر سکتے ہیں۔

مختلف فیہ مسائل پر نہ جانے کتنے ادھورے مناظرے، بے تکی تحریریں، ناقص بحثیں اور نامراد مجلسیں تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں۔انرجی کے ایسے تمام ضیاع کا تریاق ثابت ہوسکتی ہے شیخ سنابلی کی یہ کتاب، کیونکہ اس میں سکے کا صرف ایک رخ نہیں ہے،موضوع سے متعلق دستیاب تمام سوال وجواب، اشکال وازالہ، تعارض وتطبیق، تحریف ونشاندہی، سب کچھ ہے اس میں۔ جو کام ایک تحقیقی ادارہ کرتا ہے اس کی توفیق اللہ رب العزت نے ایک اکیلے شخص کو دے دی۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

شیخ سنابلی نے تمام مختلف فیہ مسائل کا جو یہ انسائیکلو پیڈیا تیار کرنا شروع کیا ہے، انوارالبدر جس کی جلد اول ہے، آئی سی اسی ایک پروجیکٹ کی سرپرستی کردے تو ان شاءاللہ یہ اس کا تاریخی کارنامہ ہوگا جس سے مستقبل میں استفادے اور حوالے کا کام لیا جائے گا۔ یہ ایک کام ان تمام نام نہاد دعوتی وتبلیغی کاوشوں سے زیادہ معقول اور مفید ہوگا جس کے دھوکے میں پڑ کر لوگوں نے سیکولرسٹ کا روپ دھارلیا ہے اور ایسی ایسی حرکتیں کرنے لگے ہیں جن کا اللہ کے دین یا نبی ﷺ کی سنت سے دور دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ ایسے تمام لوگ ہمارے دینی بھائی ہیں، اللہ انھیں دین کی سمجھ دے۔

اللہ سے دعا ہے کہ انسائیکلو پیڈیا مختلف فیہ مسائل۔ جلد دوم بھی جلد ہی پڑھنے کو ملے۔

ابوالمیز ان

ایڈیٹر دولسانی ماہنامہ ''دی فری لانسر''، ممبئی

حرفے چند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین، وعلی الہ واصحابہ وبعد،

شہادتین کے اقرار میں اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت اور اس عبادت کے سلسلہ میں بلکہ زندگی کے تمام معاملات میں نبی کریم ﷺ کی اتباع وطاعت کا عزم خود موجود ہے۔ لیکن افسوس کہ مذہبی تعصب جب انسانی فکر کے لئے رہنما اصول بن جاتا ہے تو اس کے نتیجہ میں کئی منکرات وجود میں آتے ہیں۔ ہٹ دھرمی ثابت قدمی ہو جاتی ہے، کتمان حق مصلحت بن جاتا ہے، تلبیسات وتحریفات کو ذہانت اور حکمت کا تقاضا سمجھا جانے لگتا ہے۔ معاملہ اتنا الٹا ہو جاتا ہے کہ دلائل شخصیات کے عمل کے محتاج ہو جاتے ہیں، بلکہ محض عوام کا رواج اور طرز عمل بھی محکم دلائل کے بالمقابل درست کہے جانے لائق ''قطعی دلیل'' کا مقام حاصل کر لیتا ہے۔ مذکورہ ''طریق تحقیق واستدلال'' کے نتیجہ ہی میں ہمارا معاشرہ اس حد کو پہنچ چکا تھا کہ عوام تو دور بہت سے دستار بند بھی حدیث اور سند وفقہ الحدیث سے کوسوں دور ہو چکے تھے۔

اہلحدیث کی دعوت حق ہر زمانہ میں جاری وساری رہی، لیکن موجودہ دور میں وسائل اعلام نے اسے اور بھی عام کر دیا۔ دور جدید میں اہلحدیث کی دعوت کے نتیجہ میں عوام میں اور خصوصا نوجوانوں میں تحقیق وطلب علم کا جو جذبہ پیدا ہوا وہ کسی پر مخفی نہیں، گاؤں شہر کے نوجوان کتاب وسنت کے پابند ہونے لگے اور عبادات واحکام میں کتاب وسنت کے دلائل کا علم حاصل کرنے لگے۔

بہت سے تقلید اور مذہبی جمود کے شیدائیوں نے اس دینی بیداری کو انحراف اور بے دینی قرار دیتے ہوئے اس کی بیجا مخالفت وسرکوبی کا بیڑہ اٹھایا۔ اور ہمیشہ کی طرح دلائل کو اپنے موقف کے مطابق پیش کرنے کی کوشش میں باطل تاویلات سے لے کر تحریفات تک کو اپنے لئے حلال کر لیا۔ اہلحدیث ماضی میں بھی اس طرح تمام کوششوں کو ناکام کرتے رہے ہیں اور قیامت تک کرتے رہیں گے۔ اسی چیز کی طرف خود نبی کریم ﷺ حدیث طائفہ منصورہ میں اور دوسری احادیث میں اشارہ کر دیا ہے۔

زیر نظر کتاب ''انوار البدر فی وضع الیدین علی الصدر'' بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جسمیں ہمارے بھائی شیخ ابوالفوزان کفایت اللہ سنابلی نے مزاج اہلحدیث کی نمائندگی کرتے ہوئے اس اہم مسئلہ پر بڑی متانت اور علمی اصولوں کی مکمل رعایت کرتے ہوئے اہلحدیث کے موقف کونہایت ہی عمدہ اور تفصیلی انداز میں ثابت کیا ہے۔کتاب کا حجم اوراس کے مباحث، اور حوالوں اور مراجع کی تفصیل، نسخوں اورطبعات کا جائزہ،تمام چیزیں مؤلف کے جذبۂ اثبات حق، وابطال باطل، اور محنت شاقہ کی دلیل وشاہد ہیں۔اللہ رب العالمین مؤلف کی عمر وصلاحیتوں میں مزید برکت عطا فرمائے۔

یہ چند کلمات ہیں جو تائید حق کے طور پر ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى﴾ کے حکم کی تعمیل میں مؤلف کتاب کے مطالبہ پر میں نے لکھ دئے، ورنہ میں خود اپنے آپ کو کسی علمی کتاب پر تقریظ یا کچھ بھی لکھنے کے سلسلہ میں قطعا اہل نہیں پاتا۔

اخیراً ایک بات یہاں ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں، ہندو پاک میں حنفی مکتب فکر کے احباب سینہ پر ہاتھ باندھنے کی خاص مخالفت کرتے ہیں بلکہ اس سلسلہ میں اہلحدیث کی مخالفت میں اکثر اوقات اخلاقی حدود بھی پار کر جاتے ہیں ،لیکن انہیں کے بزرگوں میں سے دو مشہور شخصیتوں سے خود سینہ پر ہاتھ باندھنے کی تائید اور اثبات صراحت کے ساتھ انہیں کی کتابوں میں موجود ہے۔لہذا جو حضرات دلائل سے زیادہ شخصیات کو اہمیت دیتے ہیں انکے لئے کچھ باتیں عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ بریلوی مکتبہ فکر کے بانی احمد رضا خان صاحب نے اپنے ایک فتویٰ میں لکھا ہے:

> ''اقول (میں کہتا ہوں) اللہ کی توفیق سے اس مسئلہ پر ایک حدیث جیدالاسناد پیش کروں، اس کی تقریر یوں ہے کہ حضور علیہ السلام سے ہاتھ باندھنے کی دو صورتیں مروی ہیں، ایک صورت زیر ناف کی ہے اور اس بارے میں متعدد احادیث وارد ہیں۔سب سے اہم روایت وہ ہے جسے ابوبکر بن شیبہ نے اپنی مصنف میں ذکر کیا کہ ہمیں وکیع نے موسی بن عمیر سے علقمہ بن وائل بن حجر نے اپنے والد گرامی رضی اللہ تعالی عنہ سے حدیث بیان کی ہے کہ میں نے دوران نماز نبی اکرم ﷺ کو دائیں ہاتھ کو بائیں پر ناف کے نیچے باندھے دیکھا ہے۔امام علامہ قاسم بن قطلو بغا حنفی رحمہ اللہ تعالی ''اختیار شرح مختار'' کی احادیث کی تخریج کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کی سند جید اور تمام راوی ثقہ ہیں۔

دوسری صورت سینہ پر ہاتھ باندھنے کی ہے، اس بارے میں ابن خزیمہ اپنی صحیح میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالی عنہ سے ہی لائے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی معیت میں نماز پڑھنے کا شرف پایا تو آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھ کر سینے پر ہاتھ باندھے ۔چونکہ ان کی تاریخ کا علم نہیں کہ کون سی روایت پہلے کی ہے اور کون سی بعد کی، اور دونوں روایات ثابت ومقبول ہیں تو لا جرم دونوں میں سے کسی ایک کو ترجیح ہوگی ۔ جب ہم نماز کے اس فعل بلکہ نماز کے تمام افعال پر نظر خیر ڈالتے ہیں تو وہ تمام کے تمام تعظیم پر مبنی نظر آتے ہیں اور مسلم ومعروف تعظیم کا طریقہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ہے۔ لہذا امام محقق علی الاطلاق نے فتح میں فرمایا ہے: قیام میں بقصد تعظیم ہاتھ باندھنے کا معاملہ معروف طریقہ پر چھوڑا جائے، اور قیام میں تعظیما ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ہی معروف ہے لہذا مردوں کے بارے میں ابن ابی شیبہ کی روایت راجح ہے۔"

آگے چل کر لکھتے ہیں:

"اور اس میں کوئی شک نہیں کہ عورت تمام کی تمام قابل ستر وحجاب ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ عورتوں کے حق میں سینہ پر ہاتھ باندھنا زیر ناف باندھنے سے زیادہ حجاب اور حیا کے قریب ہے ۔ اور خواتین کا تعظیم کرنا ستر وحجاب کی صورت میں ہے، کیوں کہ تعظیم ادب کے بغیر اور ادب حیا کے بغیر اور حیا حجاب کے بغیر حاصل نہیں ہوتا لہذا خواتین کے حق میں حدیث ابن خزیمہ زیادہ راجح ثابت ہوئی اور ثابت ہوگیا کہ دونوں مسائل میں ایسی حدیث موجود ہے جس کی سند جید ہے اور ہر علماء حدیث نے دونوں مقامات پر حدیث وترجیح پر ہی عمل فرمایا ہے رحمۃ اللہ علیھم اجمعین۔" [فتاوی رضویہ ج ۶ ص ۱۶۹۔۱۴۵]

ترجیح کے اس عجیب وغریب فلسفہ پر تفصیلی تبصرہ کے بجائے اختصار اعرض ہے۔

۱۔ احمد رضا خان صاحب نے صراحتا اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ابن خزیمہ کی حدیث کی "سند جید ہے" اور یہ حدیث "ثابت ومقبول" ہے لہذا بریلوی مکتب فکر کے دیگر افراد کا اس حدیث پر ضعیف کا حکم لگانے کا مجاہدہ کرنا فاضل بریلوی کی تحقیق پر پانی پھیرنے کے مترادف اور موصوف کی حدیث دانی پر اعتراض کے ہم معنی ہے۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ موصوف کا خواتین کے سینہ پر ہاتھ باندھنے کے سلسلہ میں حدیث ابن خزیمہ کو دلیل بنانا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ صحیح ابن خزیمہ کی اس ثابت اور جید حدیث کو دلیل بنا کر

عمل کرنے والے محض ''شاذ'' اہلحدیث نہیں بلکہ ان کے ساتھ حنفی خواتین بلکہ دیگر مذاہب کی خواتین بھی ہیں۔ اس اعتبار سے آج اس حدیث پر عمل کرنے والے افراد امت کی اکثریت ہوئے جس کی طرف شیخ رضاء اللہ عبدالکریم حفظہ اللہ نے اشارہ کیا ہے۔ یہاں اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اہلحدیث حضرات حنفی خواتین کی مشابہت میں سینہ پر ہاتھ باندھتے ہیں جبکہ خواتین کی مشابہت خود ایک ممنوع چیز ہے تو عرض ہے کہ اہلحدیث حضرات حنفی خواتین کی مشابہت میں نہیں بلکہ نبی ﷺ کی اتباع میں ایسا کرتے ہیں اور خوش قسمتی سے حنفی و دیگر خواتین بھی اس مسئلہ میں ان کے ساتھ ہیں۔ اور مشابہت کے وسوسہ کو دفع کرنے کے لئے اسی بات پر غور کرلیں کہ خواتین عورت ہو کر نبی ﷺ کے عمل کی پیروی کرسکتی ہے تو پھر مرد کیوں نہیں کرسکتے ہیں۔

اس اعتبار سے اصل اعتراض تو خواتین پر ہونا چاہیے تھا نہ کہ خود اہلحدیث پر۔

۳۔ فاضل بریلوی نے یہاں دونوں حدیثوں میں ترجیح کو اپنایا حالانکہ جمع و تطبیق ترجیح سے بہتر ہے۔ ﴿ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ ﴾ کا تقاضا تو یہ ہے کہ ایک ہی مسئلہ میں نبی ﷺ سے دو عمل ثابت ہوں تو دونوں کو سنت قرار دیا جائے اور ان پر عمل کیا جائے۔ نہ یہ کہ آپ ﷺ کا ایک عمل مردوں کو ایک عمل عورتوں کو دیکر انہیں ہمیشہ کے لئے اس کا پابند کرتے ہوئے دوسرے عمل سے محروم کردیا جائے۔ اگر موصوف دونوں عمل ثابت مانتے ہیں تو انہیں ساری امت کے لئے دونوں کو برابر سنت قرار دینے میں کیا مانع ہے؟

اور حقیقت تو یہ ہے کہ ابن ابی شیبہ کی مذکورہ روایت سرے سے ثابت ہی نہیں۔ اس کی تفصیل کتاب ھذا میں شیخ کفایت اللہ نے بڑی دقت سے بیان کی ہے۔ ابن ابی شیبہ کی روایت ''تحت السرۃ'' کی زیادتی بعد کی تحریف والحاق کا نتیجہ ہونے کے کئی قرائن ہیں۔

جن میں سے ایک چیز تو خود موصوف بریلوی کا اس کی تصحیح وثبوت کے لئے نویں صدی ہجری کے حنفی عالم قاسم بن قطلو بغا کا قول پیش کرنا ہے۔ ایسا اس لئے کہ قاسم بن قطلو بغا سے پہلے ''تحت السرۃ'' کی زیادتی عام محدثین تو دور خود حنفی علماء میں سے بھی کسی نے بیان نہیں کی۔ حنفی مکتب فکر سے ایک دوسرے دیوبندی عالم انور شاہ کشمیری نے بھی اس زیادتی کے سلسلہ میں قاسم بن قطلو بغا ہی کا نام لیا

ہے۔فرماتے ہیں:

''اول من نبہ علی کونہ فی مصنف ابن ابی شیبہ ھو العلامۃقاسم بن قطلو بغا'' یعنی''تحت السرۃ'' کی اس زیادتی کے وجود کا مصنف ابن ابی شیبہ میں ہونا سب سے پہلے علامہ قاسم بن قطلو بغا ہی نے ذکر کیا ہے[العرف الشذی شرح سنن الترمذی: ج۱ص۲۶۱]

قاسم بن قطلو بغا سے پہلے کسی بھی حنفی بلکہ غیر حنفی کا اس زیادتی کا ذکر نہ کرنا جب کہ مصنف ابن ابی شیبہ علمی حلقوں میں ہمیشہ سے متداول رہی ہے اس زیادتی کے غلطی وتحریف ہونے ہی کو ثابت کرتا ہے۔اس کی مزید تفصیل علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری کی تحفۃ الاحوذی میں دیکھی جاسکتی ہے۔حنفی علماء میں سے علامہ زیلعی کثرت سے مصنف ابن ابی شیبہ کا حوالہ دیتے ہیں لیکن انہوں نے بھی اس حدیث کو ہدایہ کی احادیث کوتخریج کرتے ہوئے نصب الرایہ میں کہیں بیان نہیں کیا۔بلکہ عادت کے مطابق احادیث الخصوم میں وائل بن حجر کی حدیث بیان کی تو سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیث ذکر کی اورخود اپنے دلائل میں حدیث علی ذکر کی۔اوراس کے ضعف پر محدثین کے اتفاق کو بھی نقل کیا۔اگر مصنف کی یہ حدیث زیلعی کے پاس ہوتی تو اسے حدیث وائل کے بالمقابل ضرور ذکر کرتے۔

دیوبندی مکتب فکر کے علماء میں سے جسٹس تقی عثمانی نے بھی اس زیادتی کو مشکوک بتاتے ہوئے اس حدیث سے استدلال کو کمزور بتایا ہے۔فرماتے ہیں:

''لیکن احقر کی کی نظر میں اس روایت سے استدلال کمزور ہے''مزید فرماتے ہیں''اس زیادتی کا بعض نسخوں میں ہونا اور بعض میں نہ ہونا اس کو مشکوک ضرور بنا دیتا ہے''[تقریر ترمذی ج۲ص۲۳]

آدمی کو چاہیے کہ وہ شک والی چیز کو چھوڑ کر ایسی چیز اختیار کرے جس میں شک نہ ہو۔

لھذا صحیح ابن خزیمہ کی صاف صریح مرفوع حدیث کے مقابلہ میں اس مشکوک حدیث کو رکھکر پھر اس کو ترجیح دینا علمی اصولوں کے ہرگز مطابق نہیں۔

۴۔بعض حضرات نے امام ترمذی کے قول کو حجت بناتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ امت میں ہاتھ باندھنے کے اعتبار سے دوہی مقام قابل عمل رہے۔ایک ناف کے اوپر،دوسرے ناف

کے نیچے۔سینہ پر ہاتھ باندھنے کا عمل امت میں معمول بہ نہیں رہا۔یہ محض اہلحدیث کی ایجاد ہے۔

اس طرح کی باتیں بعض ''ماہرین خطابت'' سے سننے کو ملتی ہیں۔یہ ''تحقیق'' کم علم عوام کے لئے تسکین صدر کا سبب تو بن سکتی ہے لیکن اہل علم کی نگاہ میں بیت العنکبوت سے بڑھ کر نہیں ہے۔

خود دیوبندی مکتب فکر کے اکابرین میں سے اشرف علی تھانوی صاحب کی بات پیش کرنا کافی ہے، امام ترمذی کے قول کی تشریح میں فرماتے ہیں

''یہ اختلاف باعتبار اولی اور غیر اولی ہونے کے ہے۔بعض صحابہ ناف کے اوپر ہاتھ باندھتے تھے،یعنی سینہ پر جیسا کہ اور احادیث میں لفظ صدر مصرح واقع ہوا ہے اور بعض صحابہ زیر ناف ہاتھ باندھا کرتے تھے۔سو جو طریق جن کے مشائخ کا ہو وہ اس کو اختیار کرے۔[تقریر ترمذی:ص ۷۰]

لیجئے ''ناف سے اوپر'' کا مطلب ''سینہ پر'' ہے۔اب اہلحدیث کو لغت اور عربی زبان سے ناواقف ثابت کرنے کی کوشش خود اپنے اکابرین کی فضیحت کا سبب بنے گی۔

یہاں بعض صحابہ سے ناف کے نیچے باندھنے کا جو ذکر ہے اس کا جائزہ کتاب ھذا میں موجود ہے یہ تمام روایات ضعیف ہیں۔رہی وہ روایت جن میں ناف سے اوپر ''یعنی سینہ پر'' باندھنے کا ذکر ہے تو وہ ثابت شدہ روایات ہیں جن کی تفصیل الاخ الفاضل ابوالفوزان کفایت اللہ سنابلی نے کتاب ھذا میں شرح وبسط سے بیان کردی ہے۔یہاں اس کی تکرار تحصیل حاصل کے مصداق ہوگی۔

اخیراً اللہ تعالی سے دعا ہے کہ عالم اسلام میں موجود تمام اہل حق کی حفاظت فرمائے اور اہل باطل کو ہدایت عطا فرمائے۔اللہ تعالی مؤلف کتاب ھذا کی دینی خدمات کو قبول فرمائے اور انہیں صحت وعافیت کے ساتھ مزید توفیق عطا فرمائے۔

ابوزید ضمیر

۲ ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ

۲۸ ستمبر ۲۰۱۴ء

باب اول

سینے پر ہاتھ باندھنے کے دلائل

فصل اول

مرفوع روایات

حدیث سھل بن سعد رضی اللہ عنہ

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶) نے کہا:

"حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُونَ أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ الْيَدَ الْيُمْنَى عَلَى ذِرَاعِهِ الْيُسْرَى فِي الصَّلَاةِ قَالَ أَبُو حَازِمٍ لَا أَعْلَمُهُ إِلَّا يَنْمِي ذَلِكَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِسْمَاعِيلُ: يُنْمَى ذَلِكَ وَلَمْ يَقُلْ يَنْمِي."

"ہم سے عبداللہ بن مسلمہ نے بیان کیا انہوں نے، مالک سے روایت کیا انہوں نے، ابوحازم سے روایت کیا انہوں نے، سھل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ: "لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ نماز میں ہر شخص دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے ذراع (کہنی سے بیچ کی انگلی تک کے حصہ) پر رکھے۔"

ابوحازم بن دینار نے بیان کیا کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آپ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے تھے۔ اسماعیل بن ابی اویس نے کہا کہ یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائی جاتی تھی یوں نہیں کہا کہ پہنچاتے تھے۔ [بخاری: (درسی نسخہ) : ج ۱ ص ۱۰۲ ۔ بخاری مع الفتح :۔ کتاب الاذان: باب وضع الیمنی علی ذراعه الیسری فی الصلوٰۃ، ح: ۷۴۰ واخرجه مالك فی المؤطا رقم ۳۷۶ عن ابی حازم به ۔ واخرجه ایضا الطبرانی فی المعجم الکبیر: ۱۴۰/۶ رقم ۵۷۸۲ والبیهقی فی المعرفة : ۳۴۰/۲ رقم ۲۹۷۴ وابن المنذر فی الاوسط رقم ۱۲۳۸ من طریق عبدالله بن مسلمه ۔ والطحاوی فی احکام القرآن: ۱۸۹/۱ رقم ۳۳۹ و ابوعوانه فی مستخرجه : ۴۲۹/۱ رقم ۱۵۹۷ من طریق ابن وهب ۔ والبیهقی فی السنن: ۲۸/۲ رقم ۲۱۵۸ من طریق اسماعیل بن اسحاق واسحاق بن الحسن ۔ وفی المعرفة : ۳۴۰/۲ رقم ۲۹۷۴ من طریق یحیی بن بکیر ۔ والبغوی فی شرح السنة : ۳۰/۳ من طریق ابی مصعب ۔ وابن عبدالبر فی التمهید: ۹۶/۲۱ من طریق عمار بن مطرف ۔ والخطیب فی الکفایة: ۴۱۶/۱ من طریق عبدالله بن یوسف ۔ کلهم (عبدالله بن مسلمه و ابن وهب و اسماعیل واسحاق ویحیی ابن بکیر و ابو مصعب و عماربن مطرف و عبدالله بن یوسف) من طریق مالك به]

اس حدیث کے صحیح ہونے کے لئے اس کا صحیح بخاری میں ہونا ہی کافی ہے کیونکہ صحیح بخاری کی احادیث، تمام احادیث میں اعلیٰ قسم کی صحت رکھتی ہیں یہی علماء امت کا فیصلہ ہے۔ [شرح نخبہ: ص: ۲۲۴ اور تدریب الراوی للسیوطی: ص: ۲۵ وغیرہ]۔

نیز اس حدیث کو امام ابن حزم نے المحلی ج: ۴، ص: ۱۱۴ میں اور حافظ ابن القیم نے اعلام الموقعین ج: ۲، ص: ۶ طبع ھند میں صحیح کہا ہے۔

یہ حدیث مرفوع ہے جیسا کہ راوی ابو حازم نے تصریح کی ہے نیز صحابہ کرام کو رسول اللہ ﷺ کے علاوہ یہ حکم کرنے والا کون ہوسکتا ہے؟ اسی لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری ج:۲،ص:۱۲۴ میں اور علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج:۵،ص:۲۷۸ میں اس حدیث کو مرفوع ثابت کیا ہے۔[دیکھئے: نماز میں خشوع اور عاجزی:ص۷،۸۔از علامہ بدیع الدین شاہ الراشدی]

وضاحت:

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے ''ذراع'' پر رکھنے کا حکم دیا ہے اور ''ذراع'' کہتے ہیں ''کہنی سے بیچ کی انگلی تک کے حصہ کو۔''

چنانچہ (غریب الحدیث للحربی:۱/۲۷۷) میں ہے:

''الذراع''من طرف المرفق الی طرف الاصبع الوسطی، یعنی ''ذراع'' کہتے ہیں ''کہنی کے سرے سے لیکر درمیانی انگلی کے سرے تک کے حصہ کو۔''

نیز کتب لغت میں بھی ''ذراع'' کا یہی معنی درج ہے مثلاً دیکھئے:[لسان العرب:۹۳/۸،تاج العروس: ۵۲۱۷/۱ کتاب العین:۹۶/۲،المعجم الوسیط:۳۱۱/۱تهذیب اللغه :۱۸۹/۲،کتاب الکلیات : ۷۳۰/۱وغیرہ]۔

اور دارالعلوم دیوبند کے سابق استاذ ادب مولانا وحید الزماں قاسمی کیرانوی رحمہ اللہ ''ذراع'' کا یہ معنیٰ لکھتے ہیں:

''کہنی سے بیچ کی انگلی تک'' دیکھئے موصوف کی تالیف کردہ لغت کی کتاب[القاموس الجدید،عربی اردو،مادہ''ذرع''ص:۳۰۸ کتب خانہ حسینیہ دیوبند ،یوپی]۔

لغت کی مذکورہ کتابوں سے معلوم ہوا کہ عربی زبان میں ''ذراع'' کہنی سے بیچ کی انگلی تک کے حصہ کو کہتے ہیں اور بخاری کی مذکورہ حدیث میں بائیں ہاتھ کے ''ذراع''، یعنی کہنی سے بیچ کی انگلی تک کے پورے حصہ پر دائیں ہاتھ کو رکھنے کا حکم ہے ،اب اگر اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے ''ذراع'' (یعنی کہنی سے بیچ کی انگلی تک کے پورے حصے) پر رکھیں گے تو دونوں ہاتھ خود بخود سینے پر آجائیں گے، تجربہ کرکے دیکھ لیجئے ،لہٰذا بخاری کی یہ حدیث سینے پر ہاتھ باندھنے کی دلیل ہے۔

علامہ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”ومما یصح أن یورد فی ھذا الباب حدیث سھل بن سعد، وحدیث وائل المتقدِّمان ،ولفظہ: وضع یدہ الیمنی علی ظھر کفہ الیسری والرسغ والساعد. ولفظ حدیث سھل: کان الناس یؤمرون أن یضع الرجل الید الیمنی علی ذراعہ الیسری فی الصلاۃ. فإن قلت: لیس فی الحدیثین بیان موضع الوضع! قلت: ذلک موجود فی المعنی؛ فإنک إذا أخذت تُطَبِّق ما جاء فیھما من المعنی؛فإنک ستجد نفسک مدفوعاً إلی أن تضعھما علی صدرک، أو قریباً منہ، وذلک ینشأ من وضع الید الیمنی علی الکف والرسغ والذراع الیسری، فجرِّب ما قلتُہ لک تجدُہ صوابا. فثبت بھذہ الأحادیث أن السنۃ وضع الیدین علی الصدر.“

”سینے پر ہاتھ باندھنے کے سلسلے میں سھل بن سعد اور وائل بن حجر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ دونوں حدیثوں کو پیش کرنا بھی صحیح ہے، وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی، کلائی اور بازو کے اوپر رکھا“ اور سھل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں ”لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے ذراع (یعنی کہنی سے بیچ کی انگلی تک کے پورے حصے) پر رکھیں۔“ اگر کوئی کہے کہ ان دونوں حدیثوں میں ہاتھ رکھنے کی جگہ کا بیان نہیں ہے تو عرض ہے کہ معنوی طور پر اس کا ذکر موجود ہے کیونکہ جب آپ اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی، کلائی اور بازو پر رکھیں گے تو آپ کے دونوں ہاتھ لازمی طور پر سینے پر یا اس کے قریب آئیں گے، ذرا آپ ہماری بات کا تجربہ کرکے دیکھئے آپ کو سچائی معلوم ہو جائے گی، پس ان احادیث سے ثابت ہوا کہ نماز میں دونوں ہاتھ کا سینے پر رکھنا ہی سنت ہے۔“ [اصل صفۃ صلاۃ النبی ﷺ للالبانی: ج:۱، ص:۲۱۸]۔

❁ تنبیہ:

بعض حضرات اعتراض کرتے ہیں کہ ”ذراع“ پر رکھنے سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ پورے ”ذراع“ پر رکھا جائے، اگر ذراع کے ایک حصہ یعنی ”کف“ ہتھیلی پر رکھ لیا جائے تب بھی تو ذراع پر رکھنے کا عمل ہو جاتا ہے۔

عرض ہے کہ بخاری کی یہ حدیث ملاحظہ ہو:

"عن میمونة قالت: وضع رسول الله ﷺ وضوء ا لجنابة، فأكفأ بيمينه على شماله مرتين أو ثلاثا، ثم غسل فرجه، ثم ضرب يده بالأرض أو الحائط، مرتين أو ثلاثا، ثم مضمض واستنشق، وغسل وجهه وذراعيه، ثم أفاض على رأسه الماء ، ثم غسل جسده، ثم تنحى فغسل رجليه قالت: فأتيته بخرقة فلم يردها، فجعل ينفض بيده."

''میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل جنابت کے لئے پانی رکھا گیا آپ نے اپنے داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر دومرتبہ یا تین مرتبہ پانی ڈالا اور اپنی شرمگاہ کو دھویا، پھر اپنا ہاتھ زمین میں یا دیوار میں دو یا تین مرتبہ مارا، پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور اپنے دونوں ہاتھ اور بازؤں کو دھلا، پھر اپنے (باقی) بدن کو دھویا، پھر (وہاں سے) ہٹ گئے اور اپنے دونوں پیر دھوئے، میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں پھر میں آپ کے پاس ایک کپڑا لے گئی آپ نے اسے نہیں لیا اور اپنے ہاتھ سے پانی نچوڑتے رہے۔'' [صحيح البخاري :رقم:٢٧٤]۔

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا طریقہ بیان ہے اور بازو دھلنے کے لئے یہ الفاظ ہیں:" **وغسل وجهه وذراعيه**" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرے اور اپنے دونوں بازؤں کو دھلا۔

اب کیا یہاں بھی "**ذراع**" سے بعض حصہ مراد ہے؟ یعنی آپ ﷺ نے مکمل "**ذراع**" کو نہیں دھلا بلکہ صرف بعض کو دھلا؟ **فما كان جوابكم فهو جوابنا.**

حدیث وائل بن حجر رضی اللہ عنہ

(سنن نسائی وابوداؤد وغیرہ)

امام نسائی رحمہ اللہ (المتوفی:۳۰۳) نے کہا:

"أخبرنا سويد بن نصر قال أنا عبد الله بن المبارك عن زائدة قال نا عاصم بن كليب قال حدثني أبي أن وائل بن حجر أخبره قال: قلت لأنظرن إلى رسول الله صلى الله عليه و سلم كيف يصلي فنظرت إليه فقام فكبر ورفع يديه حتى حاذتا بأذنيه ثم وضع يده اليمنى على كفه اليسرى والرسغ والساعد."

"ہمیں سوید بن نصر نے خبر دی انہوں نے کہا: ہم سے عبداللہ بن المبارک نے بیان کیا انہوں نے، زائدہ سے روایت کیا انہوں نے کہا: ہم سے عاصم بن کلیب نے بیان کیا انہوں نے کہا: مجھ سے میرے والد نے بیان کیا: کہ انہیں وائل بن حجر نے بتایا اور کہا کہ: پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہتھیلی کی پشت، کلائی اور بازو کے اوپر رکھا۔" [سنن نسائی:۔کتاب الافتتاح:باب موضع اليمين من الشمال فی الصلوٰۃ،ح:۸۸۹۔واخرجه ایضا ابوداؤد فی سننه: رقم ۷۲۷ وابن حبان فی صحیحه:۱۷۰/۵رقم ۱۸۶۰ وابن المنذر فی الاوسط:۱۸۵/۴ من طریق ابی الولید۔واحمد فی مسنده :۲۲۶/۵ ومن طریقه خطیب فی الفصل للوصل:۴۲۵/۱ من طریق عبدالصمد۔وابن خزیمه فی صحیحه:۲۳۴/۱ رقم ۴۸۰ من طریق معاویه بن عمرو۔وابن الجارود فی المنتقی:۶۲/۱ من طریق ابن مهدی۔ کلهم (ابوالولید و عبدالصمد و معاویه بن عمرو وابن مهدی) من طریق زائده به]

وضاحت:

اس حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی، کلائی اور بازو کے اوپر رکھتے تھے،اس حدیث کے مطابق اگر دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اس پورے حصے پر رکھیں گے تو دونوں ہاتھ خود بخود سینے پر ہی آئیں گے لہٰذا یہ حدیث بھی نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کی دلیل ہے۔

علامہ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”وهذه الكيفية تستلزم أن يكون الوضع على الصدر، اذا أنت تأملت ذلک وعملت بها، فجرب ان شئت.“

”اس حدیث میں مذکور کیفیت کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہاتھ سینے پر رکھے جائیں، اگر آپ اس کیفیت پر غور کریں اور اس پر عمل کریں، پس اگر چاہیں تو تجربہ کر کے دیکھ لیں“ [هداية الرواة: ج:١، ص:٣٦٧]۔

اور ایک مقلد پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”فلو أنه حاول يوما أن يحقق هذاالنص الصحيح في نفسه عمليا -وذلک بوضع اليمنى على الكف اليسرى والرسغ والساعد، دون أى تكلف -وجد نفسه قد وضعهما على الصدر! ولعرف أنه يخالفه هو ومن على شاكلته من الحنفية حين يضعون أيديهم تحت السرة، وقريبامن العورة“

”اگر یہ شخص کسی دن خود اس صحیح حدیث پر عمل کر کے دیکھے، بایں طور کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کلائی اور بازو پر بغیر کسی تکلف کے رکھے، تو وہ خود ہی ہاتھوں کو اپنے سینے پر رکھے ہوئے پائے گا، اور اسے معلوم ہو جائے گا کہ وہ اور اس جیسے احناف جب اپنے ہاتھوں کو ناف کے نیچے اور شرمگاہ کے قریب رکھتے ہیں تو اس حدیث کی مخالفت کرتے ہیں۔“ [مقدمه صفة صلاة النبی :ص:١٦]۔

یہ حدیث صحیح ہے۔علامہ نیموی حنفی نے اس کے بارے میں ”اسنادہ صحیح“ کہا ہے [آثار السنن:ص۱۰۴ مطبوعہ کراچی] اس کے سارے رجال ثقہ ہیں، تفصیل ملاحظہ ہو:

❁ کلیب بن شہاب الجرمی کا تعارف:

❁ امام أبوزرعۃ الرازی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۶۴) نے کہا:

”ثقة“

”یہ ثقہ ہیں۔“ [الجرح والتعديل لابن أبي حاتم:١٦٧/٧ واسناده صحيح]۔

❁ امام عجلی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۶۱) نے کہا:

”تابعي، ثقة.“

”یہ تابعی اور ثقہ ہیں۔“ [تاريخ الثقات للعجلى:ص:٣٩٨]۔

❁ امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی:۲۳۰) نے کہا:

”كان ثقة كثير الحديث ...رأيتهم يستحسنون حديثه ويحتجون به.“

”یہ ثقہ اور زیادہ احادیث والے تھے، میں نے محدثین کو دیکھا وہ ان کی حدیث کو اچھی کہتے تھے اور اس سے حجت پکڑتے تھے۔“ [الطبقات الکبری ط دار صادر:۱۲۳/۶]۔

۞ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی:۸۵۲) نے کہا:

”صدوق.“

”یہ سچے راوی ہیں۔“ [تقریب التھذیب لابن حجر: رقم:۳۰۷۵]۔

۞ **فائدة**:- حنفی حضرات بہت سارے مقامات پر اس راوی کی حدیث سے دلیل لیتے ہیں مثلا دیکھئے: حدیث اور اہل حدیث: ص۴۵۴۔ حدیث نمبر۱۔ اس کی سند میں یہی روای موجود ہے دیکھئے سنن ترمذی حدیث نمبر۲۹۲۔

۞ عاصم بن کلیب کا تعارف:

آپ بخاری تعلیقاً، مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں۔ آپ بالاتفاق ثقہ ہیں۔

۞ امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی:۲۳۰) نے کہا:

”کان ثقة یحتج به.“

یہ ثقہ تھے، ان سے حجت لی جائے گی۔ [الطبقات الکبری ط دار صادر:۳٤۱/٦]۔

۞ امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی:۲۳۳) نے کہا:

”عاصم بن کلیب ثقة مأمون.“

عاصم بن کلیب ثقہ اور مامون ہیں۔ [من کلام یحیی بن معین فی الرجال:ص:٤٦]۔

۞ امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی:۲۴۱) نے کہا:

”ثقةٌ.“

آپ ثقہ ہیں۔ [العلل ومعرفة الرجال للإمام أحمد روایة المروذی وصالح والمیمونی الفاروق: ص:١٦٤]۔

۞ امام عجلی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۶۱) نے کہا:

”ثقة.“

”آپ ثقہ ہیں۔“ [تاریخ الثقات للعجلی:ص:٢٤٢]۔

۞ امام یعقوب بن سفیان الفسوی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۷۷) نے کہا:

"ثقة."

"آپ ثقہ ہیں۔" [المعرفة والتاريخ:۹۵/۳]۔

❁ تنبیہ:

ابن الجوزی رحمہ اللہ (المتوفی:۵۹۷) نے کہا:

"قال ابن المديني لا يحتج به إذا انفرد."

"ابن المدینی نے کہا: جب یہ منفرد ہوں تو ان سے حجت نہیں لی جائے گی۔" [الضعفاء والمتروكين لابن الجوزي:۷۰/۲]۔

ابن الجوزی کی اسی بات کو امام ذہبی اور ابن حجر رحمہما اللہ نے بھی نقل کیا ہے۔ [ميزان الاعتدال للذهبي:۳۵۶/۲، فتح الباري لابن حجر:۴۵۷/۱]۔

عرض ہے کہ ابن الجوزی نے کوئی حوالہ نہیں دیا ہے اور نہ ہی کہیں پر اس قول کی کوئی سند موجود ہے بلکہ ابن الجوزی سے قبل کسی نے بھی ابن المدینی سے یہ بات نقل نہیں کی ہے۔

البتہ یعقوب بن شیبہ السدوسی (المتوفی ۲۶۲ھ) نے کہا:

"قال علي بن المديني: وعاصم بن كليب صالح ليس ممن يسقط ولا ممن يحتج به وهو وسط"

"علی ابن مدینی نے کہا: عاصم بن کلیب صالح ہے یہ نہ تو ساقط لوگوں میں سے ہے اور نہ ہی قابل حجت لوگوں میں سے بلکہ درمیانی درجے کا ہے" [مسند عمر بن الخطاب ليعقوب بن شيبة ص:۹۴]

امام علی بن المدینی کے اس ثابت شدہ قول سے واضح ہوگیا کہ آپ عاصم کو علی الاطلاق ناقابل حجت نہیں مانتے کیونکہ آپ اسے ساقط لوگوں میں سے بھی نہیں مانتے بلکہ درمیانی درجے کا راوی مانتے ہیں یعنی یہ راوی امام ابن المدینی کے نزدیک حسن الحدیث درجے کا ہے۔

ابن الجوزی نے لگتا ہے کہ ابن المدینی کا یہی قول نقل کیا ہے لیکن صحیح طور سے نقل نہ کرسکے اور بات کچھ سے کچھ ہوگئی۔ واللہ اعلم۔

نیز دیگر ائمہ کی صریح توثیق کے مقابلہ میں اس طرح کی جرح کی کوئی حیثیت بھی نہیں ہے۔ نیز ابن المدینی سے پہلے فوت ہونے والے امام ابن سعد رحمہ اللہ نے کہا: يحتج به. یعنی ان سے حجت لی جائے گی، کما مضٰی۔ دیکھئے: ص ۶۰۔

فائدة: - حنفی حضرات بہت سارے مقامات پر اس راوی کی حدیث سے دلیل لیتے ہیں مثلا دیکھئے: حدیث اور اہل حدیث: ص ۴۵۴۔ حدیث نمبر ۱۔ اس کی سند میں یہی روای موجود ہے دیکھئے سنن ترمذی حدیث نمبر ۲۹۲۔

زائدة بن قدامة الثقفی کا تعارف:

آپ بخاری و مسلم سمیت کتب ستہ کے راوی، بہت بڑے امام وحافظ اور بالاتفاق ثقہ ہیں۔
بہت سارے محدثین نے ان کی توثیق کی ہے مثلاً:

امام أبو حاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۷) نے کہا:

"زائدة بن قدامة ثقة صاحب سنة."

زائدہ بن قدامہ، ثقہ اور سنت والے تھے۔ [الجرح و التعدیل لابن أبی حاتم: ۶۱۳/۳]۔

امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۰) نے کہا:

"کان زائدة ثقة مأمونا صاحب سنة و جماعة."

زائدہ ثقہ، مامون اور سنت والجماعت والے تھے۔ [الطبقات الکبری ط دار صادر: ۳۷۸/۶]۔

امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۳) نے کہا:
"ثبت"

"آپ ثبت تھے۔" [تاریخ ابن معین، روایة الدارمی: ص: ۵۱]۔

ان محدثین کے علاوہ اور بھی بہت سارے محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ان کے بارے میں محدثین کے اقوال کا خلاصہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ثقة ثبت صاحب سنة."

"آپ ثقہ، ثبت اور سنت والے ہیں۔" [تقریب التہذیب لابن حجر: رقم: ۱۹۸۲]۔

فائدة: - حنفی حضرات بہت سارے مقامات پر اس راوی کی حدیث سے دلیل لیتے ہیں مثلا دیکھئے: حدیث اور اہل حدیث: ص ۵۰۹۔ حدیث نمبر ۳۔ اس کی سند میں یہی روای موجود ہے دیکھئے صحیح بخاری حدیث نمبر ۷۱۹۔

عبداللہ بن المبارک الحنظلی کا تعارف:

آپ بخاری ومسلم سمیت کتب ستہ کے رجال میں سے ہیں ۔ اور بہت بڑے ثقہ امام بلکہ امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں ۔آپ کے تعارف کی ضرورت ہی نہیں ہے۔امت مسلمہ کی جلیل القدر ہستیوں نے آپ کی زبردست تعریف وتوثیق کی ہے۔

امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی:۲۳۰) نے کہا:

”کان ثقة، مأمونا، إماما، حجة، کثیر الحدیث.“

”آپ ثقہ، مامون، امام، حجت، اور کثیر الحدیث تھے۔“[الطبقات الکبری ط دار صادر:۳۷۲/۷]۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی:۳۵۴) نے کہا:

”وکان بن المبارک رحمه الله فیه خصال مجتمعة لم یجتمع فی أحد من أهل العلم فی زمانه فی الدنیا کلها.“

”ابن المبارک رحمہ اللہ میں ایسی خصلتیں جمع تھیں کہ ان کے زمانہ میں روئے زمین کے علماء میں سے کسی کے پاس وہ خصلتیں جمع نہیں ہوئیں۔“[الثقات لابن حبان ت االعثمانیة: ۸/۷]۔

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۴۸) نے کہا:

”حدیثه حجة بالإجماع.“

آپ کی حدیث بالاجماع حجت ہے۔[سیر أعلام النبلاء للذهبی:۳۸۰/۸]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی:۸۵۲) نے کہا:

”ثقة ثبت فقیه عالم جواد مجاهد جمعت فیه خصال الخیر.“

”آپ ثقہ، ثبت، عالم، زاہد، مجاہد تھے، آپ کے اندر خیر کی خصلتیں جمع تھیں۔“[تقریب: رقم: ۳۵۷۰]۔

فائدۃ:- حنفی حضرات بہت سارے مقامات پر ان کی حدیث سے دلیل لیتے ہیں مثلا دیکھئے حدیث اور اہل حدیث: ص۷۰۲۔ حدیث نمبر۴۔اس کی سند میں امام ابن المبارک موجود ہیں دیکھئے سنن نسائی حدیث نمبر۱۳۳۰۔

سوید بن نصر المروزی کا تعارف:

آپ ترمذی اور نسائی کے رجال میں سے ہیں اور بالاتفاق ثقہ ہیں۔

امام نسائی رحمہ اللہ (المتوفی:۳۰۳) نے کہا:

”ثقة.“

آپ ثقہ ہیں۔[تسمية الشيوخ للنسائی: ص:۷۲]۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی:۳۵۴) نے کہا:

”كان متقنا.“

آپ متقن تھے۔[الثقات لابن حبان ت االعثمانية:۲۹۵/۸]۔

امام حاکم رحمہ اللہ (المتوفی:۴۰۵) نے کہا:

”ثقة مأمون.“

آپ ثقہ اور مامون ہیں۔[المستدرك على الصحيحين للحاكم: ۱۵۸/۱]۔

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۴۸) نے کہا:

”ثقة“

آپ ثقہ ہیں۔[الكاشف للذهبی: ۴۷۳/۱]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی:۸۵۲) نے کہا:

”ثقة“

”آپ ثقہ ہیں۔“[تقريب التهذيب لابن حجر: رقم:۲۶۹۹]۔

فائدة: — حنفی حضرات بہت سارے مقامات پر اس راوی کی حدیث سے دلیل لیتے ہیں مثلا دیکھئے: حدیث اور اہل حدیث: ص ۷۰۲۔ حدیث نمبر ۴۔ اس کی سند میں یہی روای موجود ہے دیکھئے سنن نسائی حدیث نمبر ۱۳۳۰۔

حدیث طاؤس رحمہ اللہ

امام أبوداؤد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۵) نے کہا:

”حدثنا أبو توبة، حدثنا الهيثم يعنى ابن حميد، عن ثور، عن سليمان بن موسى، عن طاوس، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يضع يده اليمنى على يده اليسرى، ثم يشد بهما على صدره وهو فى الصلاة“

”طاؤس بن کیسان سے مروی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نماز کے دوران اپنا دایاں ہاتھ بائیں کے اوپر رکھتے اور انہیں اپنے سینے پر باندھا کرتے تھے۔“ [سنن أبی داؤد: ۲/ ۷۱ رقم ۷۵۹ بتحقیق شعیب الارنؤوط]۔

مزید حوالے:

☆سنن ابوداؤد: کتاب الصلوٰۃ: باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوٰۃ، حدیث نمبر ۷۵۹۔

☆سنن ابوداؤد (ترجمہ مجلس علمی دارالدعوۃ): ج: ۱، ص: ۳۶۳، حدیث نمبر ۷۵۹۔

☆سنن ابوداؤد (دارالسلام): ج: ۱، ص: ۵۷۰، حدیث نمبر ۷۵۹۔

☆ابوداؤد مع عون المعبود: سیٹ نمبر: ۱، جلد نمبر: ۲، ص: ۳۲۷، حدیث نمبر ۷۷۵۔

☆المراسیل لابی داؤد: (تحقیق شعیب الارنؤوط): ص ۸۹ حدیث نمبر ۳۳۔

اس حدیث میں نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی مکمل صراحت ہے اور یہ روایت مرسلاً بالکل صحیح ہے جیسا کہ اس کے رجال پر پوری تفصیل آگے آرہی ہے۔

رہا اس روایت کا مرسل ہونا تو عرض ہے احناف کے یہاں مرسل روایت حجت ہوتی ہے جیسا کہ ان کی بہت سی کتب میں اس کی صراحت ہے۔

علامہ بدیع الدین راشدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((حنفی مذہب کے امام سرخسی کتاب الاصول ج: ۱، ص: ۳۶۰ میں لکھتے ہیں کہ: **فَأَمَّا مَرَاسِيْلُ الْقَرْنِ الثَّانِيْ وَ الثَّالِثِ حُجَّةٌ فِيْ قَوْلِ عُلَمَائِنَا.**

کہ دوسرے اور تیسرے قرن (یعنی تابعین) کی مرسل روایت ہمارے (احناف) علماء کے قول کے مطابق حجت اور دلیل ہے۔

اسی طرح نور الانوار ص: ۱۵۰ میں لکھا ہے اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی رسالہ کشف الدین ص: ۱۷ میں لکھتے ہیں: کہ "والمرسل مقبول عندا الحنفية" یعنی مرسل روایت ہم احناف کے ہاں دلیل اور قابل قبول روایت ہے۔ اسی طرح علامہ ابن الھمام بھی فتح القدیر شرح ھدایہ ج: ۱ ص: ۲۳۹ میں لکھتے ہیں اور محدثین کے نزدیک بھی مرسل روایت دوسری احادیث کی موجودگی میں مقبول ہے چونکہ یہاں دوسری متصل احادیث وارد ہیں اس لئے یہ روایت بھی دلیل بن سکتی ہے اور اسکی سند کے سب راوی معتبر اور ثقہ ہیں جیسے امام بیہقی نے معرفۃ السنن والآثار میں اور علامہ محمد حیات سندھی نے فتح الغفور میں اور صاحب خلافت نے درج الدرر میں اور علامہ مبارک پوری نے تحفۃ الاحوذی ج: ۱ ص: ۲۱۶ میں لکھا ہے۔)) [نماز میں خشوع اور عاجزی: ص: ۱۱۔۱۲]۔

چونکہ اس مرسل روایت کے بہت سارے شواہد موجود ہیں جیسا کہ اس کتاب کے باب اول کی پہلی فصل میں مذکور ہے اس لئے یہ حدیث بالکل صحیح ہے کیونکہ مرسلاً اس کی سند صحیح ہے۔ اس کے راویوں کی تفصیل ملاحظہ ہو:

۞ طاؤس بن کیسان الیمانی کا تعارف:

آپ بخاری ومسلم سمیت کتب ستہ کے رجال میں سے ہیں۔ بہت سارے محدثین نے آپ کی توثیق کی ہے بلکہ آپ بالاتفاق ثقہ ہیں۔

۞ امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۳) نے کہا:

"ثقة"

"آپ ثقہ ہیں۔" [الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: ۵۰۰/۴ واسناده صحيح]۔

۞ امام أبوزرعۃ الرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۶۴) نے کہا:

"ثقة"

"آپ ثقہ ہیں۔" [الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: ۵۰۰/۴ واسناده صحيح]۔

۞ امام نووی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۷۶) نے کہا:

"اتفقوا على جلالته وفضيلته، ووفور علمه، وصلاحه، وحفظه، وتثبته."

آپ کی جلالت وفضیلت، وافرعلم، دینداری اور حفظ وضبط پر سب کا اتفاق ہے۔[تهذيب الأسماء واللغات للنووى:۱/۲۵۱]۔

۞ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی:۸۵۲) نے کہا:

”ثقة فقيه فاضل“

”آپ ثقہ،فقیہ اور فاضل ہیں۔“[تقريب التهذيب لابن حجر: رقم:۳۰۰۹]۔

۞ **فائدة**:- حنفی حضرات بہت سارے مقامات پران کی حدیث سے دلیل لیتے ہیں مثلاً دیکھئے حدیث اور اہل حدیث :ص۲۵۴۔حدیث نمبر۶۔اس کی سند میں یہی روای موجود ہے دیکھئے شرح معانی الاثار حدیث نمبر۹۸۸۔

۞ سلیمان بن موسیٰ القرشی کا تعارف:

آپ مسلم اور سنن اربعہ کے رجال میں سے ہیں اور ثقہ ہیں۔

۞ امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی:۲۳۰) نے کہا:

”كان ثقة“

”آپ ثقہ تھے۔“[الطبقات الكبرى ط دار صادر :۷/۴۵۷]۔

۞ امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی:۲۳۳) نے کہا:

”ثقة“

آپ ثقہ تھے۔[تاريخ ابن معين، رواية الدارمى: ص:۴۶]۔

۞ امام عبدالرحمٰن بن إبراہیم، دحیم رحمہ اللہ (المتوفی:۲۴۵) نے کہا:

”أوثق أصحاب مكحول سليمان بن موسى“

”مکحول کے شاگردوں میں سب سے بڑے ثقہ سلیمان بن موسی ہیں۔“[الجرح والتعديل لابن أبى حاتم:۴/۱۴۱ واسناده صحيح]۔

۞ امام أبوداؤد رحمہ اللہ (المتوفی:۲۷۵) نے کہا:

”لا بأس به ثقة“

آپ میں کوئی حرج نہیں آپ ثقہ ہیں۔[سؤالات الآجری:٥/الورقة:١٨ بحوالہ حاشیہ تهذيب الكمال للمزی:٩٨/١٢]۔(١)

۞ امام أبوحاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی:٢٧٧) نے کہا:

"محله الصدق وفی حديثه بعض الاضطراب"

"آپ سچے ہیں اور آپ کی بعض احادیث میں اضطراب ہے۔"[الجرح والتعديل:١٤١/٤]۔

عرض ہے کہ ابوحاتم نے صرف ان کی بعض احادیث میں اضطراب بتلایا ہے یعنی ان کی اکثر احادیث صحیح وسالم ہیں اور اصول حدیث کا بنیادی قانون ہے کہ غالب حالت ہی کا اعتبار ہوتا ہے۔اس لئے غالب حالت کے اعتبار سے ان کی احادیث صحیح وسالم ہیں۔

۞ امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی:٣٥٤) نے آپ کو ثقات میں ذکر کرتے ہوئے کہا:

"كان فقيها ورعا"

"آپ فقیہ اور پرہیزگار تھے۔"[الثقات لابن حبان ،ط االعثمانية:٣٨٠/٦]۔

۞ امام ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفی:٣٦٥) نے کہا:

"ثبت صدوق"

"آپ ثبت اور صدوق ہیں۔"[الكامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی:٢٦٢/٤]۔

---

(١) امام ذہبی نے ابوعبید الآجری پر جرح سے نفی کی ہے [سیر أعلام النبلاء:٣٧٧/١١] اور اس کے ساتھ ساتھ انہیں حافظ کہا ہے [ایضا:٤٦/٩]۔یہ قرینہ بتاتا ہے کہ امام ذہبی کے نزدیک یہ ثقہ ہیں۔بالخصوص جبکہ امام ذہبی نے "حافظ" کا درجہ ثقہ سے بھی بڑھ کر بتلایا ہے [الموقظۃ للذھبی:ص ٥٥] نیز تمام اہل فن نے بالاتفاق ان سے حجت پکڑی ہے یہ بھی ان کی ثقاہت کی دلیل ہے۔بالفرض یہ ثقہ نہیں ہیں تو کم ازکم ان کے عادل ہونے میں کلام نہیں کیونکہ بغیر کسی جرح کے امام مزی،امام ذہبی اور حافظ ابن حجر جیسے اہل فن نے انہیں حافظ کہا ہے۔[تھذیب الکمال:٣٦١/١١،سیر أعلام النبلاء:٣٧٧/١١،تھذیب التھذیب:١٧٠/٤]۔نیز تمام محدثین واہل علم نے ان سے حجت پکڑی ہے۔

پھر جب یہ عادل ہیں تو انہوں نے امام ابوداؤد سے براہ راست اقوال نقل کئے ہیں اس لئے یہاں ضبط کی ضرورت ہی نہیں ہے۔اور رہی نسخہ کی سند تو ان کی یہ کتاب اہل فن کے مابین متداول اور مشہور رہی ہے اور ایسا نسخہ سند کا محتاج نہیں ہوتا،دیکھئے:یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ ص ٣٦٢،٣٦٣۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۵) نے کہا:

"من الثقات الحفاظ"

"آپ حفاظ ثقات میں سے ہیں۔" [علل الدارقطنی: ۱۵/۱۴]۔

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸) نے کہا:

"الإمام الكبير، مفتي دمشق"

"آپ بہت بڑے امام اور دمشق کے مفتی تھے۔" [سیر أعلام النبلاء للذهبي: ۵/۴۳۳]۔

فائدة: ۔ حنفی حضرات بہت سارے مقامات پر اس راوی کی حدیث سے دلیل لیتے ہیں مثلا دیکھئے: حدیث اور اہل حدیث: ص ۲۲۹۔ حدیث نمبر ۶۔ اس کی سند میں یہی روای موجود ہے دیکھئے المعجم الصغیر للطبرانی حدیث نمبر ۱۱۶۲۔

بلکہ سرفراز خان دیوبندی صاحب نے کہا: "**وثقه الجمهور**" [خزائن السنن: ۲/۸۹]

"یعنی جمہور نے انہیں ثقہ کہا ہے۔"

بعض اقوال جرح کا جائزہ:

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶) نے کہا:

"وسليمان بن موسى منكر الحديث، أنا لا أروى عنه شيئا، روى سليمان بن موسى أحاديث عامتها مناكير"

"سلیمان بن موسیٰ منکر الحدیث ہے، میں اس سے کچھ روایت نہیں کرتا، سلیمان بن موسیٰ نے جو احادیث روایت کی ہیں ان میں سے اکثر منکر ہیں۔" [العلل الكبير للترمذي: ص: ۲۵۷]۔

عرض ہے اس جرح کے آخر میں امام بخاری رحمہ اللہ نے خود صراحت کردی ہے کہ سلیمان بن موسیٰ نے جو روایات بیان کی ہیں ان میں سے اکثر منکر ہیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کو اس راوی کی زیادہ روایات ملی ہی نہیں، اور ان کی روایات کا جو قلیل حصہ انہیں ملا ان میں سے بیشتر روایات منکر تھیں اس لئے امام بخاری نے ان پر جرح کردی۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ سلیمان بن موسیٰ کی اکثر روایات میں نکارت نہیں ہے، چنانچہ ماقبل میں امام ابوحاتم رحمہ اللہ کی صراحت پیش کی جاچکی ہے کہ انہوں نے اس راوی کو سچا بتاتے ہوئے اس کی صرف

چندروایات ہی میں اضطراب بتلایا ہے۔اسی طرح امام نسائی رحمہ اللہ کی جرح اسی پر دال ہے کما سیاتی۔
بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ ان کی جن احادیث میں نکارت ہے اس کے ذمہ دار یہ نہ ہوں بلکہ ان سے اوپر کے رواۃ ہوں، اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۴۸) نے کہا:

”وھذہ الغرائب التی تستنکر له یجوز أن یکون حفظھا“

”سلیمان بن موسیٰ کی جن غریب احادیث میں نکارت کی بات کی جاتی ہے ممکن ہے ان احادیث کو آپ نے یاد کررکھا ہو۔“ [میزان الاعتدال للذھبی:۲/۲۲۶]۔

علاوہ بریں کئی جلیل القدر محدثین نے انہیں بلاتردد پوری صراحت کے ساتھ ثقہ کہا ہے حتیٰ کہ متشددین نے بھی انہیں ثقہ کہا ہے کما مضیٰ۔لہٰذا دیگر ائمہ فن کا فیصلہ ہی راجح ہے۔

۞ امام عقیلی نے اپنی سند کے ذریعہ امام ابن المدینی سے نقل کیا:

”مطعون فیه“

”اس پر طعن کیا گیا ہے۔“ [الضعفاء الکبیر للعقیلی:۲/۱۴۰]۔

عرض ہے کہ ابن المدینی سے یہ جرح ثابت ہی نہیں ہے، امام عقیلی نے جس سند سے یہ جرح نقل کی ہے اس کے تمام رجال کے حالات ہم کو نہیں مل سکے۔اگر کسی کو مل جائیں تو ہمیں مطلع کرے۔نیز یہ جرح غیر مفسر ہے اور دیگر کبار محدثین کی توثیق کے خلاف ہے۔نیز دیکھیں [درج الدرر:ص۱۶ قلمی]
ابن عقیلی نے اس قول اور امام بخاری کی جرح کی بنیاد پر ان کو ضعفاء میں نقل کیا ہے اس لئے اس کا بھی اعتبار نہیں بالخصوص جبکہ امام عقیلی متشدد ہیں۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ امام ابوزرعہ نے انہیں اپنی کتاب ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔

عرض ہے کہ امام ابوزرعہ کی اس کتاب کا پورا نام یہ ہے **”أسامی الضعفاء ومن تکلم فیھم من المحدثین.“** (ضعفاء اور ان لوگوں کے نام جن پر محدثین نے کلام کیا ہے۔) [أبو زرعة الرازی وجھودہ فی السنة النبویة:۲/۵۹۳]۔

معلوم ہوا کہ اس کتاب میں ضعیف رواۃ کے ساتھ ساتھ ان رواۃ کا بھی ذکر ہے جن پر محدثین نے

کلام کیا ہے اور محض کلام کرنے سے تضعیف لازم نہیں آتی ہے تفصیل کے لئے دیکھئے ہماری کتاب: [یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: ص ۲۳۶ تا ۲۳۸]۔

اس لئے اس کتاب کے حوالہ سے امام ابوزرعہ کی طرف کسی راوی کی تضعیف کی نسبت کے لئے صریح دلیل چاہئے۔

❁ امام نسائی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۰۳) نے کہا:

”سلیمان بن موسی الدمشقی أحد الفقهاء لیس بالقوی فی الحدیث“

”سلیمان بن موسیٰ دمشقی، فقہاء میں سے ایک ہیں اور یہ حدیث میں قوی نہیں ہیں۔“ [الضعفاء والمتروکون للنسائی: ص: ۴۹]۔

عرض ہے کہ جرح کا یہ صیغہ راوی کی تضعیف پر دلالت نہیں کرتا جیسا کہ ہم نے اس کی پوری تفصیل اپنی کتاب یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ ص ۶۳۴ تا ۶۳۵ پر پیش کی ہے۔ قارئین اس کتاب کی طرف رجوع کریں۔

❁ امام ابن المدینی سے جو یہ نقل کیا جاتا ہے کہ:

”وکان خولط قبل موته بیسیر“

”موت سے قبل آپ اختلاط کے شکار ہو گئے تھے۔“ [تهذیب التهذیب لابن حجر: ۴/ ۲۲۷]۔

یہ قول امام ابن المدینی سے بسند صحیح یا بنقل معتبر ثابت نہیں ہے۔ دیکھئے [درج الدرر: ص ۱۶ قلمی]

خلاصۂ کلام یہ کہ امام سلیمان بن موسیٰ ثقہ ہیں ان کے تعلق سے پیش کی جانے والی جرحیں یا تو ثابت ہی نہیں ہیں یا غیر مفسر ہیں یا کمزور بنیادوں پر مبنی ہیں اور اس کے برعکس محدثین کی ایک بڑی جماعت نے پوری صراحت کے ساتھ انہیں ثقہ قرار دیا ہے اس لئے ان کے ثقہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

❁ ثور بن یزید الکلاعی:

آپ بخاری اور سنن اربعہ کے رجال میں سے ہیں۔ اور بالاتفاق ثقہ ہیں۔

❁ امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۳) نے کہا:

”ثور بن یزید ثقة“

''ثور بن یزید ثقہ ہیں۔'' [تاریخ ابن معین، روایة الدوری:۱۹۲/۳]۔

امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی:۲۳۰) نے کہا:

''کان ثقة فی الحدیث''

''یہ حدیث میں ثقہ تھے۔'' [الطبقات الکبری ط دار صادر :۴٦۷/۷]۔

امام عبدالرحمٰن بن إبراہیم، دحیم رحمہ اللہ (المتوفی:۲۴۵) نے کہا:

''ثقة''

''آپ ثقہ تھے۔'' [المعرفة والتاریخ:۳۸٦/۲ واسنادہ صحیح]۔

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۴۸) نے کہا:

''حافظ متقن''

''آپ حافظ اور متقن ہیں۔'' [سیر أعلام النبلاء للذهبی:۳۴۴/٦]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی:۸۵۲) نے کہا:

''ثقة ثبت إلا أنه یری القدر''

''آپ ثقہ وثبت تھے، مگر قدریہ والا عقیدہ رکھتے تھے۔'' [تقریب التهذیب لابن حجر: رقم:۸٦۱]۔

عرض ہے کہ قدریہ کے عقیدہ سے ثقاہت پر کوئی فرق نہیں پڑتا، نیز ثور بن یزید الکلاعی نے اس عقیدہ سے برأت کا اظہار کیا چنانچہ:

امام أبوزرعة الدمشقی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۸۱) نے کہا:

''أخبرنا منبه بن عثمان قال: قال رجل لثور بن یزید: یا قدری. قال ثور: لئن کنت کما قلت، إنی لرجل سوء، ولئن کنت علی خلاف ما قلت، إنک لفی حل''

''ایک شخص نے ثور بن یزید سے کہا: اے قدری! تو ثور نے کہا: اگر میں ویسا ہی ہوں جیسا کہ تم نے کہا ہے تو میں بہت برا شخص ہوں اور اگر میں ویسا نہیں ہوں جیسا تم نے کہا تو جاؤ میں نے تمہیں معاف کیا۔'' [تاریخ أبی زرعة الدمشقی: ص:۳٦۰ واسنادہ صحیح]۔

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ ثور بن یزید قدری ہرگز نہیں تھے غالبًا کچھ لوگوں نے غلط فہمی کی بنا پر

انہیں قدری سمجھ لیا تھا۔

بالفرض مان لیں کہ وہ قدری تھے تو اس روایت کی رو سے یہ ماننا لازم ہے کہ انہوں نے رجوع کرلیا تھا کیونکہ مذکورہ شخص نے پہلے انہیں قدری کہا جس پر انہوں نے انکار کیا، اس میں اشارہ ہے کہ ان کی برأت سے پہلے ان کے قدری ہونے کا چرچا ہو گیا تھا۔ پھر اس روایت میں ان کی طرف سے انکار ان کے رجوع کی دلیل ہے، چنانچہ اسی روایت کی بنا پر امام ذہبی رحمہ اللہ نے کہا:

”قلت: كان ثور عابدا، ورعا، والظاهر أنه رجع. فقد روى: أبو زرعة...“

”میں (امام ذہبی) کہتا ہوں کہ: ثور عابد، پرہیز گار تھے، اور ظاہر یہی ہے کہ انہوں نے قدریہ والے عقیدہ سے رجوع کرلیا تھا چنانچہ ابوزرعہ نے روایت کیا۔۔۔“ [سیر أعلام النبلاء للذهبی:٣٤٥/٦]۔

اس کے بعد میں امام ذہبی رحمہ اللہ نے وہی روایت پیش کی جسے صحیح سند سے اوپر نقل کیا جا چکا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان پر ناصبیت کی تہمت بھی نقل کی ہے چنانچہ کہا:

”وكان يرمى بالنصب أيضا وقال يحيى بن معين كان يجالس قوما ينالون من علي لكنه هو كان لا يسب“

”ان پر ناصبیت کا الزام لگایا جاتا تھا، اور امام ابن معین رحمہ اللہ نے کہا: یہ ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھتے جو علی رضی اللہ عنہ کو برا کہتے لیکن یہ علی رضی اللہ عنہ کو برا نہیں کہتے تھے۔“ [مقدمة فتح الباری لابن حجر: ص:٣٩٤]۔

عرض ہے کہ میرے ناقص علم کی حد تک کسی نے بھی ان پر ناصبیت کی تہمت نہیں لگائی ہے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے غالباً نواصب کے ساتھ ان کے اٹھنے بیٹھنے کی وجہ سے یہ نتیجہ نکال لیا ہے حالانکہ ابن معین نے پوری صراحت سے کہا ہے کہ: یہ علی رضی اللہ عنہ کو برا نہیں کہتے تھے۔

بلکہ نواصب کے ساتھ ان کا بیٹھنا بھی ثابت نہیں ہے چنانچہ ابن معین کے اس قول کو ان کے شاگرد عباس دوری نے درج ذیل الفاظ میں نقل کرتے ہوئے کہا:

”سمعت يحيى يقول أزهر الحرازى وأسد بن وداعة وجماعة كانوا يجلسون

یشتمون علی بن أبی طالب و کان ثور بن یزید فی ناحیة لا یسب علیا فإذا لم یسب جروا برجله"

میں نے امام یحیٰی کو فرماتے ہوئے سنا کہ: ازہر حرازی، اسد بن وداعہ اور کچھ لوگ بیٹھ کر علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہتے اور ثور بن یزید ایک کنارے بیٹھے ہوتے یہ علی رضی اللہ عنہ کو برا نہیں کہتے تو جب یہ علی رضی اللہ عنہ کو برا نہ کہتے تو لوگ ان کے پاؤں پکڑ کر گھسیٹتے۔[تاریخ ابن معین، روایة الدوری: ٤/٤٢٣]۔

سبحان اللہ! ایک شخص کو پاؤں پکڑ کر گھسیٹا جاتا ہے پھر بھی وہ علی رضی اللہ عنہ کو برا نہیں کہتا اس کے باوجود بھی نا معلوم کیسے ان پر ناصبیت کی تہمت لگا دی گئی!

خلاصۂ کلام یہ کہ محدثین نے انہیں بالاتفاق ثقہ کہا ہے اور ان پر قدریہ اور ناصبیت کی تہمت ثابت نہیں ہے بلکہ اس سے برأت ثابت ہے، والحمدللہ۔

تنبیہ بلیغ:

ثور بن یزید کا مدلس ہونا ثابت نہیں ہے انہیں صرف برہان الدین حلبی (المتوفی ۸۴۱) نے مدلسین میں ذکر کیا اور اس کی دلیل دیتے ہوئے کہا ہے:

"قال أبو داود فی سننه فی مسح الخفین: بلغنی انه لم یسمع ثور هذا الحدیث من رجاء یعنی بن حیوة انتهی ولفظه فیه عن رجاء"

"امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں مسح خفین کے ضمن میں کہا: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اس حدیث کو ثور بن یزید نے رجاء بن حیوہ سے نہیں سنا ہے۔ اور یہاں انہوں نے عن سے روایت کیا ہے"

[التبیین لأسماء المدلسین للحلبی: ص۱۸]۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے عدم سماع والی بات کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ غالبا انہوں نے یہ بات اپنے استاذ امام احمد رحمہ اللہ سے سنی ہوگی کیونکہ امام احمد رحمہ اللہ نے بھی یہ بات کہی ہے جیسا کہ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے امام اثرم کے حوالہ سے امام احمد سے یہ بات نقل کی ہے۔[التمهید لما فی الموطأ من المعانی والأسانید: ۱۱/۱٤۱]

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہی بات امام موسی بن ہارون رحمہ اللہ سے بھی نقل کی ہے

دیکھئے:[التلخیص الحبیر لابن حجر، ط قرطبة: ۱/۲۸۱]

امام ابن حزم رحمہ اللہ نے بھی یہی بات کہی ہے[المحلی لابن حزم: ۱/۳٤٤]

عرض ہے کہ:

ان اقوال سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ واقعتاً ثور بن یزید نے یہ حدیث رجاء بن حیوہ سے نہیں سنی ہے۔لیکن اس کے باوجود ثور بن یزید پر تدلیس کا الزام نہیں لگایا جاسکتا کیونکہ اس روایت میں ان کا ''عن'' سے بیان کرنا ثابت نہیں ۔اوراسی بنیاد پر برہان الدین حلبی رحمہ اللہ نے انہیں مدلس کہا ہے۔چنانچہ:

☆اولا:

اس روایت میں ثور کا عنعنہ ولید بن مسلم نے ذکر کیا اور ولید بن مسلم خود تدلیس تسویہ کرنے والا راوی ہے دیکھئے: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ:ص ۵۷۲ نیز ۵۹۹۔

لہٰذا ولید بن مسلم کا نقل کردہ عنعنہ غیر معتبر ہے۔جن روایات میں ولید بن مسلم کی متابعت وارد ہے وہ سخت ضعیف ہیں۔

علاوہ بریں خود ولید ہی نے ایک دوسرے طریق میں رجاء سے ثور کے سماع کی تصریح کی ہے دیکھئے:[سنن دارقطنی :۱/۱۹۵ واسنادہ صحیح الی الولید]۔

لیکن یہ تصریح سماع بھی محل نظر ہے بلکہ ولید بن مسلم یا داؤد بن رشید کا وہم ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے[التلخیص الحبیر لابن حجر، ط قرطبة: ۱/۲۸۲]

☆ ثانیا:

ثابت شدہ بات یہ ہے کہ ثور بن یزید نے ''حُدِّثتُ عن رجاء'' (مجھ سے رجاء کے حوالہ سے بیان کیا گیا) کہا ہے جیسا کہ امام ابن المبارک نے ان سے نقل کیا ہے[التاریخ الأوسط للبخاری، ت الرشد:۳/۱۹٤ واسنادہ صحیح الی الثور]۔

یعنی ثور بن یزید نے ثابت شدہ روایت کے مطابق ''عن'' نہیں کہا ہے بلکہ عدم سماع کی صراحت کی ہے اوراس کے برخلاف ان کے عنعنہ والی روایت ولید بن مسلم کے وہم یا ان کی تدلیس تسویہ کی وجہ

سے ثابت نہیں ہے۔

ولید بن مسلم کے وہم کا اشارہ اس سے ملتا ہے کہ داؤد بن رشید کے طریق میں انہوں نے ثور بن یزید کی طرف سے تصریح سماع نقل کیا ہے کما مضیٰ حالانکہ امام ابن المبارک رحمہ اللہ جوان سے ثقاہت میں بڑھ کر ہیں انہوں نے سماع کی عدم صراحت نقل کی ہے۔

اور اگر یہ وہم ولید بن مسلم کی طرف سے نہیں بلکہ داؤد بن رشید ہی کی طرف سے ہے تو یہ بات متعین ہے کہ ولید بن مسلم نے یہاں تدلیس تسویہ کیا ہے یعنی ''حُدِّثتُ''کو''عن'' بنا کر اپنے شیخ کے اوپر کا واسطہ چھپا دیا ہے۔

لہٰذا جب ثور بن یزید نے یہاں ''عن'' کہا ہی نہیں ہے تو اس کی بنیاد پر انہیں مدلس بھی نہیں کہا جا سکتا۔

☆ ثالثا:

اگر انہیں مدلس مان بھی لیں تو ان سے بکثرت تدلیس کرنا ثابت نہیں ہے لہٰذا یہ مدلسین کے اس مرتبہ میں ہوں گے جن کا عنعنہ مقبول ہوتا ہے۔

۞ الہیثم بن حمید الغسانی:

آپ سنن اربعہ کے رجال میں سے ہیں اور ثقہ راوی ہیں۔

۞ امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی:۲۴۱) نے کہا:

''ما علمت إلا خيرا''

''میں ان کے بارے صرف اچھائی ہی جانتا ہوں۔'' [العلل و معرفة الرجال لأحمد:۳/۵۳]۔

۞ امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی:۲۳۳) نے کہا:

''ثقة''

''آپ ثقہ ہیں۔'' [تهذيب الكمال للمزی:۳۰/۳۷۲ نقلا عن تاريخ الدارمی]۔

۞ امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی:۳۵۴) نے کہا:

''الهيثم بن حميد''

''ھیثم بن حمید۔''[الثقات لابن حبان .ط االعثمانیة:۹/۲۳۵]۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی:۳۸۵) نے کہا:

''ثقة''

''آپ ثقہ ہیں۔''[سنن الدارقطنی:۱/۳۱۹]۔

امام ابن شاہین رحمہ اللہ (المتوفی:۳۸۵) انہیں ثقات میں ذکر کرتے ہوئے کہا:

''الهيثم بن حميد ما علمت الا خيرا قاله أحمد''

''میں ان کے بارے صرف اچھائی ہی جانتا ہوں، یہ بات امام احمد نے کہی ہے۔''[الثقات لابن شاهین ص ۲۵۳]۔

ان جلیل القدر محدثین کے خلاف صرف اور صرف امام ابومسہر سے منقول ہے کہ انہوں نے اسے ضعیف کہا لیکن ان کے ایک قول سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس سے رجوع کرلیا۔ چنانچہ:

امام ابن أبي خیثمۃ رحمہ اللہ (المتوفی:۲۷۹) نے کہا:

''أخبرني أبو محمد التميمي ، قال: حَدَّثَنَا أبو مسهر ، قال: حَدَّثَنَا الهيثم بن حميد، وكان صاحب كتب ولم يكن من الاثبات ولا من أهل الحفظ ، وقد كنت أمسكت عن الحديث عنه استضعفته.''

''آپ کتاب والے تھے (یعنی لکھ کر روایت کرتے تھے)، اور اثبات میں سے اور حافظہ والے نہیں تھے۔(یعنی حافظہ سے روایت نہیں کرتے)۔ میں ان سے حدیث بیان کرنے سے رک گیا تھا کیونکہ میں نے انہیں ضعیف باور کرلیا تھا۔''[تهذيب الكمال للمزی:۳۰/۳۷۲ واسناده صحيح ، ابو محمدالتميمی وثقه ابن ابی خيثه فی تاريخه:۲/۸۷۱]۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ امام ابومسہر نے ھیثم بن حمید کو اس لئے ضعیف کہا تھا کیونکہ وہ حافظہ پر اعتماد کرنے کے بجائے لکھ کر روایت کرتے تھے لیکن اس وجہ سے کسی کو ضعیف قرار دینا درست ہی نہیں ہے۔ نیز اس قول سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ابومسہر شروع میں انہیں ضعیف مان کر ان سے روایت بیان نہیں کرتے تھے لیکن بعد میں انہوں نے ان سے روایت بیان کرنا شروع کردیا تھا یعنی انہوں نے اپنی تضعیف سے رجوع کرلیا تھا۔ چنانچہ کتب احادیث میں کئی روایات ایسی ہیں جنہیں ابومسہر نے ابوالھیثم

ہی سے روایت کیا ہے،مثلاً دیکھئے: [السنن الکبری للبیهقی: ۲۰۷/۱]۔ وغیرہ۔

بالفرض اگر یہ تسلیم بھی کرلیں کہ ابومسہر نے انہیں ضعیف کہا تو بھی جلیل القدر محدثین کی صریح توثیق کے مقابلہ میں اس تضعیف کی کوئی حیثیت نہیں ہے بالخصوص جبکہ اس تضعیف کی بنیاد بھی درست نہیں ہے۔ان پر قدری ہونے کا الزام ہے لیکن اول تو اس کا کوئی پختہ ثبوت نہیں ہے دوسرے اس طرح کے الزامات سے راوی کی ثقاہت پر فرق نہیں پڑتا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ یہ راوی بلا شک وشبہہ ثقہ ہیں۔

۞ **فائدة:** - حنفی حضرات بہت سارے مقامات پر اس راوی کی حدیث سے دلیل لیتے ہیں مثلا دیکھئے: حدیث اوراہل حدیث: ص ۱۷۶۔ حدیث نمبر۲۔اس کی سند میں یہی روای موجود ہے دیکھئے المعجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر۷۶۰۵۔

۞ ابوتوبہ الربیع بن نافع الحلبی کا تعارف:

آپ بخاری ومسلم نیز ابوداؤد،نسائی،اورابن ماجہ کے رجال میں سے ہیں اور بالاتفاق ثقہ ہیں۔

۞ امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی:۲۴۱) نے کہا:

”أبو توبة لم یکن به بأس“

”ابوتوبہ میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔“[سؤالات أبی داؤد لأحمد :ص:۲۸۵]۔

۞ امام أبوحاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۷۷) نے کہا:

”ثقة صدوق حجة“

”آپ ثقہ،صدوق اورحجت ہیں۔“[الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم:۴۷۰/۳]۔

۞ امام یعقوب بن سفیان الفسوی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۷۷) نے کہا:

”ثقة صدوق“

”آپ ثقہ اورصدوق ہیں۔“[تاریخ دمشق لابن عساکر:۸۴/۱۸واسنادہ صحیح]۔

۞ کمال الدین ابن العدیم (المتوفی:۶۶۰) نے کہا:

”أحد الثقات الأثبات“

”آپ ثقہ اور ثبت لوگوں میں سے ایک ہیں۔“ [بغية الطلب فی تاريخ حلب:۳۶۰۳/۸]۔

✿ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۴۸) نے کہا:

”الإمام، الثقة، الحافظ“

”آپ امام، ثقہ اور حافظ ہیں۔“ [سير أعلام النبلاء للذهبی:۶۵۳/۱۰]۔

✿ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی:۸۵۲) نے کہا:

”ثقة حجة عابد“

”آپ ثقہ، حجت اور عابد ہیں۔“ [تقريب التهذيب لابن حجر:رقم:۱۹۰۲]۔

✿ **فائدۃ**:- حنفی حضرات بہت سارے مقامات پر اس راوی کی حدیث سے دلیل لیتے ہیں مثلا دیکھئے: حدیث اور اہل حدیث :ص۷۰۲۔ حدیث نمبر۳۔ اس کی سند میں یہی راوی موجود ہے دیکھئے سنن ابوداؤد حدیث نمبر۱۰۴۸۔

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ روایت مرسلاً بالکل صحیح ہے۔

✿ تنبیہ اول:

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے مراسیل میں بھی نقل کیا ہے اور ہندوستان میں ابوداؤد کا جو درسی نسخہ ہے اس کے اخیر میں مراسیل لابی داؤد بھی شامل ہے۔ اس میں ص۶ پر یہی روایت موجود ہے مگر اس میں ”**یشد بھما**“ کی جگہ ”**یشبک بھما**“ کا لفظ ہے۔

بعض بدنصیبوں کو جب کچھ سجھائی نہیں دیتا تو عوام کے سامنے اپنا یہ درسی نسخہ کھول کر کہتے ہیں کہ اس روایت کے الفاظ میں اختلاف ہے یعنی کسی میں ”**یشد بھما**“ ہے اور کسی میں ”**یشبک بھما**“ ہے۔

عرض ہے کہ:

☆ **اولا:**

ابوداؤد کے دیوبندی درسی نسخہ کے ساتھ جو مراسیل ابی داؤد شامل ہے، وہ کس مخطوطہ سے منقول ہے؟ اس مخطوطہ کی تفصیلات کیا ہیں؟ ان سب باتوں کا کوئی ذکر نہیں ہے اس لئے دیوبندیوں کا یہ نسخہ ہی

غیر مستند اور ناقابل احتجاج ہے۔

اس کے برخلاف مراسیل ابی داؤد کا جو نسخہ احناف کے پسندیدہ محقق شعیب الارنؤوط کی تحقیق سے چھپا ہے اس میں ''یشبک بھما'' کا لفظ نہیں بلکہ سنن ابی داؤد کی طرح اس میں بھی ''یشد بھما'' ہی کا لفظ ہے۔ دیکھئے: [المراسیل لابی داؤد: ص ۸۹، حدیث نمبر ۳۳۔ بتحقیق شعیب الارنؤوط]

☆ **ثانیا:**

''یشد بھما'' اور ''یشبک بھما'' دونوں معنوی طور پر ایک ہی ہیں کیونکہ دونوں کا معنی ہاتھ باندھنا ہی ہے۔ لہٰذا اس اختلاف سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِب بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا﴾ اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تو ہم نے کہا کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو، جس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے [۲/ البقرۃ: ۶۰]

اس آیت میں پانی کا چشمہ پھوٹنے کے لئے ﴿فَانفَجَرَتْ﴾ کا لفظ ہے۔ جبکہ یہی بات قرآن میں دوسری جگہ یوں بیان ہوئی ہے:

﴿أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ إِذِ اسْتَسْقَاهُ قَوْمُهُ أَنِ اضْرِب بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا﴾

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو حکم دیا جب کہ ان کی قوم نے ان سے پانی مانگا کہ اپنے عصا کو فلاں پتھر پر مارو پس فوراً اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ [۷/ الأعراف: ۱۶۰]

اور اس آیت میں پانی کا چشمہ پھوٹنے کے لئے ﴿فَانبَجَسَتْ﴾ کا لفظ ہے۔

اب کیا کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت کرسکتا ہے کہ قرآن کے اس بیان میں اضطراب ہے؟ نعوذ باللہ

☆ **ثالثا:**

اختلاف صرف ہاتھ باندھنے کے لفظ میں ہے لیکن ''صدر'' یعنی سینے کے لفظ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بالفاظ دیگر جس لفظ کا تعلق ہاتھ باندھنے سے ہے اس میں اختلاف ہے لیکن جس لفظ کا تعلق

ہاتھ باندھنے کی جگہ سے ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور وہ ''صدر'' یعنی سینہ کا لفظ ہے۔

❁ تنبیہ ثانی:

واضح رہے کہ سنن ابی داؤد کے دیوبندی درسی نسخہ میں یہ روایت نہیں ہے۔اس لئے بعض لوگ دھوکہ اور فریب کا سہارا لیتے ہوئے عوام کے سامنے سنن ابی داؤد کا دیوبندی نسخہ کھولتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں یہ روایت ہے ہی نہیں۔

عرض ہے کہ اس دیوبندی نسخہ میں علی رضی اللہ عنہ کی تحت السرۃ والی ضعیف روایت بھی نہیں ہے۔اس بارے میں کیا خیال ہے؟ فما کان جوابکم فھو جوابنا۔

❁ تنبیہ ثالث:

بعض لوگ سنن ابوداؤد کے حوالے سے علی رضی اللہ عنہ کی تحت السرۃ والی ضعیف روایت نقل کرکے کہتے ہیں امام ابوداؤد نے اس پر سکوت کیا ہے اس لئے امام ابوداؤد کی نظر میں یہ روایت صحیح ہے۔

عرض ہے کہ:

اولا:

امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے سکوت کا یہ مطلب بیان کرنا کہ اس سے مراد امام ابوداؤد کی تصحیح ہے غلط ہے،اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

ثانیا:

امام ابوداؤد نے اس روایت پر سکوت نہیں کیا ہے بلکہ اس پر جرح کی ہے چنانچہ امام ابوداؤد نے یہ روایت درج کرنے کے بعد اس کے بنیادی راوی ''عبدالرحمٰن بن اسحاق'' پر جرح نقل کی ہے دیکھئے: ۲۶۵۔

لہٰذا سکوت کا دعوی باطل ہے۔

ثالثا:

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے سینے پر ہاتھ باندھنے والی اس حدیث کو اپنی سنن میں درج کرنے کے بعد اس پر سکوت کیا ہے۔گویا فریق مخالف کے اصول کی روشنی میں امام ابوداؤد نے سینے پر ہاتھ باندھنے سے متعلق اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

حدیث هلب الطائی رضی اللہ عنہ

امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۱) نے کہا:

”حدثنا يحيى بن سعيد، عن سفيان، حدثني سماك، عن قبيصة بن هلب، عن أبيه، قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم ينصرف عن يمينه وعن يساره، ورأيته، قال: يضع هذه على صدره وصف يحيى: اليمنى على اليسرى فوق المفصل. (ولفظ ابن الجوزي: يضع هذه على صدره)“

”ھلب الطائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے کہا کہ: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں اور بائیں ہر دو اطراف سے پھرتے تھے اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس ہاتھ کو (دوسرے ہاتھ پر رکھ کر) اپنے سینے پر رکھتے تھے، یحیٰی بن سعید نے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینے پر رکھ کر بتایا۔“ [مسند أحمد ط الميمنية: ۵/ ۲۲۶، واخرجه ابن الجوزي في التحقيق في مسائل الخلاف: ۱/ ۳۳۸ من طريق احمد به]۔

مزید حوالے:

مسند احمد: مسند الانصار: حدیث ھلب الطائی، حدیث نمبر: ۲۲۰۱۷

مسند احمد (مؤسسۃ قرطبۃ) ج: ۵ ص: ۲۲۶ حدیث نمبر: ۲۲۰۱۷

مسند احمد (مؤسسۃ الرسالۃ) ج: ۳۶ ص: ۲۹۹ حدیث نمبر: ۲۱۹۶۷

مسند احمد (حمزہ احمد الزین) ج: ۱۶ ص: ۱۵۲ حدیث نمبر: ۲۱۸۶۴

مسند احمد: ترقیم العالمیۃ: ۲۰۹۶۱ ترقیم احیاء التراث: ۲۱۴۶۰

مسند احمد (ط عالم الکتب) ج: ۷ ص: ۳۳۷ حدیث نمبر: ۲۲۳۱۳

مسند احمد (تحقیق محمد عبد القادر عطا) ج: ۹ ص: ۱۱۲ حدیث نمبر: ۲۲۵۹۸

مسند احمد مع حاشیۃ السندی: ج: ۱۳ ص: ۷۲ حدیث نمبر: (۲۱۹۶۷) ۹۳۶۳

یہ حدیث صحیح ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں سینے پر ہاتھ باندھنے سے متعلق روایات کے ضمن میں اسے بھی پیش کیا ہے، دیکھئے: [فتح الباري لابن حجر: ۲/ ۲۲۴]۔

۞ فائدة

یہ روایت ترمذی میں سماک ہی کی سند سے ہے۔ دیکھئے: [سنن الترمذی ت شاکر: ۳۲/۲، رقم: ۲۵۲]۔

اور ترمذی کے ایک نسخے میں بھی مسند احمد کی طرح سینے پر ہاتھ باندھنے کے الفاظ ہیں چنانچہ:

محدث عبدالحق لکھتے ہیں:

''وہمچنین روایت کرد ترمذی از قبیصہ بن ہلب از پدرش کہ گفت دیدم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی می نہد دست خود را بر سینہ خود''

''اسی طرح امام ترمذی نے قبیصہ بن ھلب سے روایت کیا ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا وہ اپنے ہاتھ کو اپنے سینے پر رکھتے تھے۔'' [شرح سفر السعادت: ص: ٤٤، بحوالہ نماز میں ہاتھ کہاں باندھیں: ص: ۴۱، نیز دیکھیں: درج الدرر: ص ۶۵، ٦٦]

سند کی تحقیق

۞ قبیصة بن الهلب الطائی:

آپ صحابیٔ رسول ھلب الطائی رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں اور ثقہ ہیں۔ چنانچہ:

۞ امام عجلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۶۱) نے کہا:

''قبیصة بن هلب کوفی تابعی ثقة''

''قبیصہ بن ھلب کوفی، تابعی اور ثقہ ہیں۔'' [الثقات للعجلی ط الدار: ٢١٤/٢]۔

۞ امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۴) نے ثقات میں ذکر کرتے ہوئے کہا:

''قبیصة بن هلب الطائی''

''قبیصہ بن ھلب الطائی۔'' [الثقات لابن حبان: ٣١٩/٥]۔

۞ امام ترمذی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۹) نے ان کی ایک حدیث کے بارے میں کہا:

''حدیث هلب حدیث حسن''

''ھلب کی یہ حدیث حسن ہے۔'' [سنن الترمذی ت شاکر: ٣٢/٢]۔

اور کسی راوی کی سند کی تصحیح یا تحسین اس سند کے راویوں کی توثیق ہوتی ہے۔ دیکھئے: ص ۲۴۶، ۲۴۷۔

۞ أبو علی ابن منصور الطّوسی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۲) نے ان کی ایک حدیث کی تحسین کرتے ہوئے کہا:

''حَدِيثٌ حَسَنٌ''

''یہ حدیث حسن ہے۔'' [مستخرج الطوسی علی جامع الترمذی: ۲/۱۷۶]۔

۞ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۶۳) نے ان کی ایک حدیث کے بارے میں کہا:

''وَهُوَ حديث صحيح''

''یہ حدیث صحیح ہے۔'' [الإستيعاب لابن عبد البر: ۴/۱۵۴۹]۔

۞ امام أبو محمد البغوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۱۶) نے ان کی حدیث کے بارے میں کہا:

''هذا حديث حسن، وقبيصة بن هلب الطائی''

''یہ حدیث حسن ہے اور قبیصہ سے مراد قبیصہ بن ھلب الطائی ہیں۔'' [شرح السنة للبغوی: ۳/۳۱]۔

۞ تنبیہ اول:

امام مزی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۲) نے کہا:

''قال علی بن المدینی، والنَّسَائی: مجهول''

''علی بن المدینی اور امام نسائی نے کہا: یہ مجہول ہے۔'' [تهذيب الكمال للمزی: ۲۳/۴۹۳]۔

عرض ہے کہ امام علی بن المدینی اور امام نسائی سے یہ قول ثابت ہی نہیں ہے امام مزی نے ان اقوال کے لئے کوئی حوالہ نہیں دیا اور دیگر محدثین نے امام مزی کی اسی کتاب سے یہ بات نقل کی ہے۔

بالفرض اگر ان اقوال کو ثابت بھی مان لیں تو بھی کسی امام کا کسی راوی کو مجہول کہنا کوئی جرح نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ مجہول کہنے والے امام کو اس راوی کے حالات نہیں ملے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دیگر ائمہ کو بھی اس کے حالات معلوم نہیں۔

لہٰذا جب دیگر ائمہ قبیصہ بن ھلب کے حالات سے آگاہ ہیں اور ان کی توثیق کر رہے ہیں تو ان ائمہ کی بات ہی فیصلہ کن ہے۔

❁ تنبیہ دوم:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے قبیصہ بن ھلب کو تقریب میں مقبول کہا ہے۔[تقریب التھذیب لابن حجر:رقم:٥٥١٦]۔

عرض ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس روای کو صراحتاً کہیں بھی ضعیف نہیں کہا ہے اور تقریب میں اس راوی کو صرف مقبول کہنا یہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا تسامح ہے کیونکہ کئی محدثین نے ان کی توثیق کی ہے اور کسی نے بھی انہیں ضعیف نہیں کہا ہے۔اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے اس طرح کا تسامح بہت سے رواۃ کے بارے میں ہوا ہے یعنی بہت سارے رواۃ کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب میں صرف مقبول کہا ہے جبکہ وہ ثقہ ہیں۔

بلکہ بعض ایسے رواۃ کو بھی مقبول کہہ دیا ہے جسے خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ہی نے دوسرے مقام پر ثقہ بتلایا ہے یا ان کی احادیث کی تصحیح و تحسین کی ہے۔حتیٰ کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے اسی طرز عمل کی وجہ سے بعض محققین نے یہ تحقیق پیش کی ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ جسے مقبول کہیں وہ خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک حسن الحدیث ہوتا ہے تفصیل کے لئے دیکھئے:[الراوی المقبول عند ابن حجر تطبیقات فی کتب الحدیث]۔ نیز دیکھیں:[مصطلح مقبول عند ابن حجر وتطبیقاته علی الرواة من الطبقتین الثانیة والثالثة--- :ص:١٠٨تا ١١٠]۔

مؤخر الذکر کتاب کے مؤلف نے ایسی کئی مثالیں پیش کی ہیں کہ جس راوی کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مقبول کہا ہے خود اسی راوی کی روایت کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حسن بھی کہا ہے۔ایک مثال ملاحظہ ہو:

امام أبوداؤد رحمہ اللہ (المتوفی:٢٧٥) نے کہا:

”حدثنا عبد الله بن محمد النفيلي، حدثنا عبد الله بن المبارك، عن وبر بن أبي دليلة، عن محمد بن ميمون، عن عمرو بن الشريد، عن أبيه، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لي الواجد يحل عرضه، وعقوبته“

”سیدنا عمرو بن شرید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:”مالدار کا قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول سے کام لینا اس کی بے عزتی اور سزا کو حلال کر دیتا ہے۔“[سنن أبی داؤد:٣١٣/٣،رقم:٣٦٢٨]۔

اس روایت کی سند میں ''محمد بن میمون'' ہے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے تقریب میں ''مقبول'' کہا ہے۔دیکھئے:[تقریب التهذيب لابن حجر: رقم:٦٠٥١]۔

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس روایت کے بارے میں کہا:

''وإسناده حسن''

''اس کی سند حسن ہے۔''[فتح الباری لابن حجر:٦٢/٥]۔

اور ایک دوسری کتاب میں کہا:

''وهو اسناد حسن''

''اور یہ سند حسن ہے۔''[تغليق التعليق لابن حجر: ج:٣،ص:٣١٩]۔

معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ جس راوی کو مقبول بتلاتے ہیں اسی راوی کی روایت کو حسن بھی بتلاتے ہیں۔دریں صورت حافظ ابن حجر کا قبیصہ بن ھلب کو مقبول کہنا چنداں مضر نہیں ہے۔

نیز قبیصہ بن ھلب کو امام عجلی اور ابن حبان نے ثقہ کہا ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ایسے راوی کی روایت کو حسن مانتے ہیں جس پر کسی نے جرح نہ کی ہو اور امام عجلی نے اس کی توثیق کی ہو یا امام عجلی کے ساتھ امام ابن حبان نے بھی اس کی توثیق کی ہو۔

احناف کے شیخ ابوغدہ کے شاگرد دکتور احمد معبد عبدالکریم لکھتے ہیں:

''فمن وثقه العجلي وحده ، أوشاركه ابن حبان بذكره للراوى نفسه فى كتاب الثقات، أو اخراج حديثه فى صحيحه ، ولم يعرف لهذا الراوى غير راو واحد عنه ثم لم يعرف تضعيفه من أحد، فاني وجدت الحافظ ابن حجر يعتبر أقوى رتب حديث مثل هذا الراوى أن يكون حسنا لذاته''

''جس راوی کو صرف امام عجلی رحمہ اللہ ثقہ کہیں، یا امام ابن حبان رحمہ اللہ بھی ان کی موافقت کریں یا تو اسی راوی کو اپنی کتاب ثقات میں ذکر کر کے یا اپنی کتاب صحیح میں اس کی حدیث روایت کر کے۔اور اس راوی سے ایک کے علاوہ کسی اور نے روایت نہ کیا ہو اور نہ ہی کسی نے اسے ضعیف کہا ہو۔تو میں نے پایا ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ایسے راوی کی حدیث کو کم از کم از حسن لذاتہ مانتے ہیں۔''[ألفاظ وعبارات الجرح والتعديل:ص: ٢٣٣، نیز دیکھیں اسی صفحہ پر موجود حواشی]۔

معلوم ہوا کہ جس راوی کو امام عجلی اکیلے یا ان کے ساتھ ابن حبان اس کو ثقہ کہیں اور اس کی تضعیف ثابت نہ ہو تو ایسا راوی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک کم از کم حسن الحدیث ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس راوی کی اسی روایت کا تذکرہ فتح الباری میں کیا ہے اور اس پر سکوت اختیار کیا ہے۔اور حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں یہ صراحت کردی ہے کہ وہ فتح الباری میں جس روایت پر سکوت اختیار کرتے ہیں وہ ان کے نزدیک صحیح یا حسن ہوتی ہے دیکھئے:[مقدمة فتح الباری لابن حجر:ص:٤]۔

جناب ظفر احمد تھانوی دیوبندی لکھتے ہیں:

"وفيه دليل على ان سكوت الحافظ فى"الفتح" عن حديث حجة و دليل على صحته او حسنه"

"اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ"فتح الباری" میں حافظ ابن حجر کا کسی حدیث کے بارے میں خاموش رہنا اس کے صحیح یا حسن ہونے کی دلیل ہے۔"[قواعد فی علوم الحدیث: ص:٩٠]۔

نوٹ: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا فتح الباری میں کسی حدیث پر سکوت اختیار کرنا اس کے صحیح یا حسن ہونے کی دلیل ہے لیکن صرف حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک ۔یعنی دوسرے محدثین کا اس سے اختلاف ہوسکتا ہے۔

نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے درایہ میں بھی قبیصہ کی روایت نقل کی ہے اور اس پر بھی سکوت اختیار کیا ہے حالانکہ اس سے ذرا سا پہلے اسی باب کی ایک حدیث ذکر کر کے اسے ضعیف بتلایا ہے دیکھئے:[الدراية فی تخريج أحاديث الهداية:١٢٩/١]۔

اور بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ درایہ میں بھی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا سکوت ، حدیث کے صحیح یا حسن ہونے کی دلیل ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ راوی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک بھی کم از کم حسن الحدیث ہے۔

بالفرض یہ تسلیم کرلیں کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک یہ راوی ثقہ نہیں ہے تو بھی محض حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی منفرد رائے سے یہ راوی ضعیف نہیں ہوجائے گا جب کہ دیگر کئی محدثین نے اس کی توثیق

کی ہے کما مضٰی۔

مزید یہ کہ اس کی توثیق کرنے والے سارے محدثین حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے دور سے پہلے کے ہیں اور جناب ظفر احمد تھانوی دیو بندی صاحب ایک اصول پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”جرح المتاخر لایعتدبه مع توثیق المتقدم“

”متقدم کی توثیق کے ہوتے ہوئے متاخر کی جرح کا کوئی اعتبار نہیں۔“[قواعد فی علوم الحدیث: ص:۳۹۹]۔

لہٰذا دیوبندی حضرات کے اصول ہی کی روشنی میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا اس راوی کو ثقہ نہ ماننا مضر نہیں ہے۔

❁ **سماک بن حرب:**

آپ بخاری شواہد، مسلم اور سنن اربعہ کے رجال میں سے ہیں۔

یہ ثقہ ہیں محدثین کی ایک بڑی جماعت نے ان کی توثیق کی ہے۔ان کی توثیق پر ہم نے ایک مفصل مقالہ ”ازالة الكرب عن توثيق سماک بن حرب“ تحریر کیا۔قارئین تفصیل کے لئے یہ مقالہ ملاحظہ فرمائیں۔دیکھئے: ص:۱۲۰تا۱۴۲۔

❁ **سفیان بن سعید الثوری:**

آپ بخاری ومسلم اور سنن اربعہ کے زبردست ثقہ راوی ہیں۔آپ کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں کیونکہ حدیث کے بہت بڑے امام تھے بلکہ حدیث اور جرح وتعدیل کے ایک بہت بڑے امام ابن معین رحمہ اللہ نے انہیں ”امیر المؤمنین فی الحدیث“ کہا ہے چنانچہ:

❁ امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی:۲۳۳) نے کہا:

”سفيان أمير المؤمنين فی الحديث“

”سفیان ثوری امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔“[الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم: ۱/۱۱۸،واسنادہ صحیح]۔

❁ امام ابن معین رحمہ اللہ کے علاوہ اور بھی کئی اہل علم نے انہیں امیر المؤمنین کہا ہے حافظ ابن حجر

رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں ائمہ فن کے اقوال کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے کہا:

”سفیان بن سعید بن مسروق الثوری أبو عبد اللہ الکوفی ثقة حافظ فقیه عابد إمام حجة من رؤوس الطبقة السابعة و کان ربما دلس“

”سفیان بن سعید بن مسروق الثوری ابوعبداللہ الکوفی ،ثقہ، حافظ،فقیہ، عابد، امام اور حجت تھے، یہ ساتویں طبقہ کے امام تھے،اور کبھی کبھی تدلیس کرتے تھے۔“ [تقریب التهذیب لابن حجر:رقم:٢٤٤٥]۔

امام ثوری رحمہ اللہ قلیل التدلیس یعنی کبھی کبھار تدلیس کرنے والے تھے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے۔اور کبھی کبھار تدلیس کرنے والوں کا عنعنہ مقبول ہوتا ہے۔اس بارے میں بڑی عمدہ تحقیق کے لئے دیکھئے: [مقالات راشدیه :ج:١،ص: ٣٠٤ تا ٣٣١،مقاله تسکین القلب المشوش باعطاء التحقیق فی تدلیس الثوری والاعمش]۔نیز دیکھیئے یہی کتاب:ص۱۴۷تا۱۵۳۔

یاد رہے کہ زیر بحث روایت میں امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے سماع کی صراحت کردی ہے۔

یحییٰ بن سعید القطان:

آپ بھی بخاری ومسلم اور سنن اربعہ کے زبردست ثقہ راوی ہیں۔آپ بھی کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں انہیں بھی بہت سارے اہل علم نے ”امیر المؤمنین فی الحدیث“ کہا ہے چنانچہ:

امام ذہبی (المتوفی ۷۴۸) نے کہا:

”الإمام الکبیر، أمیر المؤمنین فی الحدیث“

”آپ بہت بڑے امام اور امیر المؤمنین فی الحدیث تھے۔“ [سیر أعلام النبلاء للذهبی:١٧٥/٩]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں ائمہ فن کے اقوال کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے کہا:

”یحیی بن سعید بن فروخ بفتح الفاء وتشدید الراء المضمومة وسکون الواو ثم معجمة التمیمی أبو سعید القطان البصری ثقة متقن حافظ إمام قدوة من کبار التاسعة“

”یحییٰ بن سعید بن فروخ ،ابوسعید القطان البصری، آپ ثقہ، متقن ،حافظ، امام، قدوہ اور نویں طبقہ کے بڑے لوگوں میں سے تھے۔“ [تقریب التهذیب لابن حجر:رقم:٧٥٥٧]۔

❁ تنبیہ:

بعض لوگ انتہائی لایعنی اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں یحییٰ بن سعید نام کے کئی راوی ہیں اور یہاں کون ہے یہ معلوم نہیں۔

عرض ہے کہ علم حدیث کا مبتدی طالب علم بھی جانتا ہے کہ سند میں راوی کا تعین جن امور کی بنیاد پر ہوتا ہے ان میں سے ایک اہم چیز راوی کے اساتذہ وتلامذہ کا رشتہ ہے۔یعنی راوی کے استاذوں اور شاگردوں کو دیکھ کر راوی کا تعین کیا جاتا ہے۔

اس سند میں یحییٰ بن سعید کے استاذ سفیان ثوری ہیں اوران کے شاگرد امام احمد رحمہ اللہ ہیں۔

اور کتب رجال سے پتہ چلتا ہے کہ جن یحییٰ بن سعید کے استاذ سفیان ثوری رحمہ اللہ اور شاگرد امام احمد رحمہ اللہ ہیں وہ یحییٰ بن سعید القطان ہیں دیکھئے:[تهذيب الكمال للمزى: ۳۳۰/۳۱ تا ۳۳۲]۔

متن پر پہلا اعتراض

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس روایت کو سفیان ثوری رحمہ اللہ سے کئی لوگوں نے روایت کیا ہے لیکن یحییٰ بن سعید کے علاوہ کسی اور راوی نے ہاتھ باندھنے کا ذکر نہیں کیا۔

اسی طرح سفیان کے استاذ سماک بن حرب سے بھی اسے کئی لوگوں نے روایت کیا ہے لیکن سفیان ثوری کے علاوہ کسی نے سینے پر ہاتھ باندھنے کا ذکر نہیں کیا ہے۔

عرض ہے کہ یہ بات زیادتِ ثقہ کے قبیل سے ہے اور زیادتِ ثقہ اس وقت مقبول ہوتی ہے جب قرائن اس کے حق میں ہوں ،اور جہاں پر رد کے قرائن ہوں وہاں زیادتِ ثقہ رد کردی جاتی ہے اس بارے میں مفصل تحقیق اور محدثین کے اقوال اور متعدد مثالوں کے لئے دیکھئے:[ہماری کتاب یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ:ص:۲۰۸ تا ۲۴۹]۔

اور زیر بحث حدیث میں قرائن اسی حق میں ہیں کہ یہاں زیادت کو قبول کیا جائے ذیل میں قرائن کی تفصیل اہل علم کے اقوال کے ساتھ ملاحظہ ہوں:

پہلا قرینہ: (روایات میں اختصار)

سماک بن حرب کی یہ روایت کئی چیزوں کے بیان پر مشتمل ہے لیکن ان سے روایت کرنے والوں میں کسی ایک نے بھی ایک ساتھ پوری روایت بیان نہیں کی ہے بلکہ ہر راوی نے بعض بعض حصہ ہی کو بیان کیا ہے۔

اگر معاملہ یہ ہوتا کہ سفیان ثوری اور یحییٰ بن سعید کے علاوہ تمام کے تمام راوی اس روایت کو متفقہ طور پر ایک ہی الفاظ میں روایت کرتے تو یہ اشکال ہوسکتا تھا کہ جب سارے رواۃ ایک بیان پر متفق ہیں تو سفیان ثوری اور یحییٰ بن سعید نے ایک مزید بات کیسے بیان کردی (بشرطیکہ دیگر رواۃ بھی ان کے ہم پلہ ہوں)۔لیکن ہم دیکھتے ہیں اس روایت کو بیان کرنے والے سارے راوی الگ الگ انداز میں الگ الگ چیزوں کو بیان کرتے ہیں اور ہر راوی کوئی نہ کوئی چیز چھوڑ دیتا ہے جسے دوسرا کوئی اور بیان کرتا ہے۔ذیل میں ہم سماک بن حرب کے طریق سے مروی اس روایت میں مذکور تمام باتوں کو ایک ساتھ ذکر کرتے ہیں:

(۱): روایت میں نماز کا ذکر ہے۔[مسند أحمد ط المیمنیة: ۲۲۶/۵، واسنادہ صحیح]۔

(۲): دائیں اور بائیں جانب سے مقتدیوں کی طرف پھرنے کا ذکر ہے۔[مسند أحمد ط المیمنیة: ۲۲۶/۵، واسنادہ صحیح]۔

(۳): اللہ کے نبی ﷺ کی امامت کا ذکر ہے۔[سنن الترمذی ت شاکر: ۹۸/۲، رقم: ۳۰۱]۔

(۴): ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھنے کا ذکر ہے۔[مسند أحمد ط المیمنیة: ۲۲۶/۵، واسنادہ صحیح]۔

(۵): دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنے کا ذکر ہے۔[مسند أحمد ط المیمنیة: ۲۶۶/۵ واسنادہ صحیح]۔

(۵): دائیں ہاتھ سے بایاں ہاتھ پکڑنے کا ذکر ہے۔[مصنف عبدالرزاق: ۲۴۰/۲، واسنادہ صحیح]۔

(۷): دونوں ہاتھوں کو سینے پر باندھنے کا ذکر ہے۔[مسند أحمد ط المیمنیة: ۲۲۶/۵، واسنادہ صحیح]۔

(۸): عیسائیوں کے کھانے کے بارے میں نبی ﷺ سے سوال و جواب کا ذکر ہے۔[معجم الصحابة لابن قانع: ۱۹۹/۳]۔

یہ تمام باتیں اس روایت میں بیان ہوئی ہیں لیکن ان تمام باتوں کو کسی ایک راوی نے مکمل بیان نہیں کیا بلکہ کسی نے ایک یا دو چیز بیان کی ہے تو بقیہ باتوں کو چھوڑ دیا ہے۔لہٰذا جب اس روایت کے بیان

میں تمام راویوں کا یہی طرزِ عمل ہے کہ وہ اس روایت کے بعض حصہ ہی کو بیان کرتے ہیں تو پھر یہ کہنے کی گنجائش ہی نہیں ہے کہ فلاں فلاں نے یہ بات بیان نہیں کی ہے کیونکہ اس روایت کے راویوں نے اس بات کا التزام کیا ہی نہیں ہے کہ وہ ساری باتوں کو بیان کریں گے بلکہ ہر ایک نے صرف بعض حصہ ہی کو بیان کیا ہے اور بعض حصہ کو چھوڑ دیا ہے اور اس طرز عمل سے ہر راوی نے خود اشارہ دے دیا کہ اس نے کچھ باتیں عمداً چھوڑ دی ہیں۔

ذیل میں اس روایت کو بیان کرنے والے تمام راویوں کے الفاظ ہم پیش کرتے ہیں:

❁ سفیان ثوری کے علاوہ سماک بن حرب کے دیگر شاگردوں کی روایات:

❁ **شعبۃ بن الحجاج العتکی کی روایت:**

”حدثنا عبد الله ، حدثني أبو بكر بن أبي شيبة ، حدثني غندر ، عن شعبة ، عن سماك عن قبيصة بن هلب ، عن أبيه ، قال: رأيت رسول الله ﷺ ينصرف عن شقيه“

”ھلب الطائی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ دونوں جانب سے پھرتے تھے۔“ [مسند أحمد ط الميمنية:: ٢٢٦/٥]۔

اس روایت میں صرف دونوں جانب سے پھرنے کا ذکر ہے اور بقیہ ان سات (۷) چیزوں کا ذکر نہیں ہے جسے دوسرے رواۃ نے بیان کیا ہے۔

واضح رہے کہ امام شعبہ رحمہ اللہ نے خود کہا:

”إذا خالفني سفيان في حديث فالحديث حديثه“

”جب سفیان کسی حدیث میں میری مخالفت کریں تو سفیان ہی کی حدیث معتبر ہوگی۔“ [الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: ٦٣/١، واسناده صحيح]۔

ہماری نظر میں امام شعبہ نے اپنی روایت میں سینے کا تذکرہ نہیں کیا ہے یہ فی الحقیقت کوئی مخالفت نہیں ہے لیکن اگر اسے مخالفت مان بھی لیں تو خود امام شعبہ رحمہ اللہ کی گواہی کے مطابق جب امام شعبہ سفیان ثوری رحمہ اللہ کی مخالفت کریں تو امام ثوری رحمہ اللہ ہی کی روایت کا اعتبار ہوگا۔

یاد رہے کہ یہ بات صرف امام شعبہ رحمہ اللہ نے ہی نہیں کہی ہے کہ اسے تواضع پر محمول کر کے نظر انداز کر دیا جائے بلکہ:

امام ابن معین رحمہ اللہ نے بھی کہا:

"ليس أحد يخالف سفيان الثورى إلا كان القول قول سفيان قلت وشعبة أيضا إن خالفه قال نعم"

"جو کوئی بھی سفیان ثوری رحمہ اللہ کے خلاف روایت کرے گا تو سفیان ثوری ہی کی روایت معتبر ہوگی۔ عباس الدوری کہتے ہیں میں نے کہا: کیا شعبہ بھی ثوری سے اختلاف کریں تو بھی سفیان ہی کی روایت معتبر ہوگی؟ امام ابن معین نے کہا: جی ہاں۔" [تاريخ ابن معين، رواية الدورى:٣/٣٦٤]۔

صرف ابن معین ہی نہیں بلکہ:

امام ابوحاتم رحمہ اللہ جیسے متشدد نے بھی کہا:

"وهو احفظ من شعبة و إذا اختلف الثورى وشعبة فالثورى"

"سفیان ثوری رحمہ اللہ شعبہ سے بڑے حافظ ہیں اور جب سفیان ثوری اور شعبہ کے بیان میں اختلاف ہو تو سفیان ثوری ہی کا بیان معتبر ہوگا۔" [الجرح والتعديل لابن أبى حاتم: ٤/٢٢٤]۔

حتیٰ کہ امام أبوزرعۃ الرازی رحمہ اللہ نے بھی کہا:

"كان الثورى احفظ من شعبة فى إسناد الحديث وفى متنه"

"سفیان ثوری سند اور متن کو یاد رکھنے میں شعبہ سے بھی بڑھ کر تھے" [الجرح والتعديل لابن أبى حاتم: ٤/٢٢٤]۔

بلکہ امام بیہقی رحمہ اللہ کے بقول یہ محدثین کا متفقہ فیصلہ ہے۔ دیکھئے [مختصر خلافیات البیہقی:۲/۶۴]

❁ ابوالاحوص، سلام بن سلیم الحنفی کی روایت:

"حدثنا قتيبة قال: حدثنا أبو الأحوص، عن سماك بن حرب، عن قبيصة بن هلب، عن أبيه قال:" كان رسول الله ﷺ يؤمنا، فينصرف على جانبيه جميعا: على يمينه وعلى شماله"

"ھلب الطائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ ہماری امامت کرتے اور ہر دو جانب یعنی دائیں اور بائیں کی طرف سے پھرتے تھے۔" [سنن الترمذى ت شاكر :۲/۹۸ رقم:۳۰۱]۔

اس روایت میں صرف اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت اور دائیں اور بائیں جانب سے پھرنے کا ذکر ہے اور بقیہ ان چھ (٦) چیزوں کا ذکر نہیں ہے جسے دوسرے رواۃ نے بیان کیا ہے۔

یاد رہے کہ سفیان ثوری ابوالاحوص دونوں ثقہ ہیں لیکن حفظ واتقان میں ابوالاحوص سفیان ثوری کے ہم پلہ نہیں بلکہ امام ابوحاتم نے ابوالاحوص کو زائدہ اور زہیر سے بھی کم رتبہ بتلایا ہے۔ چنانچہ کہا:

"صدوق دون زائدة وزهير فى الإتقان"

یعنی ”ابوالاحوص یہ صدوق ہیں اور حفظ و اتقان میں زائدہ اور زہیر سے کم تر ہیں۔“ [الجرح و التعديل لابن أبي حاتم: ٤/ ٢٥٩]۔

جبکہ سفیان ثوری رحمہ اللہ کے بارے میں کہا:

”سفيان فقيه حافظ زاهد امام أهل العراق و أتقن أصحاب أبي إسحاق و هو احفظ من شعبة و إذا اختلف الثوري و شعبة فالثوري“

سفیان ثوری، فقیہ، حافظ، اہل عراق کے امام، ابواسحاق کے اصحاب میں سب زیادہ متقن اور شعبہ سے بھی بڑے حافظ ہیں، اور جب سفیان ثوری اور شعبہ کے بیان میں اختلاف ہو تو سفیان ثوری ہی کا بیان معتبر ہوگا۔ [الجرح و التعديل لابن أبي حاتم: ٤/ ٢٢٤]۔

نیز ماقبل میں حوالے پیش کئے جا چکے ہیں کہ متعدد ائمہ نے امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کو امام شعبہ رحمہ اللہ سے بھی بڑا حافظ بتلایا تو بھلا ابوالاحوص کا سفیان ثوری سے کیا مقابلہ ہو سکتا ہے۔ لہٰذا سفیان ثوری رحمہ اللہ کے خلاف ابوالاحوص کی بات نامعتبر ہے۔

❁ زائدۃ بن قدامۃ الثقفی کی روایت:

”حدثنا حسين الجعفي ، عن زائدة ، عن سماك بن حرب ، عن قبيصة بن هلب الطائي ، عن أبيه ، قال: كان رسول الله ﷺ إذا انفتل من الصلاة ، انفتل عن يمينه وعن شماله“

”ھلب الطائی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ جب نماز سے پھرتے تو دائیں جانب سے بھی پھرتے اور بائیں جانب سے بھی پھرتے۔“ [مسند أحمد ط الميمنية: ٥/ ٢٢٧]۔

اس روایت میں صرف نماز اور دائیں اور بائیں جانب سے پھرنے کا ذکر ہے اور بقیہ ان چھ (٦) چیزوں کا ذکر نہیں ہے جسے دوسرے رواۃ نے بیان کیا ہے۔

واضح رہے کہ زائدۃ بن قدامۃ کا سماک سے اختلاط سے قبل روایت کرنا ثابت نہیں ہے اس لئے یہ روایت سنداً ضعیف ہے۔

❁ حفص بن جمیع العجلی (ضعیف) کی روایت:

”حدثنا سهل بن موسى شيران الرامهرمزي، ثنا أحمد بن عبدة، ثنا حفص بن جميع، عن سماك بن حرب، عن قبيصة بن هلب، عن أبيه قال: كان رسول الله

ﷺ يضع يديه إحداهما على الأخرى فى الصلاة"

''ھلب الطائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اپنے دونوں ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھتے۔''[المعجم الكبير للطبراني: ١٦٥/٢٢]۔

اس روایت میں صرف نماز اور ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھنے کا ذکر ہے اور بقیہ ان چھ(٦) چیزوں کا ذکر نہیں ہے جسے دوسرے رواۃ نے بیان کیا ہے۔

واضح رہے حفص بن جمیع ضعیف ہے۔جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے۔دیکھئے:[تقريب التهذيب لابن حجر:رقم:١٤٠١]۔

مزید برآں یہ کہ حفص بن جمیع نے سماک سے اختلاط کے بعد روایت کیا ہے دیکھئے:ص١٣٤۔

لہٰذا یہ روایت سنداً ضعیف ہے۔

✲ زکریا بن أبی زائدۃ الوادعی کی روایت:

"حدثنا الحسين بن إسحاق التسترى، ثنا عثمان بن أبى شيبة، ثنا محمد بن بشر، عن زكريا بن أبى زائدة، عن سماك بن حرب، عن قبيصة بن هلب، عن أبيه قال: سألت رسول الله ﷺ، عن طعام النصارى فقال: لا يتخلجن فى صدرك طعام ضارعت فيه النصرانية"

''قبیصہ بن ھلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے عیسائیوں کے کھانے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:''کوئی (حلال) چیز تیرے سینے میں شک وشبہ نہ ڈالے اس سے تو نصرانیوں (راہبوں) کے مشابہ ہو جائے گا''۔''[المعجم الكبير للطبراني:١٦٧/٢٢]۔

اس روایت میں صرف عیسائیوں کے کھانے کے بارے میں ذکر ہے اور بقیہ ان سات (٧) چیزوں کا ذکر نہیں ہے جسے دوسرے رواۃ نے بیان کیا ہے۔

واضح رہے کہ زکریا بن أبی زائدۃ کا سماک سے اختلاط سے قبل روایت کرنا ثابت نہیں ہے اس لئے یہ روایت سنداً ضعیف ہے۔

علاوہ بریں زکریا نے عن سے روایت کیا ہے اور یہ مدلس بھی ہیں اور دکتور مسفر الدمینی نے ان کے بارے میں تحقیق کر کے انہیں تیسرے طبقہ کا مدلس بتلایا کیونکہ ان سے بکثرت تدلیس ثابت ہے۔ دیکھئے:[التدليس فى الحديث :ص:٢٩٧-٢٩٨]۔

❁ إسرائیل بن یونس السبیعی کی روایت:

”حدثنا موسى بن الحسن بن أبي عباد، نا ابن رجاء، نا إسرائيل، عن سماك، عن قبيصة، عن أبيه قال: كان النبي ﷺ ينصرف عن يمينه، وعن يساره“

”ھلب الطائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دائیں جانب سے اور بائیں جانب سے پھرتے تھے۔“ [معجم الصحابة لابن قانع :۱۹۸/۳]۔

اس روایت میں صرف دائیں اور بائیں جانب سے پھرنے کا ذکر ہے اور بقیہ ان سات (۷) چیزوں کا ذکر نہیں ہے جسے دوسرے رواۃ نے بیان کیا ہے۔

واضح رہے کہ زائدۃ بن قدامۃ کا سماک سے اختلاط سے قبل روایت کرنا ثابت نہیں ہے اس لئے یہ روایت سنداً ضعیف ہے۔

❁ أسباط بن نصر الہمدانی کی روایت:

”حدثنا علي بن عبد العزيز، ثنا عمرو بن حماد بن طلحة القناد، ثنا أسباط بن نصر، عن سماك، عن قبيصة بن هلب، عن أبيه أنه: رأى النبي ﷺ قام يصلي قال: فرأيته حين وضع إحدى يديه على الأخرى اليمين على الشمال“

”ھلب الطائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ھلب کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا جب آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں میں سے ایک کو دوسرے پر رکھا تو دائیں کو بائیں پر رکھا۔“ [المعجم الكبير للطبراني :۱٦٥/۲۲]۔

اس روایت میں صرف اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنے کا ذکر ہے اور بقیہ ان چھ (٦) چیزوں کا ذکر نہیں ہے جسے دوسرے رواۃ نے بیان کیا ہے۔

واضح رہے کہ أسباط بن نصر کا سماک سے اختلاط سے قبل روایت کرنا ثابت نہیں ہے اس لئے یہ روایت سنداً ضعیف ہے۔

علاوہ بریں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے انہیں **صدوق كثير الخطاء**. (سچے اور زیادہ غلطی کرنے والے) کہا ہے۔[تقريب التهذيب لابن حجر: رقم: ۳۲۱]۔

شریک بن عبداللہ القاضی کی روایت:

”حدثنا عبد الله حدثني زكريا بن يحيى بن صبيح ، حدثنا شريك ، عن سماك ، عن قبيصة بن الهلب ، عن أبيه ، قال: سألت النبي ﷺ عن طعام النصارى ، فقال: لا يحيكن في صدرك طعام ضارعت فيه النصرانية. قال: ورأيته يضع إحدى يديه على الأخرى ، قال: ورأيته ينصرف عن يمينه ، ومرة عن شماله“

”ھلب الطائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عیسائیوں کے کھانے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے کہا: کوئی (حلال) چیز تیرے سینے میں شک وشبہ نہ ڈالے، اس سے تو نصرانیوں (راہبوں) کے مشابہ ہو جائے گا۔ ھلب کہتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ اپنے دونوں ہاتھوں میں ایک کو دوسرے پر رکھتے۔ ھلب رضی اللہ عنہ نے مزید کہا کہ: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی دائیں جانب سے اور کبھی بائیں جانب سے پھرتے ہوئے دیکھا۔“ [مسند أحمد ط الميمنية: ٥/٢٢٦]۔

اس روایت میں صرف عیسائیوں کے کھانے کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال وجواب کا ذکر ہے۔ اور ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر اور دائیں اور بائیں جانب سے پھرنے کی بات ہے۔

اور بقیہ ان پانچ (۵) چیزوں کا ذکر نہیں ہے جسے دوسرے رواۃ نے بیان کیا ہے۔

واضح رہے کہ شریک بن عبداللہ نے سماک سے اختلاط کے بعد روایت کیا ہے دیکھئے: ص ۱۳۴۔

لہٰذا یہ روایت سنداً ضعیف ہے۔

علاوہ بریں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے انہیں **صدوق يخطىء كثيرا**. (سچے اور زیادہ غلطی کرنے والے) کہا ہے۔ [تقريب التهذيب لابن حجر: رقم: ٢٧٨٧]۔

زہیر بن حرب الحرشی کی روایت:

”حدثنا محمد بن أحمد بن البراء ، نا معافى ، نا زهير ، عن سماك ، عن قبيصة بن هلب ، عن أبيه عن النبي ﷺ نحوه“

اس روایت میں بھی تقریباً گذشتہ روایت ہی کی باتیں ہیں۔ [معجم الصحابة لابن قانع: ٣/١٩٩]۔

اس روایت کے الفاظ مذکور نہیں ہیں البتہ اس کے الفاظ کے لئے اس سے ماقبل روایت کا حوالہ دیا

گیا ہے جس میں صرف عیسائیوں کے کھانے کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال و جواب کا ذکر ہے۔ نیز ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھنے اور دائیں اور بائیں جانب سے پھرنے کی بات ہے۔

اور بقیہ ان پانچ (۵) چیزوں کا ذکر نہیں ہے جسے دوسرے رواۃ نے بیان کیا ہے۔

واضح رہے کہ زہیر بن حرب کا سماک سے اختلاط سے قبل روایت کرنا ثابت نہیں ہے اس لئے یہ روایت سنداً ضعیف ہے۔

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سفیان ثوری کے علاوہ صرف دو لوگوں -شعبہ اور ابوالاحوص- ہی کی سماک سے یہ روایت صحیح ہے۔ اور بقیہ لوگوں کی روایات ضعیف ہیں۔ یاد رہے تمام لوگ ایک ہی طرح کے الفاظ بیان کرنے پر متفق نہیں ہیں، اس لئے یہ آپس میں ایک دوسرے کے مؤید بھی نہیں ہیں۔

اور جن دو لوگوں کی روایات ثابت ہیں ان میں سے ایک شعبہ ہیں جنھوں نے خود صراحت کر دی کی سفیان ثوری رضی اللہ عنہ کے بیان کے مقابلہ میں ان کے بیان کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور یہی بات امام ابن معین رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ نے بھی کہی ہے جیسا کہ حوالے پیش کئے جا چکے ہیں۔ دیکھئے: ص ۹۳۔

اب باقی بچے ابوالاحوص تو یہ حفظ و اتقان میں سفیان ثوری رحمہ اللہ کے ہم پلہ نہیں ہیں جیسا کہ امام ابوحاتم کے حوالے سے وضاحت گذر چکی ہے۔ لہٰذا امام ثوری رحمہ اللہ کے مقابلہ میں ان کے بیان کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

بنابریں سفیان ثوری رحمہ اللہ جیسے متقن حافظ اور امیر المؤمنین فی الحدیث کے بیان کو غلط نہیں کہا جا سکتا۔ بالخصوص جبکہ کسی بھی محدث نے ان کی اس روایت پر تنقید نہیں کی ہے نیز عدم ذکر والے دونوں حضرات نے اس بات کا التزام بھی نہیں کیا ہے کہ وہ اس روایت کے تمام الفاظ بیان کریں گے۔

❁ یحییٰ بن سعید کے علاوہ سفیان ثوری کے دیگر شاگردوں کی روایات:

❁ **وکیع بن الجراح الرؤاسی کی روایت:**

”حدثنا عبد الله حدثني أبو بكر بن أبي شيبة ، حدثنا وكيع ، عن سفيان ، عن سماك بن حرب ، عن قبيصة بن الهلب ، عن أبيه ، قال: رأيت النبي ﷺ واضعا يمينه على شماله في الصلاة ، ورأيته ينصرف عن يمينه وعن شماله“

ھلب الطائی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں دائیں کو بائیں پر رکھتے ہوئے دیکھا۔ اور میں نے دیکھا آپ دائیں جانب سے پھرتے تھے اور بائیں جانب سے بھی پھرتے تھے۔[مسند أحمد ط المیمنیة:: ٥/٢٢٦ من زوائد عبدالله]۔

اس روایت میں صرف نماز، دائیں کو بائیں پر رکھنے کا ذکر ہے، اور دائیں اور بائیں جانب سے پھرنے کا ذکر ہے۔ اور بقیہ ان پانچ (٥) چیزوں کا ذکر نہیں ہے جو دیگر روایات میں ہیں۔

واضح رہے کہ امام وکیع ہی سے امام احمد نے بھی یہ روایت بیان کی تو ان کے الفاظ میں صرف دائیں اور بائیں جانب سے پھرنے کا ذکر ہے۔ چنانچہ:

”حدثنا وكيع ، عن سفيان ، عن سماك بن حرب ، عن قبيصة بن هلب الطائی ، عن أبيه ، قال: رأيت رسول الله ﷺ ينصرف مرة عن يمينه ، ومرة عن شماله“

”ھلب الطائی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں دائیں کو بائیں پر رکھتے ہوئے دیکھا۔ اور میں نے دیکھا آپ دائیں جانب سے پھرتے تھے اور بائیں جانب سے بھی پھرتے تھے۔“[مسند أحمد ط المیمنیة: ٥/٢٢٧]۔

معلوم ہوا کہ امام وکیع نے بھی پوری حدیث بیان نہیں کی ہے بلکہ جس قدر بیان کیا ہے اس میں بھی کمی وبیشی کی ہے، جو اس بات کا زبردست ثبوت ہے کہ امام وکیع نے اس حدیث کی تمام باتوں کو بیان کرنے کا قصد ہی نہیں کیا۔

علاوہ بریں امام وکیع نے سفیان سے روایت کرنے میں کئی مقامات پر غلطی کی ہے چنانچہ:

امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی:٢٤١) نے سفیان سے وکیع کی ایک روایت کے بارے میں کہا:

”ليس يرويه أحد غير وكيع ما أراه إلا خطأ“

”اسے وکیع کے علاوہ کوئی اور روایت نہیں کرتا میں یہی سمجھتا ہوں کہ وکیع نے غلطی کی ہے۔“[العلل ومعرفة الرجال لأحمد: ١/٣٢٥]۔

اور ایک دوسرے مقام پر امام أحمد رحمہ اللہ نے سفیان سے وکیع کی ایک روایت کے بارے میں کہا:

”أخطأ فيه وكيع“

”اس میں وکیع نے غلطی کی ہے۔“[العلل ومعرفة الرجال لأحمد: ٢/٤٠١]۔

نیز امام احمد نے سفیان ثوری سے روایت کرنے والوں میں یحییٰ بن سعید کو وکیع پر مقدم کیا ہے چنانچہ امام مروذی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۷۵) نے کہا:

”من اصحاب الثوری ؟ قال: یحیی و وکیع وعبد الرحمن وابو نعیم. قلت: قدمت وکیعا علی عبد الرحمن ؟ قال: وکیع شیخ“

”میں نے امام احمد سے پوچھا: سفیان ثوری کے اصحاب کون کون ہیں؟ تو امام احمد رحمہ اللہ نے کہا: یحییٰ بن سعید اور وکیع اور عبدالرحمٰن اور ابونعیم۔ میں نے کہا: آپ نے وکیع کو عبدالرحمٰن پر مقدم کر دیا؟ تو امام احمد رحمہ اللہ نے کہا: وکیع شیخ ہیں۔“ [علل أحمد روایة المروذی وغیرہ: ص:٦٠]۔

غور فرمائیں اس قول میں امام احمد رحمہ اللہ نے وکیع کو عبدالرحمٰن پر مقدم کیا لیکن یحییٰ بن سعید کو وکیع پر بھی مقدم کیا۔

ان اقوال سے نتیجہ نکلا کہ اگر سفیان سے روایت کرتے ہوئے امام وکیع امام یحییٰ بن سعید کی مخالفت کریں تو امام یحییٰ بن سعید کی روایت راجح قرار پائے گی۔

❁ **عبدالرحمٰن بن مہدی کی روایت:**

”حدثنا أبو محمد بن صاعد، نا یعقوب بن إبراهیم الدورقی، ثنا عبد الرحمن بن مهدی، عن سفیان، ح وحدثنا محمد بن مخلد ،نا محمد بن إسماعیل الحسانی، ثنا وکیع، ثنا سفیان، عن سماک، عن قبیصة بن هلب، عن أبیه ، قال: رأیت رسول الله ﷺ واضعا یمینه علی شماله فی الصلاة“

”ھلب الطائی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں دائیں کو بائیں پر رکھتے ہوئے دیکھا۔“ [سنن الدارقطنی: ۲/ ۳۳ رقم: ۱۱۰۰]۔

اس روایت میں صرف نماز کا ذکر ہے اور دائیں کو بائیں پر رکھنے کا ذکر ہے اور بقیہ ان پانچ (۵) چیزوں کا ذکر نہیں ہے جسے دوسرے رواۃ نے بیان کیا ہے۔

یاد رہے کہ یحییٰ بن سعید کے مقابلہ میں عبدالرحمٰن بن مہدی کی روایت کو مرجوح بتلایا گیا ہے چنانچہ أبوعبدالرحمٰن السلمی (المتوفی:۴۱۲) نے کہا:

”وسألته: من یقدم من یحیی بن سعید وعبد الرحمن بن مهدی ؟فقال: یقدم

يحيى بن سعيد؛ فإنه كان أسمح الناس؛ إذا كان فى نفسه من الحديث شيء تركه"

"میں نے امام دارقطنی سے پوچھا یحییٰ بن سعید اور عبدالرحمٰن بن مہدی میں سے کس (کی روایت) کو مقدم کیا جائے گا؟ تو امام دارقطنی رحمہ اللہ نے فرمایا: یحییٰ بن سعید (کی روایت) کو مقدم کیا جائے گا کیونکہ یحییٰ بن سعید سب سے زیادہ محتاط تھے ان کے دل میں کسی حدیث کے تعلق سے کچھ بھی اندیشہ ہوتا تو وہ اسے ترک کردیتے۔" [سؤالات السلمی للدارقطنی ت الحمید: ص:۳۲۸]۔

❁ عبدالرزاق بن ھمام کی روایت:

"عبد الرزاق، عن الثورى، عن سماك بن حرب، عن قبيصة بن هلب، عن أبيه قال: كان النبى ﷺ ينصرف مرة عن يمينه، ومرة عن شماله، وكان يمسك بيمينه على شماله فى الصلاة"

"ھلب الطائی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی دائیں جانب سے پھرتے تھے اور کبھی بائیں جانب سے پھرتے تھے اور آپ نماز میں اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑے رہتے تھے۔" [مصنف عبد الرزاق: ۲/۲۴۰]۔

اس روایت میں صرف نماز کا ذکر ہے، دائیں اور بائیں جانب سے پھرنے کا ذکر ہے اور دائیں ہاتھ سے بایاں ہاتھ پکڑنے کا ذکر ہے اور بقیہ ان پانچ (۵) چیزوں کا ذکر نہیں ہے جسے دوسرے رواۃ نے بیان کیا ہے۔

یادرہے کہ امام عبدالرزاق کے حافظہ پر جرح ہوئی ہے، دیکھئے: [یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: ص: ۲۵۶ تا ۲۵۹]۔

اور عبدالرزاق حفظ واتقان میں امام یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے بہت کم تر ہیں لہٰذا امام یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ کے مخالف ان کی روایت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

❁ الحسین بن حفص الھمدانی کی روایت:

"أخبرنا أبو عبد الله الحافظ، وأبو سعيد بن أبى عمرو قالا: ثنا أبو العباس محمد بن يعقوب، ثنا أسيد بن عاصم، ثنا الحسين بن حفص قال: قال سفيان وحدثنا سماك بن حرب، عن قبيصة بن هلب، عن أبيه قال: كان النبى ﷺ ينصرف مرة عن يمينه ومرة عن يساره ويضع إحدى يديه على الأخرى"

"ھلب الطائی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی دائیں جانب سے پھرتے تھے اور کبھی بائیں جانب سے پھرتے تھے اور آپ نماز میں اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھتے تھے۔" [السنن الکبری للبیھقی:۲/۴۱۹ رقم: ۳۶۱۳]۔

اس روایت میں صرف دائیں اور بائیں جانب سے پھرنے کا ذکر ہے اور ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھنے کا ذکر ہے اور بقیہ ان چھ (۶) چیزوں کا ذکر نہیں ہے جسے دوسرے رواۃ نے بیان کیا ہے۔

یاد رہے کہ حسین بن حفص، حافظہ کے اعتبار سے امام یحیٰی بن سعید سے بہت کم تر ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے انہیں صرف صدوق کہا ہے۔ دیکھئے: [تقریب التھذیب لابن حجر: رقم:۱۳۱۹]۔

❁ عبدالصمد بن حسان اور محمد بن کثیر العبدی کی روایت:

"حدثنا بشر بن موسی، نا عبد الصمد بن حسان، وحدثنا معاذ بن المثنی، نا محمد بن کثیر قالا: نا سفیان الثوری، عن سماک، عن قبیصة بن ھلب، عن أبیه، أنه قال: یعنی للنبی ﷺ قال: الطعام لا أدعه إلا تحرجا قال: لا تختلج فی نفسک إلا ما ضارعت فیه النصرانیة وقال: بیده ھکذا "ووضع کفه الیمنی علی الیسری وقال: ھکذا کان یصنع النبی ﷺ فی صلاته وینصرف عن یمینه وعن شماله"."

"ھلب الطائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: میں فقط حرج محسوس کرتے ہوئے بعض کھانے چھوڑ دیتا ہوں؟ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی چیز تمہارے سینے میں شک وشبہ ڈالے گی تو تم نصرانیوں کے مشابہ ہو جاؤ گے۔ اور آپ نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے یہ بات کہی۔ اور انہوں نے اپنی دائیں ہتھیلی کو بائیں ہتھیلی پر رکھا اور کہا: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اسی طرح کرتے تھے۔ اور دائیں طرف سے بھی اور بائیں طرف سے بھی پھرتے تھے۔" [معجم الصحابة لابن قانع:۳/۱۹۹]۔

اس روایت میں صرف عیسائیوں کے کھانے کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال وجواب کا ذکر ہے۔ نیز دائیں ہتھیلی کو بائیں ہاتھ پر رکھنے اور دائیں اور بائیں جانب سے پھرنے کی بات ہے۔ اور بقیہ ان پانچ (۵) چیزوں کا ذکر نہیں ہے جسے دوسرے رواۃ نے بیان کیا ہے۔

یاد رہے کہ عبدالصمد بن حسان اور محمد بن کثیر یہ دونوں بھی امام یحیٰی بن سعید سے بہت ہی کم رتبہ والے ہیں دیکھیں: عام کتب رجال۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام یحییٰ بن سعید کے ساتھ جن لوگوں نے بھی یہ روایت سفیان ثوری سے نقل کی ہے ان پر امام یحییٰ بن سعید ہی کی روایت راجح ہے۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ایک مقام پر یحییٰ بن سعید کے ساتھ چار روایت کرنے والے راویوں پر امام یحییٰ بن سعید ہی کی روایت کو ترجیح دی چنانچہ ایک حدیث کے بارے میں کہا:

یرویه عبید الله بن عمر، واختلف عنه، فرواه یحیی بن سعید القطان، عن عبید الله، عن سعید المقبری، عن أبیه، عن أبی هریرة وخالفه عبد الله بن نمیر، وأبو أسامة، ومحمد بن بشر، والحسن بن عیاش فرووه، عن عبید الله، عن سعید، عن أبی هریرة، لم یقولوا فیه: عن أبیه، والقول قول یحیی بن سعید.

اسے عبیداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں اور ان سے روایت کرنے والے میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ چنانچہ یحییٰ بن سعید القطان نے اسے **عبیدالله، عن سعید المقبری، عن ابیه، عن ابی هریره.** کی سند سے روایت کیا ہے۔اوران کی مخالفت کرتے ہوئے عبداللہ بن نمیر، ابواسامہ، محمد بن بشیر اور حسن بن عیاش نے اسے **عن عبیدالله، عن سعید، عن ابی هریره.** کی سند سے روایت کیا اور ان لوگوں نے عن ابیہ کا واسطہ ذکر نہیں کیا۔اور یحییٰ بن سعید نے جس طرح روایت کیا ہے وہی درست ہے۔[علل الدارقطنی:۱۳۵/۸]۔

تمام روایات کے الفاظ کا خلاصہ:

غور فرمائیں کہ سفیان ثوری کے علاوہ سماک بن حرب کے دیگر شاگردوں اسی طرح یحییٰ بن سعید کے علاوہ سفیان کے دیگر شاگردوں میں بھی کوئی ایک بھی ایسا شاگرد نہیں ہے جس نے اس روایت کی تمام باتوں کو ذکر کیا ہو اور کسی بات کو چھوڑا نہ ہو۔

لہٰذا جب یہ طے شدہ بات ہے کہ سماک وسفیان کے تمام شاگردوں میں کسی بھی شاگرد نے اس بات کا التزام نہیں کیا ہے کہ وہ تمام الفاظ کو بیان کرے بلکہ ہر شاگرد نے روایت کی کئی باتیں چھوڑ دی ہیں تو پھر سفیان و یحییٰ بن سعید کے علاوہ باقی لوگوں نے اگر سینے پر ہاتھ باندھنے کا ذکر نہیں کیا تو یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے انہوں نے دیگر باتوں کا ذکر نہیں کیا۔

لہٰذا اس روایت کے کسی بھی راوی کا کوئی بات بیان نہ کرنا اس بات کی دلیل ہرگز نہیں ہے کہ وہ چیز اس روایت کا حصہ نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی:۸۵۲) نے کہا:

”وقد اختلفت الروايات عن الشيباني في ذلك فأكثر ما وقع فيها أن المراجعة وقع ثلاثا وفي بعضها مرتين وفي بعضها مرة واحدة، وهو محمول على أن بعض الرواة اختصر القصة، ورواية خالد المذكورة في هذا الباب أتمهم سياقا وهو حافظ فزيادته مقبولة“

”اس سلسلے میں شیبانی سے روایات میں اختلاف واقع ہوا ہے چنانچہ مراجعت کا سب سے زیادہ تین بار تذکرہ ہوا ہے اور بعض روایت میں دوبار مراجعت کا تذکرہ ہوا ہے اور بعض روایت میں ایک بار مراجعت کا تذکرہ ہوا ہے اور یہ اس بات پر محمول ہے کہ بعض راویوں نے اس قصہ میں اختصار کیا ہے اور اس باب میں خالد کی مذکورہ روایت سب سے زیادہ مکمل سیاق میں ہے اور یہ حافظ ہیں اس لئے ان کی زیادت مقبول ہے۔“ [فتح الباری لابن حجر: ۱۹۸/۴]۔

شیخ نادر بن السنوسی العمرانی نے زیادتِ ثقہ کی قبولیت کے لئے اس قرینہ کو پیش کرتے ہوئے عنوان قائم کیا:

”اختصار الراوي للحديث مشعر بضبط من رواه تاما“

”راوی کا حدیث میں اختصار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ جس نے مکمل روایت کیا ہے وہ ضابط ہے۔(یعنی اس کی روایت میں غلطی نہیں ہوئی ہے)۔“ [قرائن الترجيح في المحفوظ والشاذ: ص:۴۷۸]۔

اس کے بعد اس عنوان کے تحت کئی مثالیں پیش کرکے شیخ نادر نے اس قرینہ کو واضح کیا ہے تفصیل کے لئے دیکھئے: [قرائن الترجيح في المحفوظ والشاذ :ص:۴۷۸ تا ۵۰۰]۔

نیز زیادتِ ثقہ میں اس قرینہ کو امام بخاری، امام ابوحاتم الرازی اور امام دارقطنی رحمھم اللہ نے بھی پیش نظر رکھا ہے دیکھئے: [قرائن الترجيح في المحفوظ والشاذ:ص:۴۷۸]۔

دوسرا قرینہ: (احفظ یعنی بڑے حافظ کی روایت)

زیادتِ ثقہ کی قبولیت میں اس قرینہ سے بہت سارے محدثین نے استدلال کیا ہے چنانچہ:

امام مسلم رحمہ اللہ (المتوفی:۲۶۱) ایک جگہ یحییٰ بن سعید ہی کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے کہتے ہیں:

”أن یحیی بن سعید أحفظ من سعید بن عبید وَأَرْفَع مِنْهُ شَأْنًا فِي طَرِيق الْعلم وأسبابه“

”یحییٰ بن سعید یہ سعید بن عبید سے بڑے حافظ ہیں اور علم وروایت میں ان سے بڑے مقام ومرتبہ والے ہیں۔“ [التمییز لمسلم :ص:۱۹۴]۔

اسی طرح أبوحاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۷۷) نے ایک جگہ سفیان ثوری ہی کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے کہا:

”وھو أشبه عندی؛ لأن الثوری أحفظھم“

”سفیان ثوری کی روایت ہی میرے نزدیک درست ہے کیونکہ سفیان ثوری دیگر لوگوں سے بڑے حافظ ہیں۔“ [علل الحدیث لابن أبی حاتم :۳۶۶/٤]۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی:۳۸۵) ایک جماعت کی روایت کے خلاف امام زہری کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے کہتے ہیں:

”والقول قول الزھری ، لأنه أحفظ الجماعة“

”صحیح روایت امام زہری ہی کی روایت ہے کیونکہ پوری جماعت میں سب سے بڑے حافظ ہیں۔“ [علل الدارقطنی:۷۱/٦]۔

عرض ہے کہ زیر بحث حدیث کو یحییٰ بن سعید اور سفیان ثوری کے ساتھ جن لوگوں نے بھی روایت کیا ہے وہ سب کے سب امام یحییٰ بن سعید اور امام ثوری سے حفظ واتقان میں کم تر ہیں۔ بلکہ بعض کی روایات ثابت ہی نہیں ہیں جیسا کہ پہلا قرینہ کے ضمن میں تفصیل پیش کردی گئی ہے۔ لہٰذا ان تمام روایات میں امام یحییٰ بن سعید اور سفیان ثوری رحمہما اللہ ہی کی روایت راجح ہوگی۔

امام یحییٰ بن سعید کے ہم پلہ امام وکیع رحمہ اللہ کو کہا جاسکتا ہے لیکن اس روایت میں امام وکیع سفیان

سے روایت کررہے ہیں اورسفیان سے روایت کرنے میں امام وکیع نے کئی جگہ غلطیاں کی ہیں جیسا کہ امام وکیع کی روایت پیش کرتے وقت امام احمد رحمہ اللہ کے حوالہ سے واضح کیا گیا دیکھئے:ص۹۹۔

لہٰذا سفیان سے روایت کرتے وقت امام یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ کی روایت امام وکیع سے راجح قرار پائے گی۔

تیسرا قرینہ:(حافظ اور متقن کی روایت)

اگر زیادتی کو بیان کرنے والا حافظ اور متقن ہوتو زیادتی مقبول ہوگی بہت سارے محدثین نے اس قرینہ سے استدلال کرتے ہوئے زیادتِ ثقہ کومقبول قرار دیا ہے چنانچہ:

امام أبوزرعۃ الرازی رحمہ اللہ(المتوفی:۲۶۴)نے کہا:

”إذا زاد حافظ علی حافظ قبل“

”جب ایک حافظ دوسرے حافظ کی بالمقابل کوئی زیادتی بیان کرے تو وہ مقبول ہوگی۔“[علل الحدیث لابن أبی حاتم:۳/۳۸٤]۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ(المتوفی:۳۸۵)نے کہا:

”أو ما جاء بلفظة زائدة، فتقبل تلك الزيادة من متقن، ويحكم لأكثرهم حفظا وثبتا علی من دونه“

”اگرکوئی راوی کسی لفظ کی زیادتی بیان کرے تو متقن کی طرف سے یہ زیادتی مقبول ہوگی اور راویوں میں جوزیادہ حفظ وضبط والا ہوگا اس کی روایت اس سے کمتر حفظ وضبط والے کے بالمقابل مقبول ہوگی۔“[النکت علی ابن الصلاح:۲/٦٨٩نقلا عن سؤالات السهمی]۔

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ(المتوفی:۴۶۳)

”إنما تقبل الزيادة من الحافظ إذا ثبتت عنه وكان أحفظ وأتقن ممن قصر أو مثله فی الحفظ“

”زیادتی اس وقت مقبول ہوتی ہے جب اسے حافظ بیان کرے اوراس سے یہ ثابت ہو،اوروہ ان لوگوں سے بڑا حافظ ومتقن ہو یا ان کے برابر ہوجن لوگوں نے زیادتی بیان نہیں کی ہے۔“[التمهيد لابن عبد البر:۳/۳۰٦]۔

علامہ زیلعی حنفی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۶۲) نے کہا:

والصحيح التفصيل، وهو أنها تقبل في موضع دون موضع، فتقبل إذا كان الراوي الذي رواها ثقة حافظا ثبتا، والذي لم يذكرها مثله، أو دونه في الثقة، كما قبل الناس زيادة مالك بن أنس، قوله: من المسلمين في صدقة الفطر، واحتج بها أكثر العلماء.

زیادتِ ثقہ کی قبولیت میں صحیح بات یہ ہے کہ اس میں تفصیل کی جائے اور بعض مقامات پر اسے قبول کیا جائے اور بعض مقامات پر قبول نہیں کیا جائے ۔ چنانچہ جب زیادتی کو روایت کرنے والا ثقہ، حافظ اورثبت ہواور جو یہ زیادتی بیان نہ کرے وہ اس کے جیسا ہو یا اس سے کم تر ہوتو ایسی صورت میں زیادتی قبول کی جائے گی جیسے محدثین نے (صدقہ الفطر والی حدیث میں) امام مالک کی زیادتی ”**من المسلمين**“ (مسلمانوں کی طرف سے صدقہ الفطر نکالا جائے) کوقبول کیا ہےاوراکثر اہل علم نے اس سے حجت پکڑی ہے۔[نصب الراية للزيلعي: ۱/۳۳۶]۔

عرض ہے کہ زیر بحث حدیث میں زیادتی بیان کرنے والے امام یحییٰ بن سعید اورامام سفیان ثوری رحمہ اللہ نہ صرف یہ کہ بہت بڑے حافظ، متقن، اورثبت ہیں بلکہ امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔ لہٰذا ان کی زیادتی بلاتأمل قبول کی جائے گی۔

❁ **چوتھا قرینہ:** (زیادتی کا دیگر روایات کے منافی نہ ہونا)

زیادتی والی بات اگر دیگر روایت کے منافی نہ ہوتو مقبول ہوتی ہے۔زیادتِ ثقہ کی قبولیت میں اس قرینہ سے استدلال کرتے ہوئے:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲) نے کہا:

ولا يخفى فساد هذه الدعوى فقتادة حافظ زيادته مقبولة لأن غيره لم يتعرض لنفيها فلم يتعارضا.

اس دعویٰ کا فساد مخفی نہیں ہے کیونکہ قتادہ حافظ ہیں اوران کی زیادتی مقبول ہے کیونکہ دیگرلوگوں نے ان کی بیان کردہ بات کی نفی نہیں کی ہے اس لئے ان کی اور دوسروں کی روایت میں کوئی تعارض نہیں ہے۔[فتح الباری لابن حجر: ۱۲/ ۲۰۰]۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

”ولیس فی روایۃ مالک ومن تابعہ ما ینفی الزیادۃ المذکورۃ فلا توصف والحالۃ ھذہ بالشذوذ“

”اور مالک اور جن لوگوں نے ان کی متابعت کی ہے ان کی روایات میں ایسی بات نہیں ہے جس سے مذکورہ زیادتی کا انکار لازم آتا ہو، لہٰذا جب یہ صورت حال ہے تو یہاں شذوذ کا حکم نہیں لگے گا۔“ [فتح الباری لابن حجر: ۶/۲]۔

عرض ہے کہ زیر بحث روایت کا بھی یہی حال ہے کیونکہ امام یحییٰ بن سعید اور امام ثوری رحمہما اللہ نے سینے پر ہاتھ باندھنے کا ذکر کیا ہے اور ان کے علاوہ دیگر لوگوں کی روایات میں سے کسی بھی روایت میں اس بات کا انکار نہیں ہے۔

❁ **پانچواں قرینہ:** (زیادتی والے الفاظ کا تکرار)

اگر راوی نے جن الفاظ کا اضافہ کیا ہے اسے تکرار کے ساتھ بیان کرے تو یہ بھی اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں پر زیادتی محفوظ ومقبول ہے۔ اسی قرینہ سے زیادتِ ثقہ کی مقبولیت پر استدلال کرتے ہوئے امام ابن بطال رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۴۹) نے کہا:

”والزیادۃ من سفیان مقبولۃ؛ لأنہ أثبتھم وقوی ثبوت الاستخراج فی حدیثہ لتکررہ فیہ مرتین فبعد من الوھم“

”اور سفیان کی زیادتی مقبول ہے کیونکہ یہ دیگر لوگوں سے اثبت ہیں، اور ان کی حدیث میں استخراج والی بات کا ثبوت اس لئے بھی قوی ہو جاتا ہے کہ حدیث میں اس کا دوبار ذکر ہے لہٰذا اس میں وہم کی گنجائش بعید ہے۔“ [شرح صحیح البخاری لابن بطال: ۹/۴۴۴]۔

عرض ہے کہ زیر بحث حدیث میں امام یحییٰ بن سعید نے قولاً سینے پر ہاتھ باندھنے کا ذکر کر کے اسے فعلاً بھی بیان کیا اور باقاعدہ اسے عملی شکل میں کر کے بھی بتلایا۔ یعنی دوبار تکرار کے ساتھ اسے بیان کیا ہے ایک بار قولاً اور ایک بار فعلاً۔ اور یہ تکرار بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اس بات کے بیان میں ان سے وہم نہیں ہوا، ورنہ وہ اتنے اہتمام کے ساتھ اسے مکرر بیان نہ کرتے۔

چھٹا قرینہ: (سیاق یا متن کے دیگر الفاظ کی دلالت)

اگر متن میں زیادتی والے الفاظ کے علاوہ ایسی بات ہو جو زیادتی والے الفاظ کی صحت کی طرف اشارہ کرے مثلاً متن میں کوئی ایسی بات ہو جس کی مزید تشریح یا تفصیل زیادتی والے الفاظ سے ہوتی ہو یا زیادتی والے الفاظ سے اس کا کوئی تعلق ہو تو یہ بھی اس بات کا قرینہ ہے کہ زیادتی والے الفاظ محفوظ و مقبول ہیں چنانچہ:

زہری کی ایک روایت میں غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ جانے والے لوگوں میں کعب کے ساتھ ان کے جن دو ساتھیوں کا ذکر ہے ان کے بارے میں امام زہری نے کعب کی زبانی یہ نقل کیا یہ دونوں بدر میں شرکت کر چکے ہیں۔ دیکھئے: [صحيح بخارى :رقم: ٤٤١٨]۔

بعض اہل علم نے ان دونوں صحابہ کے بدر میں شرکت والی بات پر اشکال محسوس کیا اور اسے غیر محفوظ سمجھا۔ لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کی تردید کی اور اس زیادتی کی مقبولیت پر حدیث کے سیاق اور اس کے دیگر الفاظ سے دلیل پکڑتے ہوئے کہا:

”ويؤيد كون وصفهما بذلك من كلام كعب أن كعبا ساقه فى مقام التأسى بهما فوصفهما بالصلاح وبشهود بدر التى هى أعظم المشاهد فلما وقع لهما نظير ما وقع له من القعود عن غزوة تبوك ومن الأمر بهجرهما كما وقع له تأسى بهما“

”ان دونوں صحابہ کے بدری ہونے کی بات کعب رضی اللہ عنہ ہی نے کہی ہے اس بات کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ کعب رضی اللہ عنہ نے یہ بات ان دونوں کے ذکر سے تسلی حاصل کرنے کے لئے کہی تھی اوران دونوں کی بزرگی بیان کی اور غزوۂ بدر میں ان کی شرکت کا ذکر کیا جو کہ سب سے عظیم غزوہ تھا۔ تو جب ان عظیم ہستیوں کے ساتھ بھی وہی معاملہ ہوا جو ان کے ساتھ ہوا یعنی یہ بھی غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے اور ان کے بھی بائیکاٹ کا حکم ہوا تو کعب رضی اللہ عنہ نے اپنی تسلی کی خاطر ان دونوں کا ذکر کیا۔“ [فتح البارى لابن حجر :٣١١/٧]۔

غور فرمائیں کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حدیث کے اندر موجود دیگر الفاظ اور اس کے سیاق سے زیادتِ ثقہ کی قبولیت پر استدلال کیا۔

ٹھیک اسی طرح زیر بحث حدیث میں بھی دیگر الفاظ اس زیادتی کی صحت ومقبولیت پر دلالت کرتے ہیں اور وہ یہ کہ اسی حدیث میں سینے پر ہاتھ باندھنے کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ، دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر بھی رکھنے کی صراحت ہے جس پر کسی کو کلام نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جب نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھیں گے تو وہ ہاتھ جسم کے کسی نہ کسی حصہ پر تو لازماً آئے گا۔ ایسی صورت میں اگر کسی روایت میں یہ ذکر ہو گیا کہ یہ دونوں ہاتھ سینے پر رکھے گئے تو اس میں ہاتھ باندھنے ہی کی تفصیل ہے۔ یہ کوئی ایسی علیٰحدہ چیز نہیں ہے جس کا حدیث کے دیگر الفاظ سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ لہٰذا یہ زیادتی حدیث کے دیگر الفاظ کے ساتھ مرتبط ہے۔ لہٰذا اس سے مرتبط، اور ہم آہنگ حدیث کے دیگر الفاظ بھی اس کی مقبولیت پر دلیل ہیں۔

❁ **ساتواں قرینہ: (شواہد)**

اگر کسی حدیث میں زیادتی کے شواہد بھی موجود ہوں تو اس قرینہ سے بھی زیادتی کی قبولیت پر استدلال کیا جاتا ہے چنانچہ:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

”ظهر لی أن البخاری قویت عنده روایة محمود بالشواهد“

”میرے لئے ظاہر ہوا کہ امام بخاری کے نزدیک محمود کی روایت شواہد کی وجہ سے قوی ہے۔“ [فتح الباری لابن حجر: ۱۲/۱۳۱]۔

اور زیر بحث حدیث کے متعدد شواہد ہیں جیسا کہ اس کتاب میں انہیں بیان کیا گیا ہے۔

ان قرائن کے برخلاف مخالفین اس حدیث میں زیادتی قبول نہ کرنے کے لئے صرف ایک قرینہ پیش کرتے ہیں کہ زیادتی نہ بیان کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے۔

عرض ہے کہ درج ذیل وجوہات کی بنا پر اس ایک قرینہ کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

☆ اولاً:

کثرت تعداد صرف ایک قرینہ ہے اور اس کے برخلاف سات قرائن اس زیادتی کی قبولیت کے حق میں ہیں اس لئے سات قرائن کے مقابلہ میں ایک قرینہ کا کوئی اعتبار نہیں۔

☆ ثانیاً:

کثرت تعداد میں سے کئی روایات ثابت ہی نہیں ہیں جیسا کہ قبولیت کا پہلا قرینہ پیش کرتے وقت ہر روایت کی پوزیشن واضح کر دی گئی ہے۔

☆ ثالثاً:

کثرت تعداد والی جو روایات ثابت ہیں ان میں بھی کوئی روایت امام یحییٰ بن سعید اور امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کی روایت کے ہم پلہ نہیں ہے بلکہ کم درجہ والی ہے جیسا کہ پہلے قرینہ کے تحت ہر روایت کے ساتھ وضاحت کر دی گئی ہے۔

☆ رابعاً:

کثرت تعداد والی روایات میں صرف عدم ذکر ہے کوئی حقیقی مخالفت کی بات یا متضاد بات نہیں ہے۔

☆ خامساً:

سب سے اہم بات یہ کہ کثرت تعداد والی ہر روایت کے راوی نے اختصار سے کام لیا ہے اور ان میں سے کسی نے بھی اس بات کا التزام کیا ہی نہیں ہے کہ وہ روایت کے تمام حصہ کو بیان کرے گا۔ جیسا کہ پہلے قرینہ کے تحت وضاحت کی جا چکی ہے۔ لہٰذا جب ان حضرات میں سے کسی نے بھی پوری روایت بیان ہی نہیں کی ہے بلکہ ہر ایک نے روایت کے کئی حصوں کو چھوڑ دیا تو ایسی صورت میں امام یحییٰ بن سعید اور امام ثوری کی ذکر کردہ کسی بات کے خلاف ان میں سے کسی کی بھی روایت ہرگز نہیں پیش کی جا سکتی۔

ان وجوہات کی بنا پر کثرت تعداد والے قرینہ کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی ہے اور اس کے برخلاف قبولیت کے جو سات قرائن پیش کئے گئے ہیں ان کی رو سے امام یحییٰ بن سعید اور امام ثوری رحمہ اللہ کی روایت بالکل صحیح قرار پاتی ہے۔ والحمد للہ۔

متن پر دوسرا اعتراض

بعض لوگ ایک پُر جہالت اعتراض پیش کرتے ہیں کہ اس حدیث میں نماز کا ذکر نہیں ہے۔

عرض ہے کہ ایک حدیث کے مختلف طرق ایک دوسرے کی تشریح کرتے ہیں اور مسند احمد میں سفیان ثوری ہی کے طریق سے یہی حدیث دوسری جگہ ان الفاظ میں موجود ہے:

”حدثنا عبد الله حدثنی أبو بكر بن أبی شيبة ، حدثنا وكيع ، عن سفيان ، عن سماک بن حرب ، عن قبيصة بن الهلب ، عن أبيه ، قال: رأيت النبی ﷺ واضعا يمينه على شماله فی الصلاة ، ورأيته ينصرف عن يمينه وعن شماله“

”صحابی رسول ھلب الطائی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھتے تھے اور دائیں اور بائیں جانب سے پھرتے تھے۔“[مسند أحمد ط الميمنية:۲۲۶/۵ واسناده صحيح وهو من زوائد عبدالله]۔

اس حدیث میں سفیان ثوری ہی کے طریق سے یہ صراحت آ گئی ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنے کا عمل نماز کے اندر کا ہے۔اور یہی بات سفیان ثوری کی سینے پر ہاتھ باندھنے والی حدیث میں بھی ہے اور اس میں اس عمل کے ساتھ ہاتھ باندھنے کی جگہ یعنی سینے کا بھی ذکر ہے۔

سنن دارقطنی میں بھی سفیان ہی کے طریق سے یہی حدیث موجود ہے اور اس میں بھی نماز کے اندر ہاتھ باندھنے کی صراحت ہے۔[سنن الدارقطنی :۳۳/۲رقم:۱۱۰۰ واسناده صحيح]۔

اسی طرح مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی سفیان ہی کے طریق سے یہی حدیث موجود ہے اور اس میں بھی نماز کے اندر ہاتھ باندھنے کی صراحت ہے۔[مصنف ابن أبی شيبة: ۳۹۰/۱ واسناده صحيح]۔

اور جس طرح قرآن کی بعض آیات دوسری آیات کی تفسیر کرتی ہیں، اسی طرح بعض احادیث بھی دوسری احادیث کی تفسیر کرتی ہیں چنانچہ:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی:۸۵۲) نے کہا:

”والحديث يفسر بعضه بعضا“

”اور بعض حدیث، بعض دوسری حدیث کی تفسیر کرتی ہے۔“[فتح الباری لابن حجر :۱۶۰/۲]۔

حنفی علماء نے بھی یہی بات کہی ہے چنانچہ:

علامہ عینی رحمہ اللہ (المتوفی:۸۵۵)

”والحَدِيث يُفسر بعضه بَعْضًا“

”اور بعض حدیث، بعض دوسری حدیث کی تفسیر کرتی ہے۔“[عمدة القاری:۱۴۳/۳]۔

انور شاہ رحمہ اللہ (المتوفی:۱۳۵۳) نے کہا:

”لأن الحديثَ يفسرُ بعضَه بعضاً“

کیونکہ بعض حدیث، بعض دوسری حدیث کی تفسیر کرتی ہے۔[فیض الباری للکشمیری: ۲۱۷/۱]۔

نیز اس مسئلہ میں احناف جو روایات پیش کرتے ہیں ان میں سے بھی کسی ایک میں نماز کا ذکر نہیں دیکھیے :ص ۲۶۱،۲۶۴، ۲۸۷، ۲۹۶۔ فما كان جوابكم فهو جوابنا.

متن پر تیسرا اعتراض

بعض حنفی حد درجہ جہالت کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں سینے پر ہاتھ باندھنے کا ذکر سلام پھیرنے کے بعد ہوا ہے۔

عرض ہے کہ یہ بہت بڑی جہالت ہے کیونکہ اس حدیث میں مکمل نماز کا طریقہ ذکر نہیں بلکہ نماز کی بعض کیفیات کا ذکر ہے اور ان کیفیات کے ذکر میں ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے۔

چنانچہ بعض طرق میں نماز سے پھرنے کی کیفیت ذکر کرنے کے بعد ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے اور ساتھ ہی اس کا محل سینہ کو بتلایا گیا ہے اور بعض طرق میں پھرنے کی کیفیت سے پہلے ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے اور نماز کے اندر یہ عمل ہونے کی بھی صراحت ہے چنانچہ:

”حدثنا عبد الله حدثني أبو بكر بن أبي شيبة ، حدثنا وكيع ، عن سفيان ، عن سماك بن حرب ، عن قبيصة بن الهلب ، عن أبيه ، قال: رأيت النبي ﷺ واضعا يمينه على شماله في الصلاة ، ورأيته ينصرف عن يمينه وعن شماله“

”صحابی رسول ہلب الطائی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھتے تھے اور دائیں اور بائیں جانب سے پھرتے تھے۔“[مسند أحمد ط الميمنية: ۲۲۶/۵ و اسناده صحيح وهو من زوائد عبدالله]۔

یہ حدیث سفیان ثوری ہی کے طریق سے ہے اور اس میں ہاتھ باندھنے کا ذکر نماز سے پھرنے کی کیفیت سے پہلے ہوا اور اس کی بھی صراحت ہے کہ یہ نماز کے اندر کی کیفیت ہے۔

سنن دارقطنی میں بھی سفیان ہی کے طریق سے یہی حدیث موجود ہے اور اس میں بھی نماز کے اندر ہاتھ باندھنے کی صراحت ہے۔[سنن الدارقطني : ۳۳/۲ رقم: ۱۱۰۰ و اسناده صحيح]۔

اسی طرح مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی سفیان ہی کے طریق سے یہی حدیث موجود ہے اور اس میں بھی نماز کے اندر ہاتھ باندھنے کی صراحت ہے۔[مصنف ابن أبي شيبة: ۳۹۰/۱ و اسناده صحيح]۔

معلوم ہوا کہ ہاتھ باندھنے کی کیفیت نماز کے اندر کی ہے اوراسی کیفیت کے ساتھ سینے کا ذکر ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ سینے پر ہاتھ باندھنے کا عمل نماز کے اندر ہی کا ہے۔

اور جس روایت میں نماز سے پھرنے کے بعد ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے اس میں ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے۔اوراس طرح کی مثالیں بہت ساری احادیث میں ہیں چنانچہ:

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی:٢٥٦) نے کہا:

”حدثنا أبو اليمان، قال: أخبرنا شعيب، عن الزهري، قال: أخبرني أنس بن مالك الأنصاري: أن رسول الله ﷺ ركب فرسا فجحش شقه الأيمن -قال أنس رضي الله عنه -فصلى لنا يومئذ صلاة من الصلوات وهو قاعد، فصلينا وراءه قعودا، ثم قال لما سلم:” إنما جعل الإمام ليؤتم به، فإذا صلى قائما فصلوا قياما، وإذا ركع فاركعوا، وإذا رفع فارفعوا، وإذا سجد فاسجدوا، وإذا قال: سمع الله لمن حمده، فقولوا: ربنا ولك الحمد“

”انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھوڑے پر سوار ہوئے اور (گر جانے کی وجہ سے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں پہلو میں زخم آ گئے۔انس رضی اللہ عنہ نے بتلایا کہ اس دن ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز پڑھائی، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے، اس لیے ہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی۔ پھر سلام کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام اس لیے ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔اس لیے جب وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر پڑھو اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب وہ سر اٹھائے تو تم بھی اٹھاؤ اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی کرو اور جب وہ سمع الله لمن حمده کہے تو تم ربنا ولک الحمد کہو۔“ [صحيح البخاري: ١٤٧/١ رقم:٧٣٢]۔

اس حدیث میں غور کریں کہ سمع اللہ لمن حمدہ اور ربنا ولک الحمد کا ذکر سجدے کے بعد ہے۔

تو کیا یہ کہہ دیا جائے ان دونوں کو سجدے کے بعد پڑھا جائے گا؟

ہرگز نہیں بلکہ یہاں بھی دوسری روایات کے پیش نظر یہی کہا جائے گا کہ ان دونوں چیزوں کا محل رکوع کے بعد ہے چنانچہ بخاری ہی میں نمبر ٧٣٣ کے تحت یہی حدیث دوسرے طریق سے موجود ہے اوراس

میں ان دونوں چیزوں کا ذکر رکوع سے اٹھنے کے بعد ہے۔ دیکھئے: [بخاری: ۱/۱۴۷ رقم: ۷۳۳]۔
احادیث میں اس طرح کی مثالیں بہت ہیں ، مزید مثالوں کے لئے دیکھئے: [مقالات راشدیہ: ج:۱ص:۱۰۳]۔

نسخہ پر اعتراض:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسند احمد کے نسخہ میں ''علی صدرہ'' کے الفاظ کاتب کی غلطی ہیں اور از قبیل تصحیف ہے جیسا کہ نیموی صاحب نے کہا۔ [اعلاء السنن: ۲/۱۶۹]
عرض ہے کہ نیموی صاحب کے الفاظ دیکھتے ہیں، نیموی صاحب نے کہا:
''ویقع فی قلبی أن ھذا تصحیف من الکاتب والصحیح یضع ھذہ علی ھذہ،فیناسب قولہ: وصف یحیی یمنی علی الیسری فوق المفصل،ویوافقہ سائر الروایات ،ولعل لھذا الوجہ لم یخرج الھیثمی فی مجمع الزوائد والسیوطی فی جمع الجوامع وعلی المتقی فی کنز العمال واللہ اعلم بالصواب''
''اور میرے دل میں یہ آتا ہے کہ یہ کاتب کی تصحیف ہے اور صحیح یہ ہے ''**ھذہ علی ھذہ**''. اس طرح یہ راوی کے اس قول کے موافق ہوجاتا ہے کہ: ''یحیی نے دائیں کو بائیں پر جوڑ کے اوپر رکھا''۔ اور دیگر روایات اسی کے موافق ہیں۔اور شاید اسی وجہ سے امام ہیثمی نے اسے مجمع الزوائد میں اور سیوطی نے جمع الجوامع میں اور متقی ھندی نے کنز العمال میں ذکر نہیں کیا۔'' [آثار السنن: ص ۱۰۸۔مطبوعہ کراچی]
عرض ہے کہ نیموی صاحب نے اپنے دل کی بات کہی ہے۔اب ان کے دل کی بات سے ہمیں کیا سروکار؟ نیموی صاحب کا دل کوئی مھبط وحی تو تھا نہیں کہ جو کچھ معرض خیال میں آئے وہ نا قابل انکار ہو! اور آگے جو کچھ موصوف نے لکھا ہے یہ محض ان کی قیاس آرائی ہے کوئی دلیل نہیں، ورنہ وہ اسے اپنی دل کی بات نہ کہتے بلکہ ڈنکے کی چوٹ پر دعوی کرتے۔بہر حال ہم اس کی بھی تنقیح کر دیتے ہیں۔
سب سے پہلی بات تو یہ کہ امام ابن الجوزی نے بھی امام احمد رحمہ اللہ ہی کی سند سے یہی روایت نقل کی ہے اور ان کی روایت میں بھی ہے ''**یضع ھذہ علی ھذہ علی صدرہ** ''(اس ہاتھ کو اس ہاتھ پر رکھ کر اپنے سینے پر رکھتے تھے)[التحقیق فی مسائل الخلاف: ۱/۳۳۸ واسنادہ صحیح]

صرف اسی ایک دلیل سے دل کے سارے مکاشفے ہباءً منثور ہو گئے۔ اور یہ قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ مسند احمد میں ”صدرہ“ کے الفاظ کاتب کی غلطی نہیں ہیں۔

اس کے بعد مزید کچھ کہنے کی ضرورت تو نہیں ہے پھر بھی ہم نیموی صاحب کی قیاس آرائیوں پر نظر کرتے ہیں۔

۞ چنانچہ سب سے پہلے نیموی صاحب نے یہ کہا کہ آگے روایت میں بیان ہے کہ یحیی بن سعید نے دائیں کو بائیں پر رکھ کر بتایا۔ اور ”صدرہ“ کو ”ھذہ“ مان لینے سے متن حدیث کا جملہ راوی کے عملی بیان کے مطابق ہو جاتا ہے۔ (یعنی متن حدیث میں بھی دونوں ہاتھ کا تذکرہ آ جائے گا جس طرح یحیی کے عملی بیان میں دونوں ہاتھوں کا تذکرہ ہے)۔

عرض ہے کہ مسند احمد کی روایت میں جو ”ھذہ“ ہے اس کے اندر دونوں ہاتھوں کا ذکر شامل ہے۔ کیونکہ نماز میں دونوں ہاتھ ایک ساتھ ہی باندھے جاتے ہیں، اس لئے ایک کے ذکر میں دوسرے کا ذکر بھی لازمی طور پر شامل ہے۔ نیز ایک حدیث دوسری حدیث کی تشریح ہوتی ہے جیسا کہ محدثین اور خود احناف کی تصریحات نقل کی جا چکی ہیں۔ دیکھیے: ص ۱۱۲۔

اور ابن الجوزی کی روایت کے الفاظ ابھی پیش کئے جا چکے ہیں اس میں ہے:

”یضع ھذہ علی ھذہ علی صدرہ“ (اس ہاتھ کو اس ہاتھ پر رکھ کر اپنے سینے پر رکھتے تھے)[التحقیق فی مسائل الخلاف: ۳۳۸/۱ و اسنادہ صحیح]

لیجئے جناب اس میں ”ھذہ علی ھذہ“ یعنی دونوں ہاتھوں کا ذکر ہے اور اس کے بعد ”علی صدرہ“ کا بھی ذکر ہے۔

اس سے واضح ہو گیا کہ مسند احمد کی روایت میں مذکور ”ھذہ“ ہی میں دونوں ہاتھ مراد ہیں، اس لئے ”صدرہ“ کو دوسرا ہاتھ بنانے کے لئے اسے ”ھذہ“ بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔

بنابریں آگے یحیی بن سعید کا عملی بیان (جس میں دونوں ہاتھوں کا ذکر ہے) اس لفظ کے موافق ہی ہے۔

اور تعیین محل کے اعتبار سے بھی یحیی بن سعید کا عملی بیان اس لفظ کے منافی نہیں کیونکہ متن حدیث میں

ہاتھوں کے محل کا ذکر ہے اور راوی کے بیان میں دونوں ہاتھوں کی کیفیت کا ذکر ہے لیکن یہ کیفیت محل وضع یدین کو مستلزم ہے ورنہ بتایا جائے کہ کیا اس کیفیت پر عمل کرنے کے بعد ہاتھ ہوا میں رہیں گے یا جسم کے کسی حصہ ہی پر رہیں گے؟ اور جب جسم کے کسی حصہ پر ہی رہیں گے تو سینہ بھی تو جسم ہی کا حصہ ہے۔ اور پہلے متن میں اس کا ذکر ہو چکا ہے اس کے بعد اسی کی عملی شکل بتائی گئی ہے تو ظاہر ہے کہ سینے پر ہی دونوں ہاتھوں کے رکھنے کی کیفیت بتلائی گئی ہے۔

معلوم ہوا کہ یحیی بن سعید رحمہ اللہ کا عملی بیان اس حدیث میں موجود ''**علی صدرہ**'' کے منافی کسی بھی طرح سے نہیں ہے۔

☆ اور اسی وضاحت سے ان لوگوں کے اعتراض کا جواب بھی ہو گیا جو کہتے ہیں کہ مسند احمد میں صرف ایک ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے جب کہ نماز میں دونوں ہاتھوں کو باندھا جاتا ہے۔

عرض ہے کہ مسند احمد میں ایک ہاتھ کے ذکر میں دوسرا ہاتھ لازمی طور پر شامل ہے۔ کیونکہ نماز میں ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کے ساتھ لازم ملزوم ہے۔ مزید یہ کہ ابن الجوزی کی روایت میں پوری طرح صراحت کے ساتھ دونوں ہاتھوں کا ذکر ہے۔ اور انہیں سینے پر بھی باندھنے کا ذکر ہے۔ اور ایک حدیث دوسری حدیث کی تشریح ہوتی ہے کما مضٰی (ص۱۱۲)۔ لہٰذا یہ اعتراض باطل ہے۔

۞ نیموی صاحب نے آگے دیگر روایات کی موافقت کی بات کی ہے۔

عرض ہے دیگر روایات کے رواۃ نے اس حدیث کو ایک ہی متن کے ساتھ روایت نہیں کیا ہے۔ بہتوں نے تو سرے سے ہاتھ باندھنے کا بھی ذکر نہیں کیا ہے تو کیا ہاتھ باندھنے والی بات بھی کاتب کی غلطی اور از روئے تصحیف ہے؟

اس سلسلے میں گذشتہ صفحات میں پوری تفصیل سے ان تمام رواۃ کا بیان نقل کر کے واضح کر دیا گیا ہے کہ رواۃ نے ایک متن بیان کرنے کا التزام نہیں کیا ہے اس لئے کسی کی طرف سے اس کا کوئی لفظ بیان نہ کرنا مخالفت ہرگز نہیں ہے۔ دیکھئے گذشتہ صفحات میں اس کی تفصیل۔

۞ آگے نیموی صاحب نے جو یہ کہا کہ امام ہیثمی، امام سیوطی اور متقی ھندی نے کنز العمال میں اس روایت کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔

تو عرض ہے کہ سب سے پہلے متقی ھندی کا نام اس فہرست سے نکال دیں کیونکہ انہوں نے امام سیوطی ہی کی کتاب جمع الجوامع کو ترتیب دیا ہے جیسا کہ مقدمہ میں انہوں نے وضاحت کی ہے۔

رہی بات امام ہیثمی اور امام سیوطی کی تو عرض ہے:

☆ اولا:- نیموی صاحب نے مصنف ابن ابی شیبہ میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ''تحت السرۃ'' کے وجود کا دعوی کیا ہے گرچہ اسے معلول کہا ہے۔لیکن حضرت کو یہاں یہ خیال کیوں نہ آیا کہ اس اضافہ کے ساتھ اس روایت کو امام ہیثمی ،امام سیوطی اور علامہ متقی الھندی نے ذکر نہیں کیا ہے؟

☆ ثانیا:- امام ہیثمی وسیوطی نے ذکر نہیں کیا لیکن ابن الجوزی اور حافظ ابن حجر رحمھا اللہ نے تو ذکر کیا ہے ان دونوں اہل علم کا ان الفاظ کے ساتھ اس حدیث کا ذکر کرنا جہاں اس کے ثبوت کی دلیل ہے وہیں امام ہیثمی اور امام سیوطی کے غفلت وچوک کی بھی دلیل ہے۔

☆ ثالثا:- امام ہیثمی اور امام سیوطی نے اور بھی بہت ساری احادیث کو ذکر نہیں کیا ہے تو کیا ہم ان احادیث کا انکار دیں؟ مثلا مسند احمد (۳۴۵/۳) میں جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی حدیث ''غلظ القلوب والجفاء قبل المشرق ، والإیمان والسکینة فی أهل الحجاز'' کو امام ہیثمی نے ذکر نہیں کیا،تو کیا مسند احمد میں اس حدیث کے وجود کا انکار کر دیا جائے؟

اسی طرح مسند احمد (۳۱۸/۲) میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی حدیث ''إذا قلت للناس: أنصتوا ، وهم یتکلمون ، فقد ألغیت علی نفسک'' کو امام سیوطی نے جمع الجوامع وغیرہ میں ذکر نہیں کیا ہے۔

ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ مسند احمد میں '' صدرہ '' کا لفظ ثابت شدہ ہے یہ کسی کاتب کی غلطی ہرگز نہیں ہے۔لہٰذا نیموی صاحب کے دل میں جو بات آئی ہے وہ کوئی آسمانی وحی نہیں بلکہ محض شیطان کا وسوسہ ہے اسی لئے علامہ مبارکپوری رحمہ اللہ نے کہا:

''فماوقع فی قلبه بعدهذاالثبوت البین من أن هذا تصحیف من الکاتب والصحیح یضع هذه علی هذه، فهومن وسوسة الشیطان ،فعلیه أن یستعیذ بالله من الشیطان الرجیم''

''اس واضح ثبوت کے باوجود نیموی صاحب کے دل میں جو بات آئی ہے وہ شیطان کا وسوسہ

ہے۔اس لئے نیموی صاحب کو چاہیے کہ شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کریں۔“[ابکار المنن فی تنقید آثار السنن: ص ۳۷۲]

ایک بے بنیاد اعتراض:

بعض لوگ کہتے ہیں اس روایت کی سند میں سفیان ثوری رحمہ اللہ ہیں اور یہ خود ناف کے نیچے ہاتھ باندھتے تھے جس سے پتہ چلتا ہے یہ روایت ثابت نہیں ہے کیونکہ اگر یہ روایت ثابت ہوتی تو سفیان ثوری اسی پر عمل کرتے۔

عرض ہے کہ سفیان ثوری کا عمل اس روایت کے غیر ثابت ہونے کی دلیل نہیں بلکہ یہ روایت سفیان ثوری کی طرف منسوب عمل کے غیر ثابت ہونے کی دلیل ہے کیونکہ جب سفیان ثوری رحمہ اللہ سینے پر ہاتھ باندھنے کی روایت بیان کررہے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھیں؟

یہ اعتراض بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ مؤطا حدیث نمبر ۴۷ میں نماز میں ہاتھ باندھنے والی جو حدیث ہے، وہ ثابت نہیں کیونکہ امام مالک نماز میں ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے تھے! بھلا بتلائیے کہ اس طرح کے بے ہودہ اعتراض سے کیا ہم مؤطا امام مالک کی اس حدیث کو جھٹلا دیں جس میں نماز میں ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے؟ یاد رہے کہ مؤطا امام مالک کی یہ حدیث صحیح بخاری میں بھی امام مالک ہی کی سند سے موجود ہے۔[بخاری: کتاب الاذان: باب وضع الیمنی علی ذراعه الیسری فی الصلوٰۃ، ح: ۷۴۰]۔

دوسری بات یہ کہ کسی بھی کتاب میں سفیان ثوری رحمہ اللہ سے صحیح سند کے ساتھ یہ ثابت نہیں ہے کہ وہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھتے تھے جن لوگوں نے بھی یہ بات ذکر کی انہوں نے سفیان ثوری تک اس بات کی صحیح سند پیش نہیں کی ہے لہٰذا یہ بات جھوٹی اور من گھڑت ہے اور سفیان ثوری رحمہ اللہ پر بہتان ہے۔

یاد رہے کہ امام مالک سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ نماز میں ہاتھ نہ باندھا جائے۔ دیکھئے:[هيئة الناسك فی أن القبض فی الصلاة هو مذهب الإمام مالك]۔

اس اعتراض کے جواب میں مزید تفصیل صحیح ابن خزیمہ والی روایت پر بحث کے ضمن میں آرہی ہے دیکھئے: ص ۱۶۸، ۱۷۰۔

ازالة الکرب عن توثیق سماک بن حرب

”سماک بن حرب بن اُوس بن خالد بن نزار“ بخاری شواہد، مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں۔

یہ ثقہ ہیں محدثین کی ایک بڑی جماعت نے ان کی توثیق کی ہے۔ چنانچہ آگے ہم پینتیس (۳۵) محدثین سے ان کی توثیق پیش کریں گے ان شاء اللہ۔

صرف عکرمہ سے ان کی روایت پر جرح کی گئی ہے اور بعض نے اخیر میں ان کے حافظہ کو متغیر بتلایا ہے۔ لہٰذا ان کی جو روایات عکرمہ کے علاوہ دیگر رواۃ سے ہیں اور ابتدائی زمانہ کی ہیں وہ بلاشک وشبہہ صحیح ہیں اور ان روایات میں یہ ثقہ ہیں۔

سب سے پہلے ہم سماک سے متعلق جرح کے اقوال کا جائزہ لیتے ہیں اس کے بعد اخیر میں ہم پینتیس (۳۵) محدثین سے ان کی توثیق پیش کریں گے۔

اقوال جارحین

❁ امام نسائی رحمہ اللہ (المتوفی:۳۰۳) نے کہا:

”سماک لیس بالقوی و کان یقبل التلقین“

”سماک بہت زیادہ قوی نہیں ہیں اور یہ تلقین کو قبول کرتے تھے۔“ [سنن النسائی الکبری:۳/۲۳۱]۔

اور ایک دوسرے مقام پر کہتے ہیں:

”فسماک بن حرب لیس ممن یعتمد علیه إذا انفرد بالحدیث لأنه کان یقبل التلقین“

”سماک بن حرب جب کسی روایت کے بیان میں منفرد ہوں تو ان پر اعتماد نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ تلقین کو قبول کرتے تھے۔“ [سنن النسائی الکبری :۲/۲۵۱]۔

عرض ہے کہ امام نسائی متشددین میں سے ہیں جیسا کہ امام ذہبی اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے دیکھئے: [میزان الاعتدال للذهبی:۱/۴۳۷، مقدمة فتح الباری لابن حجر: ص: ۳۸۷]۔

لہٰذا موثقین کے مقابلہ میں ان کی تضعیف کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

علاوہ بریں امام نسائی رحمہ اللہ نے اپنی جرح کا سبب یہ بتلایا ہے کہ یہ تلقین قبول کرتے تھے اور دیگر محدثین نے تلقین قبول کرنے والی بات کی تفصیل یہ بتلائی ہے کہ یہ عکرمہ سے روایت کرتے وقت تلقین قبول کرتے تھے چنانچہ:

امام شعبۃ بن الحجاج رحمہ اللہ (المتوفی:۱۶۰) نے کہا:

حدثنی سماک، أکثر من کذا و کذا مرة، یعنی حدیث عکرمة: إذا بنی أحدکم فلیدعم علی حائط جاره، وإذا اختلف فی الطریق وکان الناس ربما لقنوه فقالوا: عن ابن عباس؟ فیقول: نعم، وأما أنا فلم أکن ألقنه.

سماک نے مجھ سے عکرمہ کی یہ روایت ''**إذا بنی أحدکم فلیدعم علی حائط جاره، وإذا اختلف فی الطریق**'' کئی بار بیان کی ہے اور لوگ بسا اوقات انہیں تلقین کرتے اور کہتے **عن ابن عباس ؟** یعنی کیا یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے؟ تو سماک کہتے: ہاں۔لیکن میں نے انہیں کبھی تلقین نہیں کی۔[الضعفاء الکبیر للعقیلی:۱۷۸/۲، واسناده حسن]۔(۱)

قاضی شریک بن عبداللہ النخعی (المتوفی:۱۷۷اُو۱۷۸) نے بھی یہی بات کہی ہے کما سیاتی۔ دیکھئے: ص۱۲۴، ۱۲۵۔

امام شعبہ اور شریک رحمہما اللہ کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ تلقین قبول کرنے والی جو جرح ہے اس کا تعلق عکرمہ والی سند سے ہے۔یہی وجہ ہے کہ دیگر کئی محدثین نے خاص عکرمہ ہی سے سماک کی روایت کو مضطرب بتلایا ہے کما سیاتی۔لہٰذا اسے ہر جگہ عام کرنا اور اس کی وجہ سے انہیں مطلق ضعیف قرار دینا یہ امام نسائی رحمہ اللہ کا تشدد ہے جو قابل قبول نہیں۔

---

(۱) اس قول کی سند حسن ہے، امام عقیلی کے استاذ محمد بن موسیٰ یہ ''محمد بن موسیٰ بن حماد البربری'' ہیں۔کیونکہ امام عقیلی جب اپنے استاذ کی جگہ محمد بن موسیٰ کہتے ہیں تو اس سے مراد ''محمد بن موسیٰ بن حماد البربری'' ہوتے ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ المفضل بن غسان کے طریق میں بھی امام عقیلی نے اپنے استاذ کو متعدد بار محمد بن موسیٰ بتلایا ہے مثلاً دیکھئے: [الضعفاء الکبیر للعقیلی:۳۳٦/۳]۔اور بعض دفعہ اس طریق میں ان کا پورا نام محمد بن موسیٰ بن حماد البربری بتلایا ہے، مثلاً دیکھئے: [الضعفاء الکبیر للعقیلی:۱۱٤/۲]۔

اور یہ صدوق ہیں۔امام ذہبی نے ''**الإمام، الحافظ، الباهر**'' کہا ہے۔[سیر أعلام النبلاء للذهبی:۹۱/۱٤]۔ امام حاکم نے ان کی روایت کو صحیح کہا ہے اور امام ذہبی نے تائید کی ہے دیکھیں: [المستدرک للحاکم مع تعلیق الذهبی:۳۷/۳]۔ امام دارقطنی نے **لیس بالقوی** کہا ہے لیکن یہ جرح قادح نہیں ہے جیسا کہ ہم نے اس کی پوری تفصیل اپنی کتاب یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: ص:۶۳۴ تا ۶۳۵ میں پیش کی ہے۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ (المتوفی:۴۵۶) نے کہا:

”سماک بن حرب وھو ضعیف یقبل التلقین“

”سماک بن حرب، یہ ضعیف ہیں، تلقین قبول کرتے ہیں۔“ [المحلی لابن حزم:۳۹۱/۹]۔

عرض ہے کہ یہاں پر وہی بات ہے جسے امام نسائی کے قول کے تحت پیش کیا گیا بلکہ خود ابن حزم نے کہا:

”سماک بن حرب ضعیف یقبل التلقین شھد علیہ بذلک شعبة“

”سماک بن حرب ضعیف ہیں یہ تلقین قبول کرتے تھے جیسا کہ شعبہ نے اس کی شہادت دی ہے۔“ [المحلی لابن حزم:۴۵۲/۷]۔

عرض ہے کہ امام شعبہ کی شہادت صرف عکرمہ والی سند کے ساتھ خاص ہے کما مضیٰ۔ لہٰذا اسے عام مان کر سماک کو علی الاطلاق ضعیف بتلانا درست نہیں ہے۔

درج ذیل اقوال سے تضعیف ثابت نہیں ہوتی

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ (المتوفی:۱۶۱) سے منقول ہے:

”سماک بن حرب ضعیف“

”سماک بن حرب ضعیف ہے“ [الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی:۵۴۱/۴ واسنادہ ضعیف]۔

اس قول کی سند ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں ”محمد بن خلف بن عبدالحمید“ مجہول ہے۔

لیکن امام یعقوب بن شیبہ نے زکریا بن عدی کے حوالہ سے یہ قول نقل کیا ہے اور اس میں سفیان ثوری کا حوالہ چھوٹ گیا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس قول کی کوئی اصل ہے [تہذیب الکمال للمزی: ۱۲۰/۱۲ نقلہ عن یعقوب ۔ نیز دیکھیں: التمہید لما فی الموطأ من المعانی والأسانید:۱۴/۱۶]۔

اور حقیقت میں یہ قول سفیان ثوری ہی کا ہے جیسا کہ ابن عدی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ ابن عدی کی سند گرچہ ضعیف ہے لیکن حافظ یعقوب بن شیبہ کے نقل سے اس کے اصل کی تائید ہوتی ہے لہٰذا دونوں کو ملا کر یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ سفیان ثوری ہی کا قول ہے۔ دیکھئے: [تنقیح التحقیق لابن عبد الھادی بتحقیق سامی:۴۸/۱ حاشیہ نمبر۵]۔

لیکن سفیان ثوری کی اس تضعیف سے مراد معمولی درجے کی تضعیف ہے جیسا کہ انہیں سے ایک دوسرا قول منقول ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سفیان ثوری سماک میں معمولی درجہ کا ضعف مانتے تھے چنانچہ:

امام عجلی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۶۱) نے کہا:

”وكان سفيان الثورى يضعفه بعض الضعف“

”سفیان ثوری ان کے اندر کچھ ضعف بتلاتے تھے۔“ [تاريخ الثقات للعجلى: ص:۲۰۷ بدون سند]۔

دوسری طرف سفیان رحمہ اللہ نے یہ کہا:

”ما يسقط لسماك بن حرب حديث“

”سماک بن حرب کی کوئی حدیث ساقط نہیں۔“ [تاريخ بغداد، مطبعة السعادة: ۹/۲۱٤ واسناده صحيح]۔

اوراس کا مطلب یہی ہے کہ سفیان ثوری کے نزدیک سماک بن حرب ثقہ ہیں جیسا کہ معدلین کے اقوال میں نمبر (۲) کے تحت مزید تفصیل آ رہی ہے دیکھئے: ص ۱۳۵۔

اوراس توثیق کی روشنی میں ان کی تضعیف کی تفسیر یہی کی جائے گی کہ اس سے معمولی درجے کا ضعف مراد ہے جیسا کہ امام عجلی نے صراحتا یہی بات ان کے حوالہ سے نقل کی ہے، کما مضیٰ۔

یا پھر یہ کہ اس سے مراد بعد میں ان کا مختلط ہونا ہے جیسا کہ حافظ یعقوب نے اس قول کی یہی تفسیر کی ہے لیکن انہوں نے اسے سفیان ثوری کے شاگرد ابن المبارک کی طرف منسوب کردیا ہے جو کہ سہو ہے۔ جیسا کہ وضاحت کی گئی۔

❁ جریر بن عبدالحمید الضبی (المتوفی:۱۸۸) نے کہا:

”أتيت سماك بن حرب فوجدته يبول قائما فتركته، ولم أسمع منه“

”میں سماک بن حرب کے پاس آیا تو میں نے انہیں کھڑے ہوکر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا تو میں نے انہیں چھوڑ دیا اوران سے کچھ بھی نہیں سنا۔“ [الضعفاء الكبير للعقيلى: ۲/۱۷۸ واسناده صحيح]۔

عرض ہے کہ ممکن ہے سماک بن حرب کسی عذر کی وجہ سے کھڑے ہوکر پیشاب کررہے ہوں، اس لئے محض اتنی سی بات سے کسی پر تنقید نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ اس طرح کی بات تو بعض صحابہ سے بھی ثابت نہیں چنانچہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی کھڑے ہوکر پیشاب کرنا ثابت ہے۔ دیکھئے: [موطأ مالك ت عبد الباقي: ۱/٦٥ واسناده صحيح]۔

احناف کے امام محمد نے بھی ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل نقل کیا ہے دیکھئے: [موطأ محمد: ص:۳٤۳]۔

بلکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کھڑے ہوکر پیشاب کرنا ثابت ہے۔ [بخاری: ۱/٥٤، رقم: ۲۲٤]۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل ابوحنیفہ کی طرف منسوب مسند ابی حنیفہ میں بھی منقول ہے، دیکھئے: [جامع المسانید للخوارزمی: ۱/۲۵۰]۔

❁ امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۱) نے کہا:

”مضطرب الحدیث“

”یہ حدیث میں اضطراب کے شکار ہوجاتے ہیں“ [الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم: ۴/۲۷۹ واسنادہ صحیح]۔ (۱)

امام احمد رحمہ اللہ کی اس جرح کا تعلق خاص عکرمہ عن ابن عباس کے طریق سے ہے چنانچہ امام احمد کے دوسرے شاگرد ابوبکر بن ہان الأثرم نے امام احمد رحمہ اللہ کی یہ جرح ان الفاظ میں نقل کی ہے:

”حدیث سماک مضطرب عن عکرمہ“

”عکرمہ سے سماک کی روایت مضطرب ہے۔“ [النفح الشذی: ص: ۳۲۶ نقله من کتاب الاثرم]۔

اسی طرح امام احمد رحمہ اللہ کے شاگرد امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے کہا:

”سمعت أحمد، قال: قال شریک: کانوا یلقنون سماک أحادیثه عن عکرمة، یلقنونه: عن ابن عباس، فیقول: عن ابن عباس“

---

(۱) اس قول کی سند میں امام ابن ابی حاتم کے استاذ ”محمد بن حمویہ بن الحسن“ ثقہ ہیں۔ امام ابن ابی حاتم نے ان سے روایت بیان کیا ہے اور امام ابن ابی حاتم صرف ثقہ ہی سے روایت بیان کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مقام پر ایک راوی کے بارے میں خود انہوں نے کہا:

”کتبت عنه وامسکت عن التحدیث عنه لما تکلم الناس فیه“

”میں نے ان سے لکھا لیکن ان سے روایت بیان کرنے سے رک گیا کیونکہ لوگوں نے ان پر کلام کیا ہے۔“ [الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم: ۲/۶۲]۔

اور ایک دوسرے راوی سے متعلق کہا:

”تکلم الناس فیه فترکت التحدث عنه“

”لوگوں نے ان کے بارے میں کلام کیا اس لئے میں نے ان سے روایت کرنا ترک کردیا“ [حوالہ سابق: ۳/۲۲۲]۔

معلوم ہوا کہ غیر ثقہ راوی سے امام ابن ابی حاتم روایت بیان نہیں کرتے تھے جیسا کہ ان کے والد کا بھی یہی معمول تھا اور ”محمد بن حمویہ بن الحسن“ سے امام ابن ابی حاتم نے تقریباً ڈھائی سو روایات بیان کی ہیں۔ لہٰذا امام ابن ابی حاتم کے نزدیک یہ یقینی طور پر ثقہ ہیں۔

میں نے امام احمد سے سنا کہ شریک نے کہا: لوگ سماک کو عکرمہ سے ان کی مرویات کی تلقین کرتے تھے۔لوگ تلقین کرتے ہوئے کہتے تھے: **عن ابن عباس.** یعنی یہ ابن عباس سے مروی ہے۔تو سماک بھی کہتے: **عن ابن عباس.** یعنی یہ ابن عباس سے مروی ہے۔[مسائل أحمد لابی داؤد ص: ٤٤٠]۔

نیز ''علل'' میں یوں صراحت ہے:

''وسماک یرفعها عن عکرمة عن ابن عباس''

''سماک عکرمہ عن ابن عباس کی روایت کو مرفوع بنا دیتے ہیں۔'' [العلل لأحمد: ٣٩٥/١]۔

ثابت ہوا کہ امام احمد رحمہ اللہ کی جرح **عکرمه عن ابن عباس.** والی سند پر ہے اور اس کے علاوہ دیگر سندوں میں سماک امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک ثقہ ہیں۔

اس کی مزید تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ دیگر محدثین نے بھی اضطراب والی جرح خاص کر عکرمہ والی سند پر ہی کی ہے چنانچہ:

۞ امام علی بن المدینی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۴) سے نقل کرتے ہوئے حافظ یعقوب نے کہا:

''قلت لابن المدینی روایة سماک عن عکرمة فقال مضطربة''

''میں نے امام علی بن المدینی سے پوچھا: عکرمہ سے سماک کی روایت کیسی ہے؟ تو انہوں نے کہا: مضطرب ہے۔'' [تهذیب التهذیب لابن حجر: ٢٣٣/٤، ونقله من یعقوب بن شیبه وهو صاحب کتاب]۔

۞ حافظ یعقوب بن شیبۃ (المتوفی: ۲۶۲) نے کہا:

''وروایته عن عکرمة خاصة مضطربة''

''سماک کی خاص عکرمہ سے روایت مضطرب ہے۔'' [تهذیب الکمال: ١٢٠/١٢ ونقله من یعقوب]۔

۞ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲) نے کہا:

''صدوق وروایته عن عکرمة خاصة مضطربة''

آپ صدوق ہیں اور خاص عکرمہ سے آپ کی روایات مضطرب ہیں۔[تقریب لابن حجر: رقم: ٢٦٢٤]۔

۞ بلکہ امام ابن رجب (المتوفی: ۷۹۵) نے تو متعدد حفاظ کے اقوال کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا:

''ومن الحفاظ من ضعف حدیثه عن عکرمة خاصة''

اور حفاظ میں سے کچھ لوگوں نے خاص عکرمہ ہی سے سماک کی روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔[شرح

علل الترمذی :۷۹۷/۲]۔

معلوم ہوا کہ امام احمد کی مضطرب والی جرح صرف عکرمہ والی سند کے ساتھ خاص ہے۔

نیز اس کی زبردست دلیل یہ بھی ہے کہ امام احمد نے سماک کی حدیث کو ''عبد الملک بن عمیر'' کی حدیث سے بہتر کہا ہے چنانچہ:

امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی:۲۴۱) نے کہا:

''سماک بن حرب اصلح حدیثا من عبد الملک بن عمیر''

''سماک بن حرب یہ عبدالملک بن عمیر سے بہتر حدیث والے ہیں۔''[الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم:۲۷۹/٤ واسنادہ صحیح]۔

اور ''عبدالملک بن عمیر'' کتب ستہ کے معروف ثقہ راوی ہیں۔[تہذیب الکمال :۳۷۰/۱۸]۔

لہٰذا امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک سماک بدرجہ اولیٰ ثقہ ہیں۔

❁ محمد بن عبداللہ بن عمار الموصلی (المتوفی:۲۴۲) نے کہا:

''سماک بن حرب یقولون انه کان یغلط ویختلفون فی حدیثه''

''سماک بن حرب کے بارے میں محدثین کہتے ہیں کہ یہ غلطی کرتے تھے اور محدثین ان کی حدیث میں اختلاف کرتے ہیں۔''[تاریخ بغداد، مطبعة السعادة:۲۱٤/۹ واسنادہ صحیح]۔

عرض ہے کہ محض غلطی کرنے سے کوئی ضعیف نہیں ہوجاتا ثقہ رواۃ سے بھی غلطی ہوجاتی ہے اس لئے یہ قول مجمل ہے ابن عمار موصلی کا یہ اپنا قول نہیں ہے بلکہ انہوں نے محدثین کی طرف اسے منسوب کیا ہے اور محدثین نے اپنے قول کی تفسیر یہ کی ہے کہ خاص عکرمہ والی سند میں ہی سماک غلطی کرتے تھے۔

❁ امام صالح بن محمد جزرۃ رحمہ اللہ (المتوفی:۲۹۳) نے کہا:

''وسماک بن حرب یضعف''

''سماک بن حرب کو ضعیف کہا جاتا ہے۔''[تاریخ بغداد، مطبعة السعادة:۲۱٤/۹ واسنادہ حسن](۱)

---

(۱) اس قول کی سند میں خطیب بغدادی کے استاذ محمد بن علی المقری یہ ''محمد بن محمد بن علی المقری العکبری الجوزرانی'' ہیں۔اور امام ذہبی نے انہیں ''صدوق'' کہا ہے[تاریخ الإسلام ت بشار: ۳۵۹/۱۰]لہٰذا اس قول کی سند حسن ہے۔

عرض ہے کہ یہ بھی مجمل قول ہے۔اور انہیں ضعیف کہنے والوں کے قول میں یہ تفسیر موجود ہے کہ ان کا ضعف صرف عکرمہ والی سند کے ساتھ خاص ہے۔

❁ امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی:۳۵۴) نے کہا:

''یخطیء کثیرا''

''یہ بہت زیادہ غلطی کرتے ہیں۔'' [الثقات لابن حبان ت العثمانية:٣٣٩/٤]۔

عرض ہے کہ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے سماک کو اپنی کتاب الثقات میں ذکر کرکے ان پر جرح کی ہے، اور بظاہر یہ متعارض بات لگتی ہے کہ اگر یہ ثقہ ہیں تو ان پر جرح کیوں کی گئی؟ اور اگر مجروح ہیں تو انہیں ثقات میں کیوں ذکر کیا گیا؟

ہمارے نزدیک اس اشکال کا حل یہ ہے کہ بعض محدثین جب تضعیف کے ساتھ ساتھ توثیق بھی کرتے ہیں تو ایسے مواقع پر توثیق اصطلاحی مراد نہیں ہوتی بلکہ محض دیانت داری مراد ہوتی ہے۔

یعنی امام ابن حبان رحمہ اللہ نے انہیں دیانت داری کے لحاظ سے ثقہ بتلایا ہے اور ضبط کے لحاظ سے ان پر جرح کی ہے۔

لیکن چونکہ ابن حبان رحمہ اللہ جرح میں متشدد ہیں اس لئے ثابت شدہ صریح توثیق کے مقابلہ میں ان کی جرح کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

بلکہ خود ابن حبان نے بھی اپنی اس جرح کا اعتبار نہیں کیا ہے اور سماک بن حرب کو ثقہ مان کر اس کی کئی احادیث کو اپنی کتاب صحیح ابن حبان میں درج کیا ہے۔

❁ امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی:۳۸۵) نے کہا:

''ولم یرفعه غیر سماک، وسماک سیء الحفظ''

''اسے سماک کے علاوہ کسی نے مرفوع بیان نہیں کیا اور سماک سیء الحفظ ہے۔'' [علل الدارقطنی: ١٨٤/١٣]۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ کی اس جرح کا پس منظر یہ ہے کہ ایک روایت کو کئی لوگوں نے موقوفاً بیان کیا ہے اور صرف سماک نے مرفوعاً بیان کیا ہے تو امام دارقطنی رحمہ اللہ نے روایت کو موقوفا راجح قرار دیا ہے اور سماک کی بیان کردہ مرفوعاً روایت کو مرجوح قرار دیا۔

معلوم ہوا کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے محض سماک کے سوءِ حفظ کی وجہ سے ان کی روایت کو ضعیف نہیں کہا ہے بلکہ سماک کی دیگر رواۃ کی مخالفت کی وجہ سے ان کی روایت کو ضعیف کہا ہے۔

نیز یہاں **سیء الحفظ** سے امام دارقطنی کی مراد سماک کا اخیر میں مختلط ہونا ہے جیسا کہ خود آپ ہی نے کہا:

"سِمَاکُ بنُ حربٍ إذا حدَّث عنه شُعبةُ والثَّوريُّ وأبو الأَحوصِ فأحاديثُهم عنه سليمةٌ، وما كان عن شَريكِ ابنِ عبدِاللهِ وحفصِ بن جُمَيْع ونظرائِهم، ففي بعضِها نكارةٌ"

"سماک بن حرب سے جب شعبہ، سفیان ثوری اور ابوالاحوص روایت کریں تو سماک سے ان کی احادیث (صحیح) وسالم ہیں۔ اور سماک سے جو روایات شریک بن عبداللہ، حفص بن جمیع اوران جیسے لوگ نقل کریں تو ان میں سے بعض میں نکارت ہے۔" [سؤالات السلمی للدارقطنی ت الحمید: ص:۱۸۹]۔ **(۱)**

نیز دیکھئے: [المؤتلف والمختلف للدارقطنی:۳۵/۲] **مزید دیکھیں:** [إكمال تهذيب الكمال :۱۱۰/۶]۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ وہ سماک کو علی الاطلاق سیء الحفظ نہیں مانتے ہیں بلکہ خاص سندوں میں ہی انہیں سیئ الحفظ مانتے ہیں۔

اس کی مزید تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ بعض دیگر مقامات پر امام دارقطنی نے سماک بن حرب کی حدیث کو صحیح بھی کہا ہے چنانچہ اپنی مشہور کتاب سنن میں ان کی ایک روایت درج کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"هذا إسناد حسن صحيح"

"یہ سند حسن اور صحیح ہے۔" [سنن الدارقطنی:۱۷۵/۲]۔

امام عقیلی اور ابن الجوزی نے انہیں ضعفاء والی کتاب میں ذکر کیا ہے لیکن ضعفاء والی کتابوں میں کسی

---

(۱) امام دارقطنی کے شاگرد "أبوعبدالرحمٰن السلمی" ثقہ ہیں بلکہ امام حاکم نے کہا:

"كثير السماع والطلب متقن فيه"

"یہ کثیر السماع اور بہت زیادہ علم حاصل کرنے والے تھے اوران سب میں یہ متقن تھے۔" [سؤالات السجزی للحاكم:ص:٦٥]۔

بعض لوگوں نے بلاوجہ ان پر جرح کردی ہے جس کی کوئی ٹھوس بنیاد نہیں ہے قدرے تفصیل کے لئے دیکھئے: [سؤالات السلمی للدار قطنی بتحقيق مجدی فتحی السيد ، مقدمه: ص:۳۲تا ۳۷]۔ **نیز دیکھیں:** [التنكيل بما فی تأنيب الكوثری من الأباطيل:۵۹۳/۲]۔

راوی کا ذکر ہونا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ وہ راوی ضعفاء کے مؤلفین کے نزدیک ضعیف ہے، کیونکہ ضعفاء کے مؤلفین ثقہ رواۃ کا تذکرۃ بھی ضعفاء میں یہ بتانے کے لئے کر دیتے ہیں کہ ان پر جرح ہوئی ہے۔ دیکھئے: [یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: ص: ۶۶۹ تا ۶۷۰] نیز دیکھیں: ص ۱۹۲۔

نیز سماک پر جس نوعیت کی جرح ہوئی ہے اس کی تفصیل پیش کی جا چکی ہے کہ اس پر کی گئی جرح کا تعلق خاص عکرمہ والی سند پر ہے اور یہی اقوال امام عقیلی اور ابن الجوزی نے بھی نقل کئے ہیں۔ لہٰذا ان اقوال میں علی الاطلاق تضعیف کی کوئی بات ہے ہی نہیں۔

تنبیہ بلیغ:-

بعض لوگ ''امام ابوالقاسم'' کے نام اس کی کتاب (قبول الأخبار ومعرفۃ الرجال: ج۲ص۳۹۰) سے یہ نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے سماک کو ان لوگوں کی فہرست میں ذکر کیا ہے جن پر بدعت اور خواہش پرستی کا الزام ہے۔ عرض ہے:

☆ اولا: اس بات کے لئے جس امام ابوالقاسم کا حوالہ دیا جاتا ہے یہ کوئی اہل سنت کا امام نہیں ہے بلکہ اہل سنت والجماعت سے خارج گمراہ فرقہ معتزلہ کا سردار ہے۔ اور یہ انتہائی بدعقیدہ اور بدفکر شخص ہے۔ تدلیس و تلبیس کی حد ہوگئی کہ ایسے کج عقیدہ و بددماغ اور باطل افکار کے حامل شخص کو امام کا لقب دے کر اہل سنت کے ائمہ کی فہرست میں پیش کیا جاتا ہے اور ظلم علی ظلم یہ کہ اس معتزلی کے حوالہ سے سنی راوی کو بدعتی ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اسے کہتے ہیں الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔

☆ ثانیا: ابوالقاسم معتزلی کے بارے میں ائمہ اہل سنت نے صراحت کی ہے یہ شخص محدثین سے دشمنی رکھتا ہے اور ان پر زبان درازی کرتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا:

''من كبار المعتزلة وله تصنيف فى الطعن على المحدثين''

''یہ معتزلہ کے اکابرین میں سے ہے اور اس نے محدثین پر طعن و تشنیع کرنے کے لئے کتاب لکھی ہے'' [لسان الميزان ت أبي غدة: ٤/٤٢٩] اب بھلا کسی سنی راوی کے خلاف بدزبان معتزلی کی بات کون سنے گا؟

☆ ثالثا: ابوالقاسم معتزلی نے اس ضمن میں مذکور محدثین کے بارے میں خود کہا:

”ولیس قولنا کل من نسبوه الی البدعة أو أسقطوة أو ضعفوه قولهم، معاذالله من ذلک بل کثیر من اولئک عندنا اهل عدالة وطهارة وبر وتقوی ...ولکن اتیت بالجمل التی تدل علی المراد وعلیها المدار“

”اور ہمارا یہ کہنا نہیں ہے کہ جن کی طرف بھی لوگوں نے بدعت کی نسبت کی ہے یا اسے ساقط وضعیف قرار دیا ہے۔ معاذ اللہ ہم بھی اسی کے قائل ہیں۔ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ ہمارے نزدیک دیانت دار و پاکباز اور نیک اور متقی ہیں... لیکن میں نے وہ الفاظ نقل کئے ہیں جو مراد پر دلالت کرتے ہیں اور جن پر قول کا دارومدار ہوتا ہے“ [قبول الأخبار و معرفة الرجال : ج ۱ ص ۱۹]۔

اور ابوالقاسم معتزلی نے سماک بن حرب سے متعلق کوئی بھی ایسا لفظ نقل نہیں کیا ہے جو ان کی کسی بدعت پر دلالت کرے۔

☆ رابعا: کسی راوی پر بدعتی کے الزام سے اس کی ثقاہت پر اثر نہیں پڑتا [میزان الاعتدال للذهبی: ۱/۵]

درج ذیل اقوال ثابت نہیں ہیں

❁ امام شعبۃ بن الحجاج رحمہ اللہ (المتوفی:۱٦۰) سے منقول ہے:

امام ابن معین ناقل ہیں کہ امام شعبہ نے کہا:

"كان شعبة يضعفه"

"امام شعبہ انہیں ضعیف کہتے تھے۔" [الكامل لابن عدى: ٥٤١/٤]۔

عرض ہے کہ یہ تضعیف ثابت نہیں ہے کیونکہ امام ابن معین رحمہ اللہ نے امام شعبہ سے اس قول کی سند بیان نہیں کیا ہے لہٰذا امام شعبہ سے اس قول کو نقل کرنے والا نا معلوم ہے۔

اور بالفرض اس کو ثابت مان لیں تو امام شعبہ رحمہ اللہ ہی کے دوسرے قول کی روشنی میں اس سے مراد صرف عکرمہ والی سند میں ان کا ضعیف ہونا ہے جیسا کہ ماقبل میں ذکر کیا گیا دیکھئے: ص ۱۲۱۔

علاوہ بریں امام شعبہ رحمہ اللہ نے اس سے روایت کیا ہے (دیکھئے: ص ۱۳۴) جو اس بات کی دلیل ہے کہ سماک امام شعبہ کے نزدیک ثقہ ہیں۔ کیونکہ امام شعبہ صرف ثقہ ہی سے روایت کرتے ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ہماری کتاب: [یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ، ص:٦٧٦ تا ٦٧٧]

☆ عفان بن مسلم الباہلی رحمہ اللہ (المتوفی بعد:۲۱۹) نے کہا:

"سمعت شعبة، وذكر سماك بن حرب بكلمة لا أحفظها، إلا أنه غمزه"

"میں نے شعبہ سے سنا انہوں نے سماک بن حرب کا ایسی بات سے ذکر کیا جو مجھے یاد نہیں ہے مگر انہوں نے سماک پر عیب لگایا۔" [الضعفاء الكبير للعقيلي: ١٧٨/٢ واسناده حسن]۔

عرض ہے کہ یہاں بھی عفان نے امام شعبہ کے اصل الفاظ ذکر نہیں کئے ہیں لیکن دوسرے ذرائع سے ثابت ہے کہ امام شعبہ رحمہ اللہ نے صرف عکرمہ والی سند میں سماک پر عیب لگایا ہے جیسا کہ گذشتہ سطور میں نقل کیا گیا دیکھئے: ص ۱۲۱۔

امام عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ (المتوفی:۱۸۱) کی طرف منسوب ہے:

"وَقَال زکریا بن عدی ، عن ابن المبارک: سماک ضعیف فی الحدیث"

"زکریا بن عدی نے ابن المبارک سے نقل کیا: سماک حدیث میں ضعیف ہے۔" [تھذیب الکمال: ۱۲/۱۲۰ نقلہ عن یعقوب]۔ نیز دیکھیں: [التمھید لما فی الموطأ من المعانی والأسانید: ۱۴/۱۶]۔

عرض ہے کہ امام ابن عدی نے یہ قول اسی سند سے یوں نقل کیا ہے:

"حدثنا أحمد بن الحسین الصوفی، حدثنا محمد بن خلف بن عبد الحمید، حدثنا زکریا بن عدی، عن ابن المبارک عن سفیان الثوری قال سماک بن حرب ضعیف"

"یعنی زکریا نے ابن المبارک سے اورانہوں نے سفیان ثوری سے نقل کیا کہ: سماک ضعیف ہے۔" [الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی: ۴/۵۴۱ واسنادہ ضعیف]۔

غورفرمائیں اس سند میں ابن المبارک قائل نہیں بلکہ راوی ہیں اور اصل قول سفیان ثوری سے منقول ہے۔ غالبًا امام یعقوب نے جلد بازی میں ایسا نقل کردیا ہے اور سفیان ثوری کا قول ابن المبارک کی طرف منسوب کردیا۔ واللہ اعلم نیز دیکھیں: [تنقیح التحقیق لابن عبد الھادی بتحقیق سامی: ۱/۴۸ حاشیہ نمبر: ۵]۔

بالفرض ابن المبارک سے یہ قول ثابت بھی مان لیں تو بھی حافظ یعقوب نے اسے اخیر میں اختلاط کی جرح پر محمول کیا ہے۔

ابن خراش رافضی (المتوفی: ۲۸۳) سے منقول ہے:

"سماک بن حرب الذھلی فی حدیثہ لین"

"سماک بن حرب ذہلی کی حدیث میں کمزوری ہے۔" [تاریخ بغداد، مطبعۃ السعادۃ: ۹/۲۱۴ واسنادہ ضعیف]۔

عرض ہے کہ ابن خراش سے یہ قول ثابت ہی نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں موجود "محمد بن محمد بن داؤد الکرجی" مجہول ہے۔

نیز ابن خراش کے قول کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ یہ خود مجروح ورافضی ہے دیکھئے: ص ۲۲۸۔

اختلاط کی جرح

بعض محدثین نے ان پر ایسی جرح کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخر میں اختلاط کے شکار ہو گئے تھے۔

امام بزار رحمہ اللہ (المتوفی:۲۹۲) نے کہا:

"کان رجلا مشهورا لا أعلم أحدا ترکه و کان قد تغیر قبل موته"

"آپ مشہور شخص تھے، میں کسی کو نہیں جانتا جس نے انہیں چھوڑا ہو اور یہ اپنی موت سے قبل تغیر حفظ کے شکار ہو گئے تھے۔" [تهذیب التهذیب لابن حجر:۲۳٤/٤ نقله من مسندالبزار بقوله:قال البزار فی مسنده]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی:۸۵۲) نے کہا:

"وقد تغیر بأخرة"

"یہ آخر میں تغیر حفظ کے شکار ہو گئے تھے۔" [تقریب التهذیب لابن حجر:رقم:۲٦۲٤]۔

لیکن دیگر محدثین نے یہ بھی صراحت کر دی ہے کہ ان کے قدیم تلامذہ نے ان سے جو روایت لی ہیں وہ صحیح ہیں اور امام شعبہ اور امام سفیان ثوری رحمہما اللہ نے ان سے اختلاط سے پہلے روایت کیا ہے چنانچہ:

حافظ یعقوب بن شیبۃ (المتوفی:۲٦۲) نے کہا:

"ومن سمع من سماک قدیما مثل شعبة وسفیان فحدیثهم عنه صحیح مستقیم ، والذی قاله ابن المبارک إنما یری أنه فیمن سمع منه بأخرة"

"جن لوگوں نے سماک سے شروع میں سنا ہے جیسے شعبہ اور سفیان ثوری تو ان کی سماک سے احادیث صحیح اور درست ہیں ۔ اور ابن المبارک نے جو تضعیف کی بات کہی ہے اس کا تعلق ان کی ان روایات سے ہے جو ان سے اخیر میں سنی گئی ہیں۔" [تهذیب الکمال للمزی:۱۲۰/۱۲ و نقله من یعقوب وهو صاحب کتاب]۔

یاد رہے کہ ابن المبارک نے سماک کی تضعیف کی ہی نہیں، جیسا کہ وضاحت کی جا چکی ہے۔ دیکھئے: ص۱۳۲۔

۞ امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۵) نے کہا:

"سماک بن حرب إذا حدث عنه شعبة والثوری وأبو الأحوص ، فأحادیثهم عنه سلیمة ، وما کان عن شریک بن عبد الله وحفص بن جمیع ونظرائهم ، ففی بعضها نکارة"

"سماک بن حرب سے جب شعبہ، سفیان ثوری اور ابوالاحوص روایت کریں تو سماک سے ان کی احادیث سلامت (صحیح) ہیں۔ اور سماک سے جو روایات شریک بن عبداللہ، حفص بن جمیع اوران جیسے لوگ نقل کریں تو ان میں سے بعض میں نکارت ہے۔" [سؤالات السلمی للدارقطنی ت الحمید : ص:۱۸۹]۔ دیکھئے: ص ۱۲۸ نیز دیکھئے: [المؤتلف والمختلف للدارقطنی:۳۵/۲]۔ مزید دیکھیں: [إکمال تهذیب الکمال :۱۱۰/۶]۔

معلوم ہوا کہ سماک بن حرب سے سفیان ثوری وغیرہ کی روایات ان کے اختلاط سے قبل کی ہیں اور سماک سے سینے پر ہاتھ باندھنے والی حدیث سفیان ثوری ہی نے نقل کی ہے لہٰذا اس حدیث میں سماک پر اختلاط کی جرح کی کوئی گنجائش نہیں۔

مؤثقین کے اقوال

(پینتیس (۳۵) محدثین سے سماک بن حرب کی توثیق)

سماک بن حرب سے متعلق جرح کے اقوال پر تبصرے کے بعد اب ذیل میں پینتیس (۳۵) محدثین سے سماک بن حرب کی توثیق پیشِ خدمت ہے۔

۞ (۱) امام شعبة بن الحجاج رحمہ اللہ (المتوفی:۱۶۰)

امام شعبہ رحمہ اللہ نے ان سے روایت لی ہے۔ دیکھئے: [صحیح مسلم : ح:۲۳٤٤]۔

اور امام شعبہ رحمہ اللہ صرف ثقہ سے روایت کرتے ہیں تفصیل کے لئے دیکھئے: [یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: ص:٦٧٦ تا ٦٧٧]

(۲) امام سفیان ثوری رحمہ اللہ (المتوفی:۱۶۱)

آپ نے کہا:

”ما يسقط لسماك بن حرب حديث“

”سماک بن حرب کی کوئی حدیث ساقط نہیں“ [تاريخ بغداد، مطبعة السعادة:٩/٢١٤ واسناده صحيح]۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ نے اسی طرح کی بات سماک بن الفضل کے بارے میں بھی کہی ہے اور اس کی تشریح کرتے ہوئے امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”يعني لصحة حديثه“

”یعنی ان کی حدیث کے صحیح ہونے کی وجہ سے“ [الجرح والتعديل لابن أبي حاتم:٤/٢٨٠]۔

معلوم ہوا کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ کے نزدیک سماک بن حرب صحیح الحدیث یعنی ثقہ ہیں۔

یاد رہے کہ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے یہ بات دونوں سماک کے بارے میں کہی ہے بعض اہل علم کا سماک بن حرب کے بارے میں سفیان ثوری رحمہ اللہ کی اس بات کا اس وجہ سے انکار کرنا کہ سفیان ثوری نے سماک بن حرب کی تضعیف کی ہے غلط ہے۔ کیونکہ سفیان ثوری رحمہ اللہ کی تضعیف کا تعلق خاص عکرمہ والی سند سے ہے۔

(۳) امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی:۲۳۳)

آپ نے کہا

”ثقة“

”یہ ثقہ ہیں۔“ [الجرح والتعديل لابن أبي حاتم:٤/٢٧٩ واسناده صحيح]۔

(۴) امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی:۲۴۱)

آپ نے کہا:

”سماك بن حرب اصلح حديثا من عبد الملك بن عمير“

”سماک بن حرب یہ عبدالملک بن عمیر سے بہتر حدیث والے تھے۔“ [الجرح والتعديل لابن أبي حاتم:٤/٢٧٩ واسناده صحيح]۔

اور ''عبدالملک بن عمیر'' کتب ستہ کے معروف ثقہ راوی ہیں۔[تهذيب الكمال :٣٧٠/١٨]۔

لہٰذا امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک سماک بدرجہ اولیٰ ثقہ ہیں۔

(۵) امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی:۲۵۶)

آپ نے ان سے استشہاداً روایت لی ہے دیکھئے:[صحيح بخاری : ح:٦٧٢٢]۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ جس سے استشہاداً روایت لیں وہ عام طور سے ثقہ ہوتا ہے۔

محمد بن طاہر ابن القیسرانی رحمہ اللہ (المتوفی:۵۰۷) کہتے ہیں:

''بل استشهد به في مواضع ليبين انه ثقه''

''امام بخاری رحمہ اللہ نے ان (حماد بن سلمہ) سے صحیح بخاری میں کئی مقامات پر استشہاداً روایت کیا ہے یہ بتانے کے لئے کہ یہ ثقہ ہیں۔''[شروط الأئمة الستة:١٨]۔

(۶) امام مسلم رحمہ اللہ (المتوفی:۲۶۱)

امام مسلم نے صحیح مسلم میں ان سے کئی احادیث لی ہیں۔مثلاً دیکھئے: حدیث نمبر:۱۳۹ وغیرہ

امام حاکم رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''قد احتج مسلم فی المسند الصحیح بحدیث سماک بن حرب''

''امام مسلم نے اپنی صحیح میں سماک بن حرب کی حدیث سے حجت پکڑی ہے۔''[المستدرك على الصحيحين للحاكم:١٦٤/١]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''قد احتج به مسلم''

''امام مسلم نے ان سے احتجاج کیا ہے۔''[تلخيص الحبير:١٤/١]۔

(۷) امام عجلی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۶۱)

آپ نے کہا:

''سماک بن حرب البکری کوفی، جائز الحدیث''

''سماک بن حرب البکری کوفی، یہ جائز الحدیث ہیں۔''[تاريخ الثقات للعجلی:ص:٢٠٧]۔

(۸) حافظ یعقوب بن شیبۃ (المتوفی:۲۶۲)

آپ نے کہا:

”ومن سمع من سماک قدیما مثل شعبة وسفیان فحدیثهم عنه صحیح مستقیم“

”جن لوگوں نے سماک سے شروع میں سنا ہے جیسے شعبہ اور سفیان ثوری تو ان کی سماک سے احادیث صحیح اور درست ہیں۔“[تهذيب الكمال للمزی:۱۲۰/۱۲ ونقله من يعقوب وهوصاحب كتاب]۔

(۹) امام أبوحاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۷۷)

آپ نے کہا:

”صدوق ثقة“

”یہ صدوق اور ثقہ ہیں۔“[الجرح والتعديل لابن أبي حاتم:۲۷۹/٤]۔

(۱۰) امام ترمذی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۷۹)

آپ نے سماک کی بہت ساری احادیث کو صحیح کہا ہے مثلاً دیکھئے:[سنن ترمذی :ح:٦٥]۔

(۱۱) امام ابن الجارود رحمہ اللہ (المتوفی:۳۰۷)

آپ نے ”المنتقی“ میں کئی مقامات پر ان سے روایت لی ہے مثلاً دیکھئے: [المنتقى لابن الجارود (صحيح ابن الجارود) ص:۱۹،رقم:۲٥]۔

(۱۲) امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ (المتوفی:۳۱۰)

آپ نے سماک کی ایک روایت کے بارے میں کہا:

”وهذا خبر عندنا صحيح سنده“

”اس روایت کی سند ہمارے نزدیک صحیح ہے۔“[تهذيب الآثار للطبرى: مسند عمر:٦٩٣/٢]۔

(۱۳) امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (المتوفی:۳۱۱)

آپ نے اپنی ”صحیح“ میں بہت سے مقامات پر ان سے روایت لی ہے مثلاً دیکھئے:[صحيح ابن خزيمة: ٨/١،رقم:٨]۔

(۱۴) أبوعلی ابن منصور الطّوسي رحمہ اللہ (المتوفی:۳۱۲)

آپ نے سماک کی ایک حدیث کے بارے میں کہا:

”حَدِيثٌ حَسَنٌ“

”یہ حدیث حسن ہے۔“ [مستخرج الطوسی علی جامع الترمذی :۱۷۶/۲]۔

(۱۵) امام أبوعوانۃ الإسفرایینی رحمہ اللہ (المتوفی:۳۱۶)

آپ نے اپنی مستخرج أبي عوانۃ میں بہت سے مقامات پر ان سے روایت لی ہے مثلاً دیکھئے:[مستخرج أبی عوانة :۳۰۵/۱،رقم:۱۰۷۸]۔

یادرہے اس کتاب کی احادیث کوآپ نے صحیح کہا ہے۔

(۱۶) حافظ أحمد بن سعید بن حزم الصدفی المعروف بالمنتجالی (المتوفی:۳۵۰)

آپ نے کہا:

”تابعی ثقة لم يترک أحاديثه أحد“

”یہ ثقہ تابعی ہیں ان کی احادیث کو کسی نے بھی ترک نہیں کیا ہے۔“ [إکمال تهذيب الکمال:۱۱۰/۶، مغلطای ینقل من کتاب ”التعدیل والتجریح“للمنتجالی]۔

(۱۷) امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی:۳۵۴)

آپ نے اپنی ”صحیح“ میں بہت سے مقامات پر ان سے روایت لی ہے مثلاً دیکھئے:[صحیح ابن حبان:۲۳۲/٤،رقم: ۱۳۹۰]۔

(۱۸) امام ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفی:۳۶۵) نے کہا:

آپ نے کہا:

”لسماک حديث کثير مستقيم إن شاء الله کله وقد حدث عنه الأئمة، وهو من کبار تابعي الکوفيين وأحاديثه حسان عمن روى عنه، وهو صدوق لا بأس به“

”سماک کی بہت ساری احادیث ہیں جو ان شاء اللہ درست ہیں، ان سے ائمہ نے روایت کیا ہے اور یہ کوفہ کے کبار تابعین میں سے ہیں، اوران کی لوگوں سے روایات حسن ہیں، اور یہ صدوق ہیں ان میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔“ [الکامل لابن عدی:٥٤٣/٤]۔

(۱۹) امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی:۳۸۵)

آپ نے سماک بن حرب کی سند سے ایک حدیث روایت کر کے کہا:

”ھذا إسناد حسن صحیح“

”یہ سند حسن اور صحیح ہے۔“ [سنن الدارقطنی:۲/۱۷۵]۔

(۲۰) امام ابن شاہین رحمہ اللہ (المتوفی:۳۸۵)

آپ نے سماک کو ثقات میں ذکر کرتے ہوئے ابن معین سے نقل کیا:

”قال سماک بن حرب ثقة“

”یعنی ابن معین نے کہا: سماک ثقہ ہیں۔“ [الثقات لابن ابن شاھین: ص:۱۰۷]۔

(۲۱) امام حاکم رحمہ اللہ (المتوفی:۴۰۵)

آپ نے سماک کی ایک حدیث کے بارے میں کہا:

”ھذا حدیث صحیح الإسناد“

”یہ حدیث صحیح سند والی ہے۔“ [المستدرک علی الصحیحین للحاکم:۲/۵۰۸]۔

(۲۲) امام أبو نعیم رحمہ اللہ (المتوفی:۴۳۰)

آپ نے صحیح احادیث پر مشتمل اپنی کتاب المستخرج میں کئی مقامات پر ان سے حجت پکڑی ہے مثلاً دیکھئے: [المسند المستخرج علی صحیح مسلم لأبی نعیم:۲/۵۸،رقم:۹۷۱]۔

(۲۳) امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ (المتوفی:۴۶۳)

آپ نے سماک کی ایک حدیث کے بارے میں کہا:

”حدیث صحیح“

”یہ حدیث صحیح ہے۔“ [التمھید لما فی الموطأ من المعانی والأسانید: ۸/۱۳۸]۔

(۲۴) محمد بن طاہر ابن القیسرانی رحمہ اللہ (المتوفی:۵۰۷)

”سماک صدوق“

”سماک یہ صدوق ہیں۔“ [ذخیرۃ الحفاظ لابن القیسرانی:۲/۶۶۹]۔

(۲۵) امام أبومحمد البغوی رحمہ اللہ (المتوفی:۵۱۶)

آپ نے سماک کی ایک حدیث کے بارے میں کہا:

"هذا حديث حسن"

"یہ حدیث حسن ہے۔" [شرح السنة للبغوی:۳۱/۳]۔

(۲۶) ابن السید البطلیوی رحمہ اللہ (المتوفی:۵۲۱)

"كان إماما عالما ثقة فيما ينقله"

"آپ امام، عالم، اور اپنی نقل کردہ باتوں میں ثقہ تھے۔" [إكمال تهذيب الكمال :۱۰۹/٦ بحواله شرح الكامل للمبرد للبطليوی]۔

(۲۷) امام جورقانی رحمہ اللہ (المتوفی:۵۴۳)

آپ نے سماک کی ایک حدیث کے بارے میں کہا:

"هذا حديث صحيح"

"یہ حدیث صحیح ہے۔" [الأباطيل والمناكير والصحاح والمشاهير :۲٤۱/۱]۔

(۲۸) امام اِبن خلفُون رحمہ اللہ (المتوفی:۶۳۶)

آپ نے انہیں ثقات میں ذکر کیا ہے: [إكمال تهذيب الكمال :۱۰۹/٦ نقلا عن كتابه]۔

(۲۹) ازامام ضیاء المقدسی رحمہ اللہ (المتوفی:۶۴۳)

امام ضیاء المقدسی رحمہ اللہ (المتوفی:۶۴۳) نے بھی الأحادیث المختارۃ میں ان کی روایت لی، دیکھئے:

[المستخرج من الأحاديث المختارة مما لم يخرجه البخاری ومسلم فی صحيحيهما: ۱۰۷/۸، رقم:۱۱۹ وقال المحقق اسناده صحيح]۔

(۳۰) امام نووی رحمہ اللہ (المتوفی:۶۷۶)

آپ نے سماک کی ایک حدیث کے بارے میں کہا:

"فلا أقل من أن يكون حسنا وسماك بن حرب رجل صالح"

"یہ حدیث حسن درجہ سے کم نہیں ہے اور سماک بن حرب صالح شخص ہیں۔" [المجموع:۱۱۱/۱۰]۔

(۳۱) امام ابن سید الناس رحمہ اللہ (المتوفی:۷۳۴)

آپ نے سماک کی ایک حدیث کے بارے میں کہا:

”والحدیث صحیح“

”اور یہ حدیث صحیح ہے۔“[النفح الشذی لابن سیدالناس: ج:۱ ص:۳۱۹ بتحقیق احمدمعبد]۔

(۳۲) امام ابن عبد الہادی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۴۴)

آپ نے سماک کی ایک حدیث کے بارے میں کہا:

”وهو حديث صحيح كما قال الترمذی. وسماک بن حرب: وثقه يحيی بن معين وأبو حاتم الرازی وغيرهما، وروی له مسلم فی ”صحيحه“ الكثير“

”یہ حدیث صحیح ہے جیسا کہ ترمذی نے کہا ہے اور سماک بن حرب کو ابن معین، ابوحاتم وغیرہما نے ثقہ کہا ہے اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں سماک کی روایات لی ہیں۔“[تنقيح التحقيق لابن عبد الهادی:۲۰۵/۳]۔

(۳۳) امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۴۸)

آپ نے سماک کی روایت سے متعلق امام حاکم کی تصحیح کی موافقت کرتے ہوئے کہا:

”صحيح“

یہ حدیث صحیح ہے۔[المستدرك للحاكم مع تعليق الذهبی:۵۰۸/۲]۔

نیز کہا:

”الحافظ، الإمام الكبير“

”آپ حافظ اور بہت بڑے امام ہیں۔“[سير أعلام النبلاء للذهبی:۲۴۵/۵]۔

(۳۴) امام ہیثمی رحمہ اللہ (المتوفی:۸۰۷)

آپ نے سماک بن حرب کو ثقہ کہا ہے دیکھئے:[مجمع الزوائد للهيثمی:۳۹۲/۷ بقوله بقية رجاله ثقات وسماك منهم]۔

نیز آپ نے سماک بن حرب کی ایک روایت کے بارے میں کہا:

”وإسناده حسن“

”اس کی سند حسن ہے۔“ [مجمع الزوائد للهيثمي: ٢/ ٤١]۔

❁ (۳۵) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲)

آپ نے سماک کی ایک حدیث کے بارے میں کہا:

”هذا إسناد متصل صحيح“

اس کی سند متصل اور صحیح ہے۔ [فتح الباري لابن حجر: ٨/ ٦٩٤]۔

یاد رہے کہ حافظ ابن حجر نے تقریب میں جو کچھ کہا ہے اس کا تعلق عکرمہ والی سند یا اختلاط سے ہے۔

یہ کل پینتیس (۳۵) محدثین ہیں جن کے نزدیک سماک بن حرب ثقہ ہیں۔

حدیث وائل بن حجر رضی اللہ عنہ (صحیح ابن خزیمہ وغیرہ)

امام ابن خزیمۃ رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۱) نے کہا:

”نا أبو موسى، نا مؤمل، نا سفيان، عن عاصم بن كليب، عن أبيه، عن وائل بن حجر قال: صليت مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم، ووضع يده اليمنى على يده اليسرى على صدره“

”وائل بن حجر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کرانہیں اپنے سینے پر رکھ لیا۔“ [صحيح ابن خزيمة: ۲۴۳/۱، رقم: ۴۷۹ واسناده صحيح وأخرجه ايضا البيهقي في سننه ۳۰/۲: رقم ۲۲۲۱ و الطحاوي في أحكام القران: ج ۱ ص ۱۸۶ رقم ۳۲۸ من طريق مومل به]۔

☆ صحیح ابن خزیمۃ: ج:۱،ص:۲۴۳، کتاب الصلوۃ: باب وضع الیمین علی الشمال فی الصلوۃ قبل افتتاح الصلوٰۃ، ح:۴۷۹۔ ☆ صحیح ابن خزیمہ (اردو ترجمہ): ج:۱،ص:۴۷۲، حدیث نمبر: ۴۷۹)۔

یہ حدیث بلاشک وشبہہ صحیح ہے جیسا کہ اگلی سطور میں اس کی پوری تفصیل آرہی ہے۔

۞ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اسے صحیح ابن خزیمہ میں درج کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

بعض بے چارے حنفی مغالطہ بازی کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ امام ابن خزیمہ نے اپنی کتاب میں جہاں اس حدیث کو بیان کیا ہے وہاں اسے صحیح نہیں کہا ہے۔

عرض ہے کہ امام ابن خزیمہ نے اپنی اس کتاب میں یہ شرط ہی رکھی ہے کہ وہ اس میں صحیح احادیث ہی بیان کریں گے جیسا کہ کتاب کے نام ہی سے ظاہر ہے نیز کتاب کے اندر بھی اس کی صراحت ہے چنانچہ امام ابن خزیمہ شروع ہی میں کہتے ہیں:

”مختصر المختصر من المسند الصحيح، عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم بنقل العدل عن العدل موصولا إليه صلی اللہ علیہ وسلم من غير قطع في أثناء الإسناد ولا جرح في ناقلي الأخبار التي نذكرها بمشيئة الله تعالى“

”ایسی صحیح احادیث کا مختصر بیان جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سچے رواۃ کے ذریعہ منقول ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم

تک اس کی سندیں متصل ہیں درمیان میں کسی طرح کا انقطاع نہیں ہے اور نہ ہی ان احادیث کے راویوں میں سے کوئی راوی مجروح ہے جن کا ذکر ان شاء اللہ ہم کریں گے'' [صحیح ابن خزیمۃ: ۳/۱]۔

اور کتاب الصلاۃ، جس میں یہ حدیث ہے اس کے شروع میں اپنی اسی شرط کو دہراتے ہوئے لکھتے ہیں:

''کتاب الصلاۃ المختصر من المختصر من المسند الصحیح عن النبی ﷺ علی الشرط الذی اشترطنا فی کتاب الطھارۃ''

''نماز سے متعلق ایسی صحیح احادیث کا مختصر بیان جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، اسی شرط کے مطابق جو ہم نے کتاب الطہارہ میں اپنائی ہے'' [صحیح ابن خزیمۃ: ۱۵۳/۱]۔

معلوم ہوا کہ جب امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اپنی اس کتاب میں شرط ہی یہی رکھی ہے کہ وہ اس کتاب میں صرف صحیح احادیث ہی درج کریں گے تو سینے پر ہاتھ باندھنے سے متعلق اس حدیث کو اس کتاب میں درج کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

اسی لئے بہت سارے محدثین جب صحیح ابن خزیمہ کی حدیث نقل کرتے ہیں تو یوں کہتے ہیں کہ امام ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

امام ابن الملقن رحمہ اللہ (المتوفی ۸۰۴) نے ایک حدیث کے بارے میں کہا:

''وصححه ابن خزیمة أیضا ، لذکره إیاه فی صحیحه''

''اسے ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے کیونکہ اسے اپنی ''صحیح'' میں ذکر کیا ہے'' [البدر المنیر لابن الملقن: ۶۱۹/۱]

نیز صحیح ابن خزیمہ ج ۲ ص ۱۰۷ حدیث نمبر ۱۰۱۷ کے تحت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث ہے اور جس جگہ یہ حدیث ہے عین اس جگہ بھی ابن خزیمہ نے صحیح کا حکم الگ سے نہیں لکھا ہے لیکن اس کے باوجود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اسی حدیث کو نقل کر کے کہتے ہیں:

''صححه ابن خزیمة''

''یعنی ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے'' [صحیح ابن خزیمۃ: ۳۴۸/۱]۔

ظاہر ہے کہ ایسا اسی وجہ سے کیونکہ ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے شروع میں ہی ان احادیث کو صحیح کہہ دیا ہے۔

احناف کے یہاں بھی یہ بات ملتی ہے چنانچہ صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۱۴۳ حدیث نمبر ۲۸۳ کے تحت ایک حدیث ہے اور جہاں یہ حدیث ہے وہاں پر ابن خزیمہ نے خصوصی طور پر الگ سے صحیح کا حکم نہیں لکھا

ہے۔لیکن اس کے باوجود بھی احناف کے علامہ نیموی نے صحیح ابن خزیمہ سے اسے نقل کرتے ہوئے کہا:

”وصححه ابن خزيمه“

”اسے ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے“[آثارالسنن(ت ذوالفقار) :ص ٦ حدیث نمبر٤٨] نیز دیکھیں:معارف السنن:٢/١٥٠

معلوم ہوا کہ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کا صحیح ابن خزیمہ میں اس حدیث کا درج کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔اسی لئے کئی اہل علم نے اس حدیث کو نقل کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ امام ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے مثلا:

۞ امام ابن سید الناس نے ترمذی کی شرح میں ابن خزیمہ کی اسی حدیث کے بارے میں کہا:

”صححه ابن خزيمة“

”ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے“[مخطوطہ شرح ترمذی: ج۲ص۲۱۱ بحوالہ ”نماز میں ہاتھ کہاں باندھیں“ص۲۰ تالیف حافظ ثناءاللہ ضیاء]

الغرض یہ کہ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

۞ اسی طرح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کے بعض حصہ کو فتح الباری میں ذکر کیا ہے دیکھئے:[فتح الباری: ج۲ص۲۲۴ تحت حدیث ۷۴۰] اوراس پر سکوت کیا ہے جواس بات کی دلیل ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک بھی یہ حدیث صحیح یا کم ازکم حسن ہے دیکھئے:ص ۸۷۔

۞ علامہ ابن نجیم حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”ولم يثبت حديث يوجب تعيين المحل الذى يكون فيه الوضع من البدن الاحديث وائل المذكور“

”جسم کے کس حصہ پر ہاتھ باندھا جائے اس سلسلے میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کے علاوہ کوئی حدیث ثابت نہیں ہے“[بحرالرائق شرح کنزالدقائق: ج۱ص۳۲۰ بحوالہ نماز میں خشوع۔۔۔ص۲۱]

۞ شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”بعد ازاں دست راست را بر دست چپ بھادی برابر سینہ در صحیح ابن خزیمہ ہمچنیں ثابت شدہ“

”تکبیر کے بعد آپ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینے کے برابر رکھتے تھے اسی طرح صحیح ابن خزیمہ میں ثابت ہے۔“[شرح سفرالسعادۃ :ص ٤٧ بحوالہ نماز میں خشوع۔۔۔ص۱۸]

۞ احناف کے علامہ عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۰۴) فرماتے ہیں:

" وثبت عندابن خزیمه وغیره من حدیث وائل الوضع علی الصدر"

"سینے پر ہاتھ باندھنے سے متعلق ابن خزیمہ وغیرہ میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث ثابت ہے" [التعلیق الممجد:۶۷/۲،ت الندوی]

۞ شیخ ملاداد بن عبداللہ حنفی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"اذاکان حدیث وضع الیدین تحت السرة ضعیفاومعارضاباثرعلی بانه فسرقولی تعالی ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾ علی الصدریجب ان یعمل بحدیث وائل الذی ذکره النووی"

"جب زیرناف ہاتھ باندھنے والی روایت ضعیف ہے اور علی رضی اللہ عنہ کے اس اثر کے معارض ہے جس میں علی رضی اللہ عنہ نے اللہ کے فرمان ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾ کی تفسیر سینے پر ہاتھ باندھنے سے کی ہے تو ایسی صورت میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث پر عمل واجب ہوجاتا ہے جسے نووی نے ذکر کیا ہے۔" [شرح علی الهدایه بحواله فتح الغفور:ص ۴۰ بتحقیق محمدضیاء الرحمن اعظمی]

اگلی سطور میں اس حدیث کے تمام راویوں کی تفصیل ملاحظہ ہو:

۞ **کلیب بن شہاب الجرمی**۔ آپ ثقہ ہیں آپ کا تعارف ہو چکا ہے دیکھئے: ص۵۹ تا ۶۰۔

۞ **عاصم بن کلیب**۔ آپ بھی ثقہ ہیں آپ کا تعارف ہو چکا ہے دیکھئے: ص۶۰ تا ۶۲۔

۞ **سفیان بن سعید الثوری:**

آپ بہت بڑے ثقہ امام بلکہ امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔ آپ کا تعارف بھی ہو چکا ہے۔ دیکھئے: ص۸۸ تا ۸۹۔

امام ثوری رحمہ اللہ قلیل التدلیس یعنی کبھی کبھار تدلیس کرنے والے تھے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے۔ ان کا کثیر التدلیس ہونا قطعا ثابت نہیں ہے۔

اور کبھی کبھار تدلیس کرنے والوں کا عنعنہ مقبول ہوتا ہے۔ اس بارے میں بڑی عمدہ تحقیق کے لئے دیکھئے: [مقالات راشدیہ: ج:۱ص:۳۰۴ تا ۳۳۱، مقالہ تسکین القلب المشوش باعطاء التحقیق فی تدلیس الثوری والاعمش]۔

تدلیس سے متعلق صحیح موقف یہی ہے کہ کثیر التدلیس مدلس رواۃ کا عنعنہ دیگر طرق میں عدم صراحت اور عدم شواہد و متابعات کی صورت میں رد ہوگا۔

لیکن قلیل التدلیس مدلس کا عنعنہ عام حالات میں قبول ہوگا الا یہ کہ کسی خاص روایت میں عنعنہ کے ساتھ ساتھ تدلیس کا بھی ثبوت مل جائے یا تدلیس پر قرائن مل جائیں۔

یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے ہم کثیر الخطاء اور قلیل الخطاء راوی میں فرق کرتے ہیں اور یوں موقف اپناتے ہیں کہ:

☆ کثیر الخطاء راوی کی مرویات عدم شواہد و متابعات کی صورت میں رد ہوں گی۔

☆ اور قلیل الخطاء یعنی صدوق راوی کی روایات عام حالات میں مقبول و حسن ہوں گی الا یہ کہ کسی خاص روایت میں اس کی غلطی صراحتا ثابت ہو جائے یا اس کی غلطی پر قرائن مل جائیں۔

یاد رہے کہ تدلیس اور مدلس کے عنعنہ میں فرق ہے اگر مدلس نے عن سے روایت کیا ہے تو اس کا یہ لازمی مطلب نہیں ہے کہ اس نے اس عنعنہ میں تدلیس بھی کی ہے۔ بلکہ یہاں فقط احتمال ہے کہ تدلیس کی ہوگی یا نہیں کی ہوگی۔ اب دیکھنا یہ ہوگا کہ کون سا احتمال غالب ہے؟ کیونکہ غالب احتمال ہی کی بنا پر حکم لگتا ہے۔ بلکہ یہ کہہ لیں کہ اصول حدیث کے اکثر احکامات غالب احتمال ہی پر مبنی ہوتے ہیں۔ مثلا:

۞ ثقہ و صدوق کی روایت کو صحیح کہا جاتا ہے حالانکہ کوئی ثقہ معصوم عن الخطا نہیں ہے بلکہ غلطی بھی کر سکتا ہے لیکن غالب احتمال صحت کا رہتا ہے اس لئے صحیح کا حکم لگتا ہے۔

۞ کثیر الخطاء کی روایت صحیح بھی ہو سکتی ہے ضروری نہیں ہے کہ ہر جگہ وہ غلطی ہی کرے لیکن غالب احتمال غلطی کا رہتا ہے اس لئے ضعیف کا حکم لگتا ہے۔

۞ کذاب راوی سچ بھی بول سکتا ہے بلکہ شیطان کا بھی سچ بولنا ثابت ہے لیکن کذاب کی روایت میں کذب کا احتمال غالب ہے اس لئے موضوع کا حکم لگتا ہے۔

یہی حال کثیر التدلس اور قلیل التدلیس مدلس کا بھی ہے۔

۞ قلیل التدلیس راوی تدلیس کر کے بصیغہ عن بیان کر سکتا ہے لیکن غالب احتمال عدم تدلیس کا ہے اس لئے اس کا عنعنہ قبول ہوگا۔

۞ کثیر التدلیس راوی بغیر تدلیس کے بھی بصیغہ عن بیان کر سکتا ہے لیکن غالب احتمال تدلیس کا رہتا ہے اس لئے اس کا عنعنہ غیر مقبول ہوتا ہے۔

تو جب ہمیں کسی مدلس راوی کے بارے میں یہ معلوم ہوجائے کہ وہ تدلیس بہت کم کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے عنعنہ میں تدلیس غالب نہیں ہے۔لہٰذا ایسے مدلسین کے عنعنہ میں عدم تدلیس غالب ہے اوراسی غالب احتمال کی بنیاد پر قلیل التدلیس مدلسین کا عنعنہ قابل قبول ہوتا ہے۔

البتہ اس میں استثنائی صورت یہ ہوتی ہے کہ اگر کسی قلیل التدلیس مدلس کے کسی خاص عنعنہ کے بارے میں دلائل یا قرائن سے معلوم ہوجائے کہ اس میں اس نے تدلیس کی ہے تو اس کا یہ خاص عنعنہ غیر مقبول ہوگا۔

یہ معاملہ بالکل حسن الحدیث راوی کے حافظہ کی طرح ہے۔حسن الحدیث راوی کے بارے میں یہ بات ثابت شدہ ہوتی ہے کہ اس نے غلطیاں کی ہیں مگر بہت کم۔لہٰذا اس کی مرویات میں غالب احتمال صحت کا ہے لہٰذا عمومی طور پر اس کی مرویات مقبول ہوتی ہیں

البتہ اس میں استثنائی صورت یہ ہوتی ہے کہ اگر کسی جگہ دلائل یا قرائن سے معلوم ہوجائے کہ یہاں اس نے غلطی کی ہے تو خاص اس مقام پر اس حسن الحدیث کی روایت رد کردی جائے۔یہی حال قلیل التدلیس مدلس کے عنعنہ کا بھی ہے۔

قلیل التدلیس اور کثیر التدلیس میں فرق ہی کے لئے مدلسین کے طبقات بنائے گئے ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مدلسین کو طبقات میں بانٹا ہے اور پہلے اور دوسرے طبقہ میں ان مدلسین کو رکھا ہے جن کا عنعنہ مقبول ہوتا ہے۔

یاد رہے کہ اگر ابن حجر کے مطابق پہلے یا دوسرے طبقہ کے مدلس کے عنعنہ کو کسی نے رد کیا تو اس کا یہ لازمی مطلب نہیں کہ وہ طبقاتی تقسیم کا قائل نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ بھی طبقاتی تقسیم کا قائل ہے مگر اس کی تقسیم اوراجتہاد کے مطابق یہ راوی تیسرے طبقہ کا ہے۔یا اس کی نظر میں بھی پہلے یا دوسرے ہی طبقہ کا ہے مگر خاص متعلقہ روایت میں اس کی تدلیس ثابت ہے یا تدلیس پر دیگر قرائن دلالت کرتے ہیں۔

اس وضاحت کے بعد عرض ہے کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ قلیل التدلیس یعنی بہت کم تدلیس کرنے والے ہیں امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: **ما أقل تدليسه** ، یعنی سفان ثوری رحمہ اللہ کی تدلیس بہت ہی کم ہے۔[العلل الکبیر للترمذی:ص ۳۸۸]حافظ ابن حجر نے بھی یہی بات کہی ہے دیکھئے:ص ۸۹۔

لہٰذا ان کا عنعنہ مقبول ہے یہی وجہ ہے کہ سفیان ثوری کی احادیث کو ائمہ نقد جب ضعیف کہتے ہیں تو سفیان ثوری رحمہ اللہ کے عنعنہ کو علت نہیں بناتے ہیں بلکہ دیگر علل کی بنیاد پر تضعیف کرتے ہیں۔

چنانچہ سنن ابوداؤد وغیرہ میں سفیان ثوری ہی کے طریق سے ایک روایت آئی جس سے احناف ترک رفع الیدین پر استدلال کرتے ہیں یہ روایت اس لئے ضعیف ہے کیونکہ محدثین نے اس پر جرح مفسر کررکھی ہے۔اس میں سفیان ثوری کا عنعنہ بھی ہے لیکن اس حدیث کی تضعیف کے لئے اسے بنیادی علت قرار دینا درست نہیں ہے۔

غور کرنے کی بات ہے محدثین کی ایک بڑی جماعت نے عدم رفع الیدین والی اس حدیث کو ضعیف تو قرار دیا ہے لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی اس کے ضعیف ہونے کی وجہ یہ نہیں بتائی ہے کہ اس میں سفیان ثوری کا عنعنہ ہے۔محدثین کی ایک کثیر تعداد کا اس حدیث کو ضعیف قرار دینا اس کے باوجود بھی سفیان ثوری کے عنعنہ سے تعرض نہ کرنا یہی اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ سفیان ثوری کا عنعنہ محدثین کے نزدیک مضر نہیں ہے کیونکہ وہ قلیل التدلیس ہیں۔

اگر سفیان ثوری کی قلت تدلیس کے باوجود بھی ان کا عنعنہ علی الاطلاق رد کیا جائے تو اس کا ایک خوفناک تقاضا یہ بھی ہے کہ صرف سفیان ثوری ہی کے عنعنہ کو رد کرنے پر اکتفاء نہ کیا جائے بلکہ ان کے شیخ سے اوپر بھی عنعنہ ہو تو اسے بھی رد کردیا جائے کیونکہ سفیان ثوری رحمہ اللہ سے تدلیس تسویہ کرنا بھی ثابت ہے۔چنانچہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۶۳) نے کہا:

’’أخبرنا أبو سعيد محمد بن موسى الصيرفي قال ثنا أبو العباس محمد بن يعقوب الأصم قال ثنا العباس بن محمد الدوري قال ثنا قبيصة قال ثنا سفيان الثوري يوما حديثا ترك فيه رجلا فقيل له يا أبا عبد الله فيه رجل قال هذا أسهل الطريق‘‘

’’قبیصہ فرماتے ہیں ایک دن سفیان ثوری رحمہ اللہ نے ہم سے ایک حدیث بیان کی اور اس (کی سند) میں ایک آدمی کو چھوڑ دیا۔تو ان سے کہا گیا: اے ابوعبداللہ! اس (کی سند میں) ایک آدمی اور ہے۔سفیان ثوری رحمہ اللہ نے کہا: یہ آسان طریقہ ہے‘‘ [كفاية للخطيب البغدادى، ت السورقى:٣٦٤ واسناده صحيح]

اس روایت کے راوی خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اس سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ سفیان ثوری تدلیس تسویہ کرتے تھے [حوالہ سابق]۔

اور امام علائی رحمہ اللہ نے بھی اسی روایت کی بنیاد پر کہا ہے کہ سفیان ثوری تدلیس تسویہ کرتے تھے۔[جامع التحصیل للعلائی: ص ۱۰۳]۔

اس پر یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ اس روایت میں صراحت نہیں ہے کہ محذوف راوی کس طبقہ کا ہے، لہٰذا وہ سفیان ثوری کا شیخ بھی ہوسکتا ہے یعنی عام تدلیس کی صورت بھی ہوسکتی ہے، یا ابتداء سند سے بھی ہوسکتا ہے یعنی روایت مرسل ہوسکتی۔ یا مزید فی متصل الاسانید کی صورت ہوسکتی ہے وغیرہ۔

عرض ہے کہ تدلیس تسویہ کے علاوہ کل پانچ طرح کے احتمالات پیش کئے جاسکتے ہیں لیکن حقیقت میں تدلیس تسویہ کے علاوہ اس میں کسی بھی چیز کا احتمال ممکن نہیں ہے۔ تفصیل ملاحظہ ہو:

☆ پہلا احتمال یہ پیش کیا جاسکتا ہے کہ محذوف راوی سفیان ثوری کا شیخ ہوسکتا ہے ایسی صورت میں یہ عام تدلیس کی بات ہوگی۔

۱:- عرض ہے کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ نے اگر اپنے استاذ کو حذف کیا ہوتا تو یہ بات ان کے شاگرد کو کیسے معلوم ہوئی؟؟ کیونکہ ایسی صورت میں یہ تدلیس ہوگی اور تدلیس میں مدلس اپنے شیخ کو چھوڑ کر جس سے روایت کرتا ہے وہ بھی مدلس کا شیخ ہی ہوتا ہے۔ تو اگر یہ مان لیا جائے کہ سفیان ثوری نے اپنے شیخ کو ساقط کیا تھا تو اگلا راوی بھی ان کا شیخ ہی ہوگا۔ ایسی صورت میں شاگرد کو کیسے پتہ کہ ان کے استاذ سفیان ثوری نے یہ روایت اپنے فلاں شیخ سے نہیں بلکہ کسی دوسرے شیخ سے سنی ہے؟ لہٰذا یہاں عام تدلیس کی بات ہرگز نہیں ہوسکتی۔

عام تدلیس کی خاصیت ہی یہی ہوتی ہے کہ اسے کوئی بھانپ نہیں سکتا کیونکہ مدلس جس سے بصیغہ عن روایت کرتا ہے وہ بھی مدلس کا شیخ ہی ہوتا ہے۔

۲:- علاوہ بریں کیا سفیان ثوری کے شاگرد اتنے بے ادب ہوں گے کہ اپنے استاذ کے بارے میں کہیں "فیہ رجل"! (اس سند میں ایک شخص اور ہے)!

۳:- اگر شاگرد محذوف شخص کے نام سے بھی آگاہ تھا جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے تو محذوف شخص کا

سفیان ثوری کا استاذ ہونا ناممکن ہے کیونکہ شاگرد کو کیسے معلوم کہ سفیان ثوری نے انہیں سے یہ روایت سنی ہے۔

۴:- مزید یہ کہ شاگرد کے سوال میں لقمہ دینے کا انداز ہے جو اشارہ کرتا ہے کہ شاگرد کی نظر میں سفیان ثوری وہم کے شکار ہو سکتے ہیں۔ اور سفیان ثوری کے استاذ کے حذف ہونے کی صورت میں سفیان ثوری کے وہم کی گنجائش نہیں۔ ان وجوہات کی بنا پر یہ احتمال ناممکن ہے۔

☆ دوسرا احتمال یہ پیش کیا جاسکتا ہے کہ سفیان ثوری نے ارسال خفی کیا ہوگا یعنی اپنے شیخ کو ساقط کر کے جس سے روایت کیا ہوگا وہ سفیان ثوری کا معاصر تو ہوگا لیکن ان کا استاذ نہیں۔

عرض ہے کہ یہ احتمال بھی ناممکن ہے کیونکہ ایسی صورت میں شاگرد یہ سمجھتا کہ سفیان اس شیخ سے بھی مل چکے ہیں۔ اور اگر شاگرد کی نظر میں سفیان کا ان سے ملنا محال ہوتا تو شاگرد بتاتا نہیں کہ آپ کا استاذ چھوٹ گیا بلکہ پوچھتا کہ آپ کا استاذ کون ہے؟

نیز گذشتہ احتمال کی تردید میں مذکور مؤخر الذکر تینوں باتیں (نمبر ۲، ۳، ۴) یہاں بھی پیش نظر رکھیں۔

☆ تیسرا احتمال یہ پیش کیا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے سفیان ثوری نے اپنے شیخ کو ساقط کر کے تعلیقا اپنے ایسے شیخ الشیخ سے یہ روایت بیان کی ہو جو ان کا معاصر بھی نہ ہو۔

عرض ہے کہ یہ احتمال بھی ممکن نہیں کیونکہ ایسی صورت میں سفیان ثوری کا اپنے استاذ کو حذف کرنا روز روشن کی طرح عیاں ہوتا ایسی صورت میں شاگرد بتاتا نہیں کہ آپ کا استاذ چھوٹ گیا بلکہ پوچھتا کہ آپ کا استاذ کون ہے؟

نیز پہلے احتمال کی تردید میں مذکور مؤخر الذکر تینوں باتیں (نمبر ۲، ۳، ۴) یہاں بھی پیش نظر رکھیں۔

☆ چوتھا احتمال یہ پیش کیا جاسکتا ہے کہ یہ مزید فی متصل الاسانید کا معاملہ ہو۔

عرض ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو سفیان ثوری کا جواب (ھذا اسھل الطریق) نہیں ہوتا بلکہ وضاحت کرتے کہ ان کی سند متصل ہے۔ اور اپنے شاگرد کی غلط فہمی دور کرتے کیونکہ شاگرد نے انقطاع کی بات کہی تھی۔

☆ پانچواں احتمال یہ پیش کیا جاسکتا ہے کہ صحابی کو ساقط کر کے مرسلا روایت کیا ہے۔

عرض ہے کہ ایسی صورت میں شاگرد "فیه رجل" اس میں ایک شیخ ہے نہیں کہتے بلکہ اس میں صحابی

کا تذکرہ کرتے۔ یہ بات ناممکن ہے کہ سفیان ثوری کے تلامذہ کسی صحابی کی طرف ''فیہ رجل'' کہہ کر اشارہ کریں۔ نیز اس کے جواب میں سفیان ثوری (ھذ ااسھل الطریق) کہیں۔

مزید یہ کہ کیا سفیان ثوری سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ صحابی ہی کو ساقط کر کے اپنی روایت کو مشکوک بنا دیں؟ تدلیس عام یا تدلیس تسویہ کا مقصد سند کے عیب کو چھپانا ہی ہوتا ہے نہ کہ سند کو عیب دار کرنا۔ اگر درمیان سند سے کسی ثقہ کو ساقط کیا جائے تو سند، عالی ظاہر ہو کر بہتر لگے گی۔ مگر صحابی کو ساقط کرنے سے سند میں کسی طرح کا بھی حسن ظاہر نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا سفیان ثوری رحمہ اللہ یہ فضول کام ہرگز نہیں کر سکتے۔

معلوم ہوا کہ یہاں صرف اور صرف ایک ہی صورت ہوسکتی ہے وہ یہ کہ درمیان سند سے سفیان ثوری نے کسی کو گرا دیا ہے۔ اور چونکہ اسی سند سے شاگرد نے کسی اور سے بھی یہ روایت سنی ہوگی اس لئے سفیان ثوری نے بھی جب اسی طریق سے روایت کیا اور ایک راوی کو چھوڑ دیا تو شاگرد نے اس پر سوال اٹھا دیا۔

اور یہی صورت تدلیس تسویہ کی ہے۔

یاد رہے کہ اس روایت کے راوی خطیب بغدادی نے یہی مفہوم پیش کیا ہے اور امام علائی رحمہ اللہ نے بھی یہی مفہوم مراد لیا اور کسی بھی محدث نے ان کے فہم پر اعتراض نہیں کیا ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ امام یحیی بن سعید رحمہ اللہ نے اپنا یہ معمول بنایا تھا کہ وہ سفیان ثوری کی صرف انہیں احادیث کو لیتے تھے جن میں سفیان ثوری رحمہ اللہ اپنے استاذ سے سماع کی صراحت کریں۔

لیکن انہوں نے سفیان ثوری کی سند میں ان سے اوپر کے طبقات میں سماع کی صراحت کی کوئی چھان بین نہیں کی یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سفیان ثوری تدلیس تسویہ نہیں کرتے تھے۔

عرض ہے کہ:

اولا:۔ بعض محدثین تو سفیان ثوری کے عنعنہ کی بھی چھان بین نہیں کرتے تھے تو کیا اسے اس بات کی دلیل بنا لیا جائے کہ سفیان ثوری سے عام تدلیس بھی ثابت نہیں؟

ثانیا:۔ ممکن ہے امام یحیی بن سعید رحمہ اللہ کو سفیان ثوری کی تدلیس تسویہ کا علم ہی نہ ہوا ہو اور ایسا اس وجہ سے کیونکہ سفیان ثوری نے شاذ و نادر ہی تدلیس تسویہ کی ہے۔

ثالثا: -امام یحی بن سعید، سفیان ثوری کی تصریح سماع کے بعد جو روایت نقل کرتے تھے ان میں سفیان سے اوپر کے طبقات میں بھی مدلس ہو سکتے ہیں۔لیکن آپ ان کے سماع کی چھان بین نہیں کرتے تھے تو کیا یہ تسلیم کرلیا جائے کہ سفیان ثوری سے اوپر کسی کی طرف سے بھی تدلیس کا امکان ہی نہیں ہے۔

رابعا:- جس طرح امام یحیی بن سعید اس بات کی پابندی کرتے تھے کہ سفیان ثوری کی مصرح بالسماع روایت ہی نقل کریں۔اسی طرح امام یحیی بن سعید یہ بھی پابندی کرتے تھے کہ صرف ثقہ رواۃ ہی سے روایت کریں۔تو کیا یہ سمجھ لیا جائے کہ امام یحیی بن سعید کی روایت میں ان سے اوپر ضعیف راوی کا وجود ہی نہیں ہوسکتا۔

بہرحال امام یحیی بن سعید رحمہ اللہ کے اس طرز عمل سے قطعا یہ استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ سفیان ثوری تدلیس تسویہ نہیں کرتے تھے۔اس سے زیادہ سے زیادہ یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں امام یحیی بن سعید کو سفیان ثوری کی تدلیس تسویہ کا علم نہیں تھا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ سے تدلیس تسویہ کرنا ثابت ہے۔

اور تدلیس تسویہ کرنے والا مدلس اگر بکثرت اس طرح کی تدلیس کرے تو اس کی روایت کے صحیح ہونے کے لئے لازم ہے کہ اس سے اوپر سند کے ہر طبقہ میں سماع یا تحدیث کی صراحت ہو۔

اس لئے قلیل تدلیس کا بھی اعتبار کیا جائے تو قلیل تدلیس تسویہ کا بھی اعتبار کرنا پڑے گا۔اور پھر سفیان ثوری اگر خود سماع کی صراحت کر دیں تو بھی کافی نہیں ہوگا بلکہ سفیان ثوری کی سند میں ہر راوی کی طرف سے سماع کی صراحت مطلوب ہوگی، بصورت دیگر سفیان ثوری کی حدیث ان کی طرف سے تصریح سماع کے باوجود بھی ضعیف ٹھہرے گی۔اور اگر کوئی سفیان ثوری کی تدلیس تسویہ کا اعتبار نہیں کرتا ہے تو سفیان ثوری کی عام تدلیس کے اعتبار کی بھی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔

❁ مؤمل بن اسماعیل:

آپ بخاری شواہد اور ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ کے رجال میں سے ہیں۔بعض نے آپ پر کلام کیا ہے لیکن اکثر محدثین نے آپ کی توثیق کی ہے اور راجح قول میں آپ ثقہ ہیں۔آپ کی توثیق پر مفصل معلومات کے لئے دیکھئے ہمارا مقالہ: اثبات الدلیل علی توثیق مؤمل بن اسماعیل ص ۱۷۱۔

❁ ابوموسیٰ محمد بن المثنی العنزی:

آپ بخاری ومسلم اور سنن اربعہ کے رجال میں سے ہیں اور بہت بڑے ثقہ وثبت ہیں۔ان پر کسی نے بھی کوئی جرح نہیں کی ہے۔

خطیب بغدادی رحمہ اللہ (المتوفی:۴۶۳) نے کہا:

”کان ثقة ثبتا احتج سائر الأئمة بحدیثه“

”یہ ثقہ اور ثبت تھے،تمام ائمہ نے ان سے احتجاج کیا ہے۔“[تاریخ بغداد، مطبعة السعادة:۲۸٤/۳]۔

بہت سارے محدثین نے ان کی زبردست توثیق کی ہے تفصیل کے لئے عام کتب رجال دیکھیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی:۸۵۲) نے کہا:

”ثقة ثبت“

یہ ثقہ اور ثبت ہیں۔[تقریب التهذیب لابن حجر:رقم:٦٢٦٤]۔

کلیب کے تفرد پر اعتراض

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ وائل بن حجر سے اسی روایت کو دیگر لوگوں نے بھی نقل کیا ہے مگر ان لوگوں نے سینے پر ہاتھ باندھنے کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔

عرض ہے کہ کلیب کے علاوہ یہ روایت صرف چار لوگوں سے مروی ہیں جن میں ایک کی روایت میں سینے پر ہاتھ باندھنے کا تذکرہ ہے۔اور دوسری روایت سنداً ثابت ہی نہیں ہے اور تیسری روایت میں حددرجہ اختصار ہے یہاں تک کہ اس میں ہاتھ باندھنے کا بھی ذکر نہیں۔البتہ چوتھی روایت میں ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے مگر اس میں سینے پر ہاتھ باندھنے کے خلاف بھی کوئی بات نہیں ہے نیز یہ روایت درجہ وقوت میں کلیب کی روایت کے ہم پلہ نہیں ہے۔لہٰذا صرف ایک روایت جس میں سینے پر ہاتھ باندھنے کے خلاف بھی کچھ نہیں ہے،اس کی بنیاد پر کلیب کی روایت پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔تفصیل ملاحظہ ہو:

❁ اُم یحییٰ کی روایت:

امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی:۴۵۸) نے کہا:

”أخبرنا أبو سعد أحمد بن محمد الصوفی، أنبأ أبو أحمد بن عدی الحافظ، ثنا ابن صاعد، ثنا إبراھیم بن سعید، ثنا محمد بن حجر الحضرمی، حدثنا سعید بن عبد الجبار بن وائل، عن أبیه، عن أمه، عن وائل بن حجر قال: حضرت رسول الله صلی الله علیه وسلم إذا أو حین نھض إلی المسجد فدخل المحراب، ثم رفع یدیه بالتکبیر، ثم وضع یمینه علی یسراہ علی صدرہ“

”صحابی رسول وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا جب آپ مسجد کا رخ پا چکے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسند امامت پر پہنچ کر تکبیر کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھ کر اپنے سینے پر رکھ لیا۔“ [السنن الکبری للبیهقی:۲/٤٦]۔

یہ روایت کلیب بن شہاب کی روایت کے مخالف نہیں بلکہ موافق ہے کیونکہ اس میں بھی پوری صراحت کے ساتھ سینے پر ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے اس کی سند ضعیف ہے لیکن صحیح ابن خزیمہ کی روایت کے ساتھ مل کر یہ روایت بھی صحیح قرار پاتی ہے۔

اسی حدیث کو ”ابراھیم بن سعید“ کے طریق سے امام بزار رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے [مسند بزار: ۱۰/۳۵۵ رقم ٤٤٨٨]۔

اور اس میں ”عندہ صدرہ“ کے الفاظ ہیں۔ اسے بعض لوگ اضطراب کی دلیل بناتے ہیں۔

عرض ہے کہ اول تو معنوی طور پر دونوں الفاظ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دیکھئے: ص ۳۷۶۔

دوسرے یہ کہ ”محمد بن حجر“ سے اس روایت کو نقل کرنے والے دو لوگ ہیں۔

☆ ایک ”بشر بن موسیٰ“ جیسا کہ طبرانی کی روایت میں ہے۔ دیکھئے: [المعجم الکبیر: ۲۲/ ٤٩]۔

☆ اور دوسرے ”ابراہیم بن سعید“ ہیں جیسا کہ بیہقی کی روایت میں ہے جو اوپر گذر چکی ہے۔

ان میں سے ''بشر بن موسیٰ'' کی روایت میں ''علی صدرہ'' کے الفاظ ہیں۔

اور ''ابراہیم بن سعید'' کی روایت کے ایک طریق میں بھی ''علی صدرہ'' کے الفاظ ہیں چنانچہ:

''ابراہیم بن سعید'' کی روایت دو طریق سے مروی ہے۔

(الف) ایک طریق ''ابن صاعد'' کا ہے جیسا کہ بیہقی کی روایت میں ہے جو اوپر مذکور ہے۔اور اس طریق کے مطابق ''ابراہیم بن سعید'' کے الفاظ ''بشر بن موسیٰ'' کے الفاظ کے موافق ہیں یعنی اس میں بھی ''علی صدرہ'' کے الفاظ ہیں۔

(ب) اور دوسرا طریق امام بزار رحمہ اللہ کا ہے انہوں نے بھی ''ابراہیم بن سعید'' ہی کی روایت بیان کی لیکن ''عند صدرہ'' کے الفاظ بیان کر دئے۔یعنی ''بشر بن موسیٰ'' کے خلاف ''ابراہیم بن سعید'' کی روایت بیان کی ہے۔

معلوم ہوا کہ پہلے طریق یعنی ''ابراہیم بن سعید'' کی علی صدرہ والی روایت میں ''بشر بن موسیٰ'' ان کے متابع ہیں۔لیکن دوسرے طریق یعنی ابراہیم بن سعید کی عندہ صدرہ والی روایت میں ان کا کوئی متابع نہیں ہے لہذا علی صدرہ کے الفاظ ہی راجح قرار پائیں گے اور جب ترجیح کے دلائل موجود ہوں تو وہاں پر اضطراب کی صورت نہیں ہوتی ہے۔دیکھئے: ص ۲۳۷، ۲۳۸۔

خلاصہ یہ کہ اس روایت میں 'علی صدرہ'' کے الفاظ میں کوئی اضطراب نہیں ہے۔

اس کے بعد بچیں تین روایات:

❁ عبدالرحمٰن بن الیحصبی کی روایت:

امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۱) نے کہا:

''حدثنا وکیع، حدثنا شعبة، عن عمرو بن مرة، عن أبی البختری، عن عبد الرحمن بن الیحصبی، عن وائل بن حجر الحضرمی قال :رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم یرفع یدیه مع التکبیر''

''وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے ہوئے دیکھا۔'' [مسند أحمد ط المیمنیة: ۳۱۶/۴]۔

عرض ہے کہ یہ روایت ثابت ہی نہیں بلکہ ضعیف ہے کیونکہ اسے بیان کرنے والا عبدالرحمٰن بن الیحصبی ہے اور اسے ابن حبان کے علاوہ کسی نے ثقہ نہیں کہا ہے۔ اور ابن حبان توثیق میں اکیلے ہوں تو ان کی توثیق غیر مقبول ہوتی ہے کیونکہ وہ متساہل ہیں۔

مزید یہ کہ اس روایت میں ہاتھ باندھنے کا بھی ذکر نہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ راوی نے اختصار سے کام لیا ہے لہٰذا راوی نے جب سرے سے ہاتھ باندھنے ہی کا ذکر نہیں کیا تو وہ ہاتھ باندھنے کی جگہ کا ذکر کیسے کرے گا؟ لہٰذا یہ مختصر روایت دوسری روایات کے خلاف حجت نہیں بن سکتی۔

اب بچیں دو روایات:

حجر بن العنبس، ابی العنبس الحضرمی کی روایت:

ان سے اس روایت کو سلمہ بن کہیل نے نقل کیا ہے اور سلمہ سے شعبہ اور سفیان ثوری نے بیان کیا ہے اور شعبہ نے اپنی روایت میں سند اور متن دونوں اعتبار سے سفیان ثوری کی مخالفت کی ہے اور گذشتہ سطور میں (ص۹۲،۹۳) تفصیل پیش کی جا چکی ہے کہ جب شعبہ اور سفیان ثوری میں اختلاف ہو امام سفیان ثوری ہی کی روایت راجح ہوگی۔ لہٰذا ہم امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کے طریق سے یہ روایت دیکھتے ہیں:

امام أبوداؤد رحمہ اللہ (المتوفی:۲۷۵) نے کہا:

”حدثنا محمد بن كثير، أخبرنا سفيان، عن سلمة، عن حجر أبي العنبس الحضرمي، عن وائل بن حجر، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا قرأ (ولا الضالين) قال: آمين، ورفع بها صوته“

صحابی رسول وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب (سورۃ فاتحہ کے آخر میں) ولا الضالین کہتے تو آمین کہتے اور اس کے ساتھ اپنی آواز کو بلند کرتے۔[سنن أبي داؤد: ۱/۲٦٤ واسناده صحيح]۔

اس روایت میں اختصار ہے اور سرے سے ہاتھ باندھنے ہی کا ذکر نہیں ہے لہٰذا یہ مختصر روایت دیگر روایت میں ذکر کردہ باتوں کے خلاف حجت نہیں بن سکتی۔

اب بچی ایک روایت:

علقمۃ بن وائل الحضرمی کی روایت:

امام مسلم رحمہ اللہ (المتوفی:۲۶۱) نے کہا:

”حدثنا زهير بن حرب، حدثنا عفان، حدثنا همام، حدثنا محمد بن جحادة، حدثني عبد الجبار بن وائل، عن علقمة بن وائل، ومولى لهم أنهما حدثاه عن أبيه وائل بن حجر: أنه" رأى النبي صلى الله عليه وسلم رفع يديه حين دخل في الصلاة كبر، -وصف همام حيال أذنيه -ثم التحف بثوبه، ثم وضع يده اليمنى على اليسرى، فلما أراد أن يركع أخرج يديه من الثوب، ثم رفعهما، ثم كبر فركع، فلما قال: سمع الله لمن حمده رفع يديه فلما، سجد سجد بين كفيه“

”صحابی رسول وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں داخل ہوئے تکبیر کہی اور ہمام نے بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں ہاتھ اپنے کانوں تک اٹھائے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر اوڑھ لی پھر دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اوپر رکھا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو اپنے ہاتھوں کو چادر سے نکالا پھر ان کو بلند کیا تکبیر کہہ کر رکوع کیا جب آپ نے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہا تو اپنے ہاتھوں کو بلند کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدہ اپنی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان کیا۔“ [صحیح مسلم: ۲/ ۳۰۱]۔

صرف یہی ایک روایت ہے جس میں ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے لیکن ہاتھ باندھنے کی جگہ کا ذکر نہیں نیز سینے پر ہاتھ باندھنے کا انکار بھی نہیں ہے نہ اس کے خلاف کسی چیز کا ذکر ہے۔

لہٰذا صرف ایک روایت میں ہاتھ باندھنے کے ساتھ سینے کا ذکر نہ ہونے سے دوسری ایسی روایت کا انکار نہیں کیا جاسکتا جس میں ہاتھ باندھنے کے ساتھ اس کی جگہ کا بھی یعنی سینے کا ذکر ہو۔

مزید یہ کہ جس راوی نے سینے کا ذکر نہیں کیا ہے وہ علقمۃ بن وائل الحضرمی ہیں اور امام ابن سعد رحمہ

اللہ نے ان کے بارے میں کہا:

”كان ثقة قليل الحديث“

”یہ ثقہ اور قلیل الحدیث تھے۔“[الطبقات الكبرى ط دار صادر:٣١٢/٦]۔

جبکہ ان کے مقابل میں کلیب بن شہاب نے سینے پر ہاتھ باندھنے کا ذکر کیا ہے اور ان کے بارے میں امام ابن سعد رحمہ اللہ نے کہا:

”كان ثقة كثير الحديث ...رأيتهم يستحسنون حديثه ويحتجون به“

”یہ ثقہ اور زیادہ احادیث والے تھے، میں نے محدثین کو دیکھا وہ ان کی حدیث کو اچھی کہتے تھے اور اس سے حجت پکڑتے تھے۔“[الطبقات الكبرى ط دار صادر: ١٢٣/٦]۔

لہٰذا کثیر الحدیث ثقہ کے مقابلہ میں قلیل الحدیث ثقہ کا بیان نہیں پیش کیا جاسکتا۔

سفیان ثوری کے تفرد پر اعتراض

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسی حدیث کو عاصم سے سفیان ثوری کے علاوہ بھی بہت سارے لوگوں نے روایت کیا ہے اور ان میں سے کسی نے بھی سینے پر ہاتھ باندھنے کے الفاظ ذکر نہیں کئے ہیں۔

جواباً عرض ہے کہ:

❁ **اولاً:**

سفیان ثوری رحمہ اللہ کے علاوہ عاصم بن کلیب سے دیگر جن لوگوں کی روایات ہیں ان میں کئی روایات تو ثابت ہی نہیں ہیں نیز جو ثابت ہیں ان میں سے کئی روایات میں ہاتھ باندھنے کا بھی ذکر نہیں ہے۔ بلکہ جن رواۃ نے ہاتھ باندھنے کا ذکر کیا ہے انہوں نے کبھی اس کا ذکر کیا ہے اور کبھی اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔

نیز ان سب کی روایات دیکھنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ ان میں سے کسی بھی روایت کے راوی نے یہ التزام نہیں کیا ہے کہ وہ اس حدیث کے تمام الفاظ ذکر کرے گا۔

لہٰذا جب یہ معاملہ ہے تو سفیان ثوری رحمہ اللہ کے علاوہ باقی لوگوں نے اگر سینے پر ہاتھ باندھنے کا ذکر نہیں کیا تو یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے انہوں نے دیگر باتوں کا ذکر نہیں کیا۔

لہٰذا دیگر رواۃ کا کوئی بات بیان نہ کرنا اس بات کی دلیل ہرگز نہیں ہے کہ وہ چیز اس روایت کا حصہ نہیں ہے۔ نیز دیکھئے: ص۹۰ تا ۱۰۴۔

❁ **ثانیاً:**

سفیان ثوری کے علاوہ جو رواۃ بھی عاصم سے یہ حدیث بیان کر رہے ہیں ان میں سے کوئی بھی حفظ واتقان میں سفیان ثوری رحمہ اللہ کے برابر نہیں ہے لہٰذا ان میں سے کسی کی بھی روایت سفیان ثوری رحمہ اللہ کی روایت کے برابر نہیں ہوسکتی۔ دیکھئے: ص۱۰۵، ۱۰۶۔

❁ **ثالثاً:**

سفیان ثوری رحمہ اللہ حافظ متقن ہیں اور حافظ متقن کی زیادتی مقبول ہوتی ہے دیکھئے: ص۱۰۶، ۱۰۷۔

❁ **رابعاً:**

سفیان ثوری رحمہ اللہ کے علاوہ دیگر راویوں کی روایات سفیان ثوری رحمہ اللہ کی روایت کے منافی نہیں ہیں، یعنی ان میں سفیان ثوری رحمہ اللہ کی روایت کا انکار یا ان کے بالکل خلاف کوئی بات نہیں ہے بلکہ صرف عدم ذکر ہے۔ اور ایسے حالات میں ثقہ کی زیادت قبول ہوتی ہے دیکھئے: ۱۰۷، ۱۰۸۔

❁ **خامساً:**

سفیان ثوری رحمہ اللہ کے بیان کردہ الفاظ کے شواہد بھی ہیں جیسا کہ اس کتاب میں پیش کئے گئے ہیں۔ لہٰذا شواہد کے ہوتے ہوئے امام سفیان ثوری رحمہ اللہ جیسے حافظ و متقن کی زیادتی ہر حال میں قبول ہوگی۔ دیکھیے: ص۱۱۰۔

❁ **سادساً:**

یہ کہنا بھی ٹھیک نہیں ہے کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ سینے پر ہاتھ باندھنے کا تذکرہ کرنے میں منفرد ہیں کیونکہ سفیان ثوری کے استاذ عاصم ہی سے اسی روایت کو زائدہ نے بھی نقل کیا ہے اور ان کے الفاظ میں بھی معنوی طور پر سینے پر ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے دیکھئے: ۵۸۔

علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی سفیان کے تفرد کا یہی جواب دیا ہے دیکھیے: [اصل صفۃ الصلاۃ: ج ۱ ص ۲۲۱]

مؤمل بن اسماعیل کے تفرد پر اعتراض اور اس کا جواب

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مؤمل کو گرچہ ثقہ مان لیں لیکن چونکہ اس پر جرح ہوئی ہے اس لئے یہ جن الفاظ کے بیان میں منفرد ہوگا اسے قبول نہیں کیا جائے گا، اور سفیان ثوری سے سینے پر ہاتھ باندھنے کے الفاظ صرف مؤمل ہی بیان کررہا ہے اور سفیان ثوری کے دیگر شاگردوں میں سے کسی بھی شاگرد نے سفیان ثوری سے یہ روایت کرتے ہوئے سینے پر ہاتھ باندھنے کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اس لئے ان تمام شاگردوں کے خلاف تنہا مؤمل بن اسماعیل کا بیان معتبر نہیں ہے کیونکہ یہ متکلم فیہ ہے۔

جواباً عرض ہے کہ زیر بحث روایت میں مؤمل بن اسماعیل کے بیان پر یہ اصول فٹ نہیں ہوسکتا کیونکہ یہاں پر فی الحقیقت مؤمل بن اسماعیل کی مخالفت ثابت ہی نہیں ۔ چنانچہ مؤمل بن اسماعیل کے علاوہ جن لوگوں نے بھی سفیان ثوری سے یہ روایت نقل کی ہے انہوں نے حد درجہ اختصار سے کام لیا ہے حتیٰ کہ انہوں نے ہاتھ باندھنے کا بھی ذکر نہیں کیا ہے لہٰذا جب دیگر راویوں نے اس حدیث کے ہاتھ باندھنے والے حصہ ہی کو بیان نہیں کیا تو پھر ان سے یہ توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ وہ ہاتھ باندھنے کی جگہ کا بیان کریں۔

ایک عام آدمی بھی بڑی آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ ہاتھ باندھنے کی جگہ یعنی سینے کے ذکر کی نوبت کسی راوی کے یہاں تب آئے گی جب وہ ہاتھ باندھنے کا ذکر کرے۔ لیکن جب راوی سرے سے ہاتھ باندھنے ہی کا ذکر نہ کرے بلکہ اس پوری کیفیت کو چھوڑ کر دوسری چیز بیان کرکے اپنی بات ختم کردے تو کس بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ وہ سینے کے لفظ کا مخالف ہے؟ اگر اس نے سینے کا لفظ ذکر نہیں کیا ہے تو اس نے ہاتھ باندھنے کا بھی تو ذکر نہیں کیا ہے! تو کیا یہ کہہ دیا جائے کہ وہ ہاتھ باندھنے والے الفاظ کا بھی مخالف ہے؟

مؤمل بن اسماعیل نے سفیان ثوری سے جس سیاق میں روایت بیان کی ہے اگر دیگر رواۃ بھی سفیان ثوری سے یہ روایت اسی سیاق میں نقل کرتے یعنی سب کے سب ہاتھ باندھنے والی کیفیت کا ذکر کرتے لیکن ان میں سے کوئی بھی ہاتھ باندھنے کی جگہ یعنی سینے کا ذکر نہ کرتا تو یہ اشکال ہوسکتا تھا کہ اس سیاق

میں ان الفاظ کا اضافہ صرف مؤمل بن اسماعیل کر رہا ہے اور وہ حافظ و متقن نہیں ہے کہ اس کی زیادتی قبول کر لی جائے بلکہ وہ متکلم فیہ ہے۔ لہٰذا متکلم فیہ راوی کی زیادتی نہیں قبول کی جا سکتی۔

مگر چونکہ دیگر رواۃ نے اس سیاق کے ساتھ یہ روایت بیان ہی نہیں کیا حالانکہ یہ سیاق یعنی باندھنے کی کیفیت اس روایت میں ثابت شدہ ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں مؤمل بن اسماعیل کا اسے تنہا بیان کرنا چنداں مضر نہیں ہے کیونکہ فی الحقیقت ان کا کوئی مخالف ہے ہی نہیں۔

ذیل میں مؤمل بن اسماعیل کے علاوہ سفیان ثوری سے اسی حدیث کو بیان کرنے والے دیگر راویوں کے الفاظ نقل کر دیتے ہیں تاکہ بات بالکل صاف ہو جائے، ملاحظہ ہو:

❁ اسحاق بن راھویہ کی روایت:

”أخبرنا الثوری عن عاصم بن کلیب عن أبیه عن وائل بن حجر، قال: رمقت النبی ﷺ فلما سجد وضع یدیه حذاء أذنیه“

”صحابی رسول وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب آپ نے سجدہ کیا تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے کانوں کے برابر رکھے۔“ [نصب الرایة للزیلعی: ۳۸۱/۱ بحواله مسند اسحاق بن راھویه]۔

اس میں صرف سجدہ کا ذکر ہے اور حدیث کے بقیہ حصوں میں سے کسی کا ذکر نہیں ہے۔

❁ عبدالرزاق بن ہمام کی روایت:

”عن الثوری، عن عاصم بن کلیب، عن أبیه، عن وائل بن حجر قال: رمقت رسول ﷺ فلما سجد کانت یداہ حذو أذنیه“

”صحابی رسول وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب آپ نے سجدہ کیا تو آپ کے دونوں ہاتھ آپ کے کانوں کے برابر تھے۔“ [مصنف عبد الرزاق: ۱۷۵/۲]۔

اس میں بھی صرف سجدہ کا ذکر ہے اور حدیث کے بقیہ حصوں میں سے کسی کا ذکر نہیں ہے۔

نوٹ: عبدالرزاق کی بعض دیگر روایات میں کچھ مزید باتوں کا ذکر ہے مگر ہاتھ باندھنے کا ذکر ان کی کسی بھی روایت میں نہیں ہے۔

وکیع بن الجراح:

”حدثنا وکیع ، حدثنا سفیان ، عن عاصم بن کلیب ، عن أبیه ، عن وائل الحضرمی ، أنه رأی النبی ﷺ حین سجد ، ویداه قریبتان من أذنیه“

”صحابی رسول وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب آپ نے سجدہ کیا تو آپ کے دونوں ہاتھ آپ کے کانوں کے قریب تھے۔“[مسند أحمد ط المیمنیة: ٣١٦/٤]۔

اس میں بھی صرف سجدہ کا ذکر ہے اور حدیث کے بقیہ حصوں میں سے کسی کا ذکر نہیں ہے۔

یحییٰ بن آدم اور ابونعیم کی روایت:

”حدثنا یحیی بن آدم ، وأبو نعیم ، قال: حدثنا سفیان ، حدثنا عاصم بن کلیب ، عن أبیه ، عن وائل بن حجر قال: کان رسول اللہ ﷺ إذا سجد جعل یدیه حذاء أذنیه“

”صحابی رسول وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے کانوں کے برابر رکھتے۔“[مسند أحمد ط المیمنیة: ٣١٨/٤]۔

اس میں بھی صرف سجدہ کا ذکر ہے اور حدیث کے بقیہ حصوں میں سے کسی کا ذکر نہیں ہے۔

الحسین بن حفص کی روایت:

”أخبرنا أبو عبد اللہ الحافظ، وأبو سعید بن أبی عمرو قالا: ثنا أبو العباس محمد بن یعقوب، ثنا أسید بن عاصم، ثنا الحسین بن حفص، عن سفیان، عن عاصم بن کلیب، عن أبیه، عن وائل بن حجر قال: کان رسول اللہ ﷺ ” إذا سجد یکون یداہ حذاء أذنیه.“

”صحابی رسول وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو آپ کے دونوں ہاتھ آپ کے کانوں کے برابر ہوتے۔“[السنن الکبری للبیهقی: ١٦٠/٢]۔

اس میں بھی صرف سجدہ کا ذکر ہے اور حدیث کے بقیہ حصوں میں سے کسی کا ذکر نہیں ہے۔

علی بن قادم کی روایت:

”حدثنا محمد بن عبد الله الحضرمی، ثنا أحمد بن یحیی الصوفی، ثنا علی بن قادم، ثنا سفیان، عن عاصم بن کلیب، عن أبیه، عن وائل بن حجر قال: رأیت النبی ﷺ إذا قام اتکأ علی إحدی یدیه“

”صحابیٔ رسول وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب آپ کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھوں میں سے ایک پر ٹیک لگاتے۔“[المعجم الکبیر للطبرانی: ۲۲/۳۹]۔

اس میں صرف نماز سے اٹھنے کی کیفیت کا ذکر ہے اور حدیث کے بقیہ حصوں میں سے کسی کا ذکر نہیں ہے۔

محمد بن یوسف الفریابی:

”أخبرنی محمد بن علی بن میمون الرقی قال نا محمد وهو بن یوسف الفریابی قال نا سفیان عن عاصم بن کلیب عن أبیه عن وائل بن حجر : أنه رأی النبی ﷺ جلس فی الصلاة ففرش رجله الیسری ووضع ذراعیه علی فخذیه وأشار بالسبابة یدعو“

”صحابیٔ رسول وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نماز میں بیٹھے اور اپنے بائیں پیر کو بچھا لیا اور اپنے دونوں بازوؤں کو اپنی دونوں ران پر رکھا اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کر کے دعاء کرنے لگے۔“[سنن النسائی الکبری: ۱/۳۷۴]۔

اس میں تشہد میں بیٹھنے کی کیفیت اور انگلی سے اشارہ کے ساتھ دعا کا ذکر ہے۔اور حدیث کے بقیہ حصوں میں سے کسی کا ذکر نہیں ہے۔

عبداللہ بن الولید کی روایت:

”حدثنا عبد الله بن الولید ، حدثنی سفیان ، عن عاصم بن کلیب ، عن أبیه ، عن وائل بن حجر قال: رأیت النبی ﷺ حین کبر ، رفع یدیه حذاء أذنیه ، ثم حین رکع ثم حین قال: سمع الله لمن حمده ، رفع یدیه ، ورأیته ممسکا یمینه علی شماله فی الصلاة ، فلما جلس حلق بالوسطی والإبهام وأشار بالسبابة ، ووضع یده الیمنی علی فخذه الیمنی ، ووضع یده الیسری علی فخذه الیسری“

”صحابیٔ رسول وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب

آپ تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے کانوں تک اٹھاتے، پھر جب آپ رکوع کرتے اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے، اور میں نے آپ کو نماز میں دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑتے ہوئے دیکھا۔ پھر جب آپ بیٹھے تو آپ نے انگوٹھے اور بیچ والی انگلی کا حلقہ بنایا اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا اور آپ نے دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر رکھا اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھا۔'' [مسند أحمد ط المیمنیة: ٤/ ٣١٨]۔

صرف اور صرف اسی ایک روایت میں ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے اور سینے کا ذکر نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ صرف ایک راوی کے عدم ذکر سے مؤمل کی ذکر کردہ بات پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا بالخصوص جبکہ عدم ذکر والے عبداللہ بن الولید ہیں اور یہ بھی متکلم فیہ ہیں اور مؤمل سے کم رتبہ والے ہیں چنانچہ:

امام أبوحاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۷) ان کے بارے میں کہا:

''شیخ یکتب حدیثه ولا یحتج به''

''یہ شیخ ہیں ان کی حدیث لکھی جائے گی اور اس سے حجت نہیں لی جائے گی۔'' [الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم: ٥/ ١٨٨]۔

جبکہ مؤمل کے بارے میں امام ابوحاتم نے کہا:

''صدوق شدید فی السنة کثیر الخطأ یکتب حدیثه''

''یہ سچے اور کٹر سنی ہیں، زیادہ غلطی کرنے والے ہیں ان کی حدیث لکھی جائے گی۔'' [الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم: ٨/ ٣٧٤]۔

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸) نے عبداللہ بن الولید کے بارے میں صرف یہ کہا:

''شیخ''

''یہ شیخ ہیں۔'' [الکاشف للذهبی: ١/ ٦٠٦]۔

جبکہ مؤمل کے بارے میں امام ذہبی نے کہا:

''کان من ثقات البصریین''

''یہ بصرہ کے ثقہ لوگوں میں سے تھے۔'' [العبر فی خبر من غبر: ١/ ٣٥٠]۔

لہٰذا مؤمل کے مقابلہ میں عبداللہ بن الولید کی روایت نہیں پیش کی جاسکتی۔

ابو موسیٰ پر تفرد کا الزام

بعض لوگ ناقص مطالعہ کی بنیاد پر کہتے ہیں کہ مؤمل سے اسی روایت کو ابو موسی کے علاوہ ابو بکرہ نے بھی نقل کیا ہے مگر انہوں نے سینے پر ہاتھ باندھنے کا ذکر نہیں کیا ہے جیسا کہ طحاوی کی روایت ہے چنانچہ:

أبو جعفر طحاوی رحمہ اللہ (المتوفی:۳۲۱) نے کہا:

”حدثنا أبو بکرة قال: ثنا مؤمل قال: ثنا سفیان عن عاصم بن کلیب عن أبیه عن وائل بن حجر قال: رأیت النبی ﷺ حین یکبر للصلاة یرفع یدیه حیال أذنیه“

”صحابی رسول وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے نبی ﷺ کو دیکھا جب آپ نماز کے لئے تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں کانوں تک اٹھاتے۔“[شرح معانی الآثار: ۱/۱۹٦]۔

عرض ہے کہ اس روایت سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ ابو بکرہ نے سینے پر ہاتھ باندھنے کا تذکرہ نہیں کیا ہے کیونکہ ابو بکرہ ہی سے یہی روایت امام طحاوی ہی نے دوسری کتاب میں نقل کی اور اس میں ابو بکرہ نے مؤمل سے سینے پر ہاتھ باندھنے کا تذکرہ کیا ہے چنانچہ:

أبو جعفر طحاوی رحمہ اللہ (المتوفی:۳۲۱) نے کہا:

”حدثنا أبو بکرة، قال: حدثنا مؤمل، قال: حدثنا سفیان، عن عاصم بن کلیب، عن أبیه، عن وائل بن حجر رضی الله عنه، قال:” رأیت رسول الله ﷺ وقد وضع یدیه علی صدره إحداهما علی الأخری“

”صحابی رسول وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے **سینے پر رکھا** اور ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر تھا۔“[أحکام القرآن للطحاوی: ۱/۱۸٦]۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ابو بکرہ نے بھی مؤمل بن اسماعیل سے سینے پر ہاتھ باندھنے کا تذکرہ سنا ہے لیکن ابو بکرہ ہی نے کبھی اختصار کرتے ہوئے اس کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ یا ممکن ہے یہ اختصار امام طحاوی ہی کی طرف سے ہو۔

اضطراب کا دعویٰ

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مؤمل بن اسماعیل سینے کا لفظ بیان کرنے میں اضطراب کا شکار ہے۔
کبھی اس نے سینے کا ذکر ہی نہیں کیا ہے جیسا کہ طحاوی کی شرح معانی الآثار کی روایت میں ہے۔اور کبھی اس نے علی صدرہٖ (سینے پر) کہا ہے جیسا کہ ابن خزیمہ کی روایت میں ہے اور کبھی اس نے عندصدرہٖ (سینے کے پاس) کہا ہے جیسا کہ طبقات المحدثین کی روایت میں ہے۔
عرض ہے کہ جہاں تک طحاوی کی روایت کی بات ہے کہ مؤمل نے کبھی سینے کا ذکر نہیں کیا ہے یہ غلط ہے کیونکہ طحاوی ہی کی دوسری روایت میں سینے کا بھی ذکر ہے۔[أحكام القرآن للطحاوى:١/١٨٦]۔
جیسا کہ ماقبل میں پیش کیا گیا۔دیکھئے:ص۱۶۶۔

رہی بات یہ کہ کسی روایت میں **علی صدرہٖ** (سینے پر) اور کسی روایت میں **عندصدرہٖ** (سینے کے پاس) ہے تو یہ اضطراب نہیں ہے کیونکہ معنوی طور پر دونوں الفاظ میں ایک ہی بات ہے۔دیکھئے:ص۳۷۶۔

اگر بالفرض مان لیں کہ یہ دونوں الفاظ الگ الگ ہیں تو بھی یہاں اضطراب کی بات نہیں کہی جاسکتی اس لئے کہ علی صدرہٖ والی روایت زیادہ قوی ہے کیونکہ اسے مؤمل کے دوشاگردوں نے بالاتفاق بیان کیا ہے۔

☆ ایک ابوموسیٰ ہیں جیسا کہ صحیح ابن خزیمۃ:۱/۲۴۳،رقم:۴۹۷ میں ہے۔

☆ اور دوسرے ابوبکرہ ہیں جیسا کہ أحکام القرآن للطحاوی:۱/۱۸۶ میں ہے۔

اوران دونوں کے برخلاف صرف ایک راوی محمد بن عاصم الثقفی نے **عند صدرہٖ** (سینے کے پاس) والے الفاظ بیان کئے ہیں۔[طبقات المحدثين بأصبهان:٢/٢٦٨]۔

لہٰذا دو کے مقابلہ میں ایک کے بیان کی کوئی حیثیت نہیں ہے بالخصوص جبکہ اکیلے بیان کرنے والے محمد بن عاصم الثقفی صرف **صدوق** ہیں۔[تقريب التهذيب لابن حجر: رقم: ٥٩٨٦]۔

اوران کے مقابلہ میں **علی صدرہٖ** (سینہ پر) کے الفاظ بیان کرنے والے دونوں ابوموسیٰ اور ابوبکرہ ان سے اعلیٰ درجہ کے ثقہ ہیں۔اور آگے تفصیل آرہی ہے کہ جب روایات ایک درجہ کی نہ ہوں تو اضطراب کی صورت نہیں ہوتی ہے دیکھئے:ص۲۳۷،۲۳۸۔

اس حدیث کے ایک دوسرے طریق میں بھی کچھ لوگوں نے اضطراب کا دعوی کیا ہے اس کی تردید کے لئے دیکھئے:ص۱۵۵ تا ۱۵۶۔

ایک بے بنیاد اعتراض

بعض لوگ کہتے ہیں اس روایت کی سند میں سفیان ثوری رحمہ اللہ ہیں اور یہ خود ناف کے نیچے ہاتھ باندھتے تھے جس سے پتہ چلتا ہے یہ روایت ثابت نہیں ہے کیونکہ اگر یہ روایت ثابت ہوتی تو سفیان ثوری اسی پر عمل کرتے۔

جواباً عرض ہے کہ:

❁ اولاً:

سفیان ثوری کی طرف منسوب عمل سے سفیان ثوری کی بیان کردہ یہ حدیث غلط ثابت نہیں ہوتی ہے بلکہ سفیان ثوری کی اس حدیث کی وجہ سے ان کی طرف منسوب عمل کی نسبت غلط ثابت ہوتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہہ لیں کہ جب سفیان ثوری رحمہ اللہ نے سینے پر ہاتھ باندھنے کی روایت بیان کی ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے پر عمل کریں؟ لہٰذا ان کے بارے میں یہ کہنا ہی غلط ہے کہ وہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھتے تھے۔ سفیان ثوری رحمہ اللہ عظیم محدث ہیں بھلا وہ حدیث کے خلاف کیسے عمل کر سکتے ہیں؟ نیز دیکھئے خامساً کے تحت امام ابن حزم کا قول۔

❁ ثانیاً:

یہ اعتراض بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ مؤطا حدیث نمبر: ۴۷ میں نماز میں ہاتھ باندھنے والی جو حدیث ہے، وہ ثابت نہیں کیونکہ امام مالک نماز میں ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے تھے! بھلا بتلائیے کہ اس طرح کے بے ہودہ اعتراض سے کیا ہم مؤطا امام مالک کی اس حدیث کو جھٹلا دیں جس میں نماز میں ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے؟ یاد رہے کہ مؤطا امام مالک کی یہ حدیث صحیح بخاری میں بھی امام مالک ہی کی سند سے موجود ہے۔[بخاری:۔ کتاب الاذان: باب وضع الیمنی علی ذراعه الیسری فی الصلوٰۃ، ح: ۷۴۰]۔

صحیح بات یہ ہے کہ امام مالک کی طرف منسوب عمل سے امام مالک کی بیان کردہ حدیث غلط ثابت نہیں ہوتی بلکہ امام مالک کی بیان کردہ حدیث سے ان کی طرف منسوب عمل کی نسبت غلط ثابت ہوتی ہے۔

یہی معاملہ سفیان ثوری رحمہ اللہ کی حدیث اور ان کی طرف منسوب عمل کا ہے کہ ان کی بیان کردہ حدیث سے ان کی طرف منسوب عمل کی نسبت غلط ثابت ہوتی ہے۔

ثالثاً:

سفیان ثوری رحمہ اللہ سے صحیح سند کے ساتھ یہ ثابت نہیں ہے کہ وہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھتے تھے جن لوگوں نے بھی یہ بات ذکر کی انہوں نے سفیان ثوری تک اس بات کی صحیح سند پیش نہیں کی ہے لہٰذا یہ بات جھوٹی اور من گھڑت ہے اور سفیان ثوری رحمہ اللہ پر بہتان ہے۔

یاد رہے کہ امام مالک سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ نماز میں ہاتھ نہ باندھا جائے۔ دیکھئے: [هيئة الناسك فی أن القبض فی الصلاة هو مذهب الإمام مالك]۔

رابعاً:

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا عمل احناف کا ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف بھی یہی بات منسوب ہے۔ اور سفیان ثوری رحمہ اللہ تو امام ابوحنیفہ کے سخت مخالف تھے۔ دیکھئے: [نشر الصحيفة فی ذكر الصحيح من أقوال أئمة الجرح والتعديل فی أبی حنيفة: ص ٣٣٥ تا ٣٤٢]

حتیٰ کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ یہاں تک کہا کرتے تھے کہ اگر ابوحنیفہ صحیح بھی کہیں تو بھی میں ان کی موافقت کرنا پسند نہیں کرتا چنانچہ:

امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی:۲۴۱) نے کہا:

”حدثنا شعيب بن حرب قال: سمعت سفيان يقول: ما أحب أني أوافقهم على الحق، يعني أبا حنيفة“

سفیان ثوری رحمہ اللہ نے کہا: میں حق بات میں بھی ابوحنیفہ اور ان کے ساتھیوں کی موافقت پسند نہیں کرتا۔ [علل أحمد رواية المروذی وغيره: ص: ١٧٢ واسناده صحيح]۔

اب ذرا سوچیں کہ جو سفیان ثوری رحمہ اللہ امام ابوحنیفہ کے اس قدر مخالف ہوں بھلا وہ احناف کے مسلک کو کیسے اپنا سکتے ہیں؟

خامساً:

یہ کوئی اصول نہیں کہ راوی کے فتویٰ یا عمل کی وجہ سے اس کی روایت کو رد کر دیا جائے بلکہ اصول تو یہ ہے کہ راوی اگر اپنی بیان کردہ روایت کے خلاف فتویٰ دے یا عمل کرے تو اعتبار اس کی روایت کا ہوگا نہ

کہ روایت کے خلاف اس کے فتویٰ وعمل کا۔ چنانچہ:

امام ابن حزم رحمہ اللہ (المتوفی:۴۵۶) نے کہا:

”والواجب إذا وجد مثل هذا أن يضعف ما روى عن الصاحب من قوله، وأن يغلب عليه ما روى عن النبى ﷺ لا أن نضعف ما روى عن النبى -صلى الله عليه وسلم -ونغلب عليه ما روى عن الصاحب، فهذا هو الباطل الذى لا يحل“

”جب اس جیسا معاملہ ہوتو واجب ہے کہ راوی کا اپنا جو قول وعمل نقل کیا جاتا ہے اسے ضعیف کہا جائے اوراس نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو روایت کیا ہے اسے غالب رکھا جائے۔ نہ کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کردہ بات کو ضعیف کہہ دیا جائے اوراس پر راوی کا قول وعمل غالب کردیا جائے۔ ایسا کرنا باطل ہے جائز نہیں۔“[المحلى لابن حزم:۱/۱۲٤]۔

امام ابن الملقن رحمہ اللہ (المتوفی:۸۰۴) نے کہا:

”الراجح فی الأصول أن العبرة بما روى لا بما رأى“

اصول میں راجح یہ ہے کہ راوی کی بیان کردہ روایت کا اعتبار ہوگا نہ کہ اس کے فتویٰ کا۔[البدر المنير لابن الملقن:٦/٥٠٤]۔

اثبات الدلیل علی توثیق مؤمل بن اسماعیل

مؤمل بن إسماعیل القرشی العدوی أبوعبدالرحمٰن البصری۔

آپ امام سفیان ثوری وغیرہ کے شاگرد ہیں۔

اورامام احمد، امام علی ابن المدینی اور امام اسحاق بن راھویہ وغیرہ کے استاذ ہیں۔

آپ کی احادیث بخاری (شواہد)، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں ہیں۔ دیکھئے:[تھذیب الکمال للمزی:۲۹/۱۷۶]۔

درج ذیل اقوال سے تضعیف ثابت نہیں ہوتی

❁ امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی:۲۴۱) نے کہا:

”مؤمل کان یخطیء“

”مؤمل غلطی کرتے تھے۔“ [علل أحمد روایة المروذی:ص:۶۰]۔

عرض ہے کہ غلطیاں ثقہ رواۃ سے بھی ہوتی ہیں اس لئے محض غلطی کرنے کی وجہ سے کسی کو ضعیف نہیں کہہ سکتے ہیں۔ بلکہ ضعیف کہنے کے لئے ضروری ہے کہ راوی کی بکثرت غلطی ثابت ہو۔

❁ امام أبوداؤد رحمہ اللہ (المتوفی:۲۷۵) سے ابوعبید نے نقل کرتے ہوئے کہا:

”سألت أبا داؤد عن مؤمل بن إسماعیل ، فعظمه ورفع من شأنه الا انه یهم فی الشیء“

”میں نے امام ابوداؤد سے مؤمل کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اس راوی کی عظمتِ شان کو بیان کیا اور کہا: لیکن یہ بعض چیزوں میں غلطی کرتے ہیں۔“ [تھذیب الکمال للمزی: ۲۹/۱۷۸]۔

عرض ہے کہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے بھی محض بعض چیزوں میں انہیں غلطی کرنے والا کہا ہے یعنی ان کی غلطیاں امام ابوداؤد کے نزدیک کم ہیں۔

❁ امام یعقوب بن سفیان الفسوی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۷۷) نے کہا:

”ومؤمل بن إسماعیل سنی شیخ جلیل ، سمعت سلیمان بن حرب یحسن الثناء علیه یقول: کان مشیختنا یعرفون له ویوصون به ، إلَّا أن حدیثه لا یشبه حدیث أصحابه ، حتی ربما قَال : کان لا یسعه أن یحدث وقد یجب علی أهل العلم أن یقفوا

عن حديثه ، ويتخففوا من الرواية عنه؛ فإنه منكر يروى المناكير عن ثقات شيوخنا ، وهذا أشد فلو كانت هذه المناكير عن ضعاف لكنا نجعل له عذرًا“

”مؤمل بن اسماعیل سنی اور جلیل القدر شیخ تھے، میں نے سلیمان بن حرب سے ان کی عمدہ تعریف کرتے ہوئے سنا۔ آپ کہتے تھے: ہمارے مشائخ انہیں جانتے تھے اور ان سے طلب علم کا مشورہ دیتے تھے۔ مگر ان کی حدیث ان کے دیگر ساتھیوں جیسی نہیں ہے، حتیٰ کہ آپ نے بعض دفعہ کہا: آپ کے لئے حدیث بیان کرنا مناسب نہ تھا، اور اہل علم پر واجب ہے کہ ان سے حدیث لینے میں محتاط رہیں اور ان سے بہت کم روایت کریں، کیونکہ یہ منکر ہیں اور ہمارے ثقہ مشائخ سے مناکیر بیان کرتے ہیں، اور یہ بہت بڑی بات ہے کیونکہ اگر یہ مناکیر ضعیف رواۃ سے بیان کی جاتیں تو ہم مؤمل کو معذور سمجھتے۔“

[المعرفة والتاريخ للفسوى:٣/٥٢]۔

اس قول میں سلیمان بن حرب نے مؤمل کو منکر کہنے کی وجہ یعنی ان پر جرح کا سبب یہ بتلایا ہے کہ ”**يروى المناكير**“ (وہ منکر روایات بیان کرتے ہیں)۔

اور اس بنیاد پر کسی کو منکر نہیں کہا جا سکتا کیونکہ مناکیر روایت کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ روایت کرنے والا ہی اس کا ذمہ دار ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۴۸) نے کہا:

”**قلت: ما كل من روى المناكير يضعف**“

”میں کہتا ہوں کہ: ایسا نہیں ہے کہ ہر وہ شخص جو منکر روایات بیان کرے اسے ضعیف قرار دیا جائے گا۔“ [ميزان الاعتدال للذهبى:١/١١٨]۔

مولانا عبدالحئ لکھنوی حنفی (المتوفی:۱۳۰۴)

”**بين قولهم: هذا الراوى منكر الحديث ، وبين قولهم: يروى المناكير فرق**“

”محدثین کے قول ”یہ راوی منکر الحدیث ہے“ اور ان کے قول یہ ”منکر احادیث بیان کرتا ہے“ میں فرق ہے۔“ [الرفع والتكميل :ص:٢٠٠]۔

مولانا آگے لکھتے ہیں:

”وَكَذَا لَا تَظن من قَوْلهم فلَان روى الْمَنَاكِير اَوْ حَدِيثه هَذَا مُنكر ونحو ذلک انه ضعيف“

”اسی طرح محدثین کے قول ”فلاں نے منکر روایات بیان کی“ یا ”اس کی یہ حدیث منکر ہے“ یا اس جیسے الفاظ سے یہ ہرگز نہ سمجھو کہ یہ راوی ضعیف ہے۔“[الرفع والتکمیل: ص:۲۰۱]۔

رہی بات یہ کہ مؤمل نے جن مشائخ سے منکر روایات بیان کی ہیں وہ ثقہ تھے تو بھی یہ ضروری نہیں ہے کہ ان اساتذہ سے اوپر کے رواۃ میں ضعف موجود نہ ہو۔

❁ عبدالباقی بن قانع (المتوفی:۳۵۱) نے کہا:

”صالح يخطیء“

”ابن قانع نے کہا: یہ صالح ہے غلطی کرتا ہے۔“[تهذيب التهذيب لابن حجر:۳۳۹/۱۰، وابن حجر ينقل من كتابه]۔

عرض ہے کہ اس قول میں بھی صرف غلطی کرنے کی بات ہے اور محض غلطی کرنے سے کوئی راوی ضعیف نہیں ہوجاتا کیونکہ بڑے بڑے ثقہ سے بھی غلطی ہوجاتی ہے۔

❁ امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی:۳۵۴) نے کہا:

”ربما أخطأ“

”یہ کبھی کبھار غلطی کرتے تھے۔“[الثقات لابن حبان ت االعثمانية:۱۸۷/۹]۔

عرض ہے کہ کبھی کبھار غلطی کرنے سے کوئی راوی ضعیف نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا بکثرت غلطی کرنا ثابت نہ ہو۔

❁ امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی:۳۸۵) نے کہا:

”صدوق كثير الخطأ“

”یہ سچے ہیں اور زیادہ غلطیاں کرنے والے ہیں۔“[سؤالات الحاكم للدارقطني: ص:۲۷۶]۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ کے اس قول سے بھی تضعیف ثابت نہیں ہوسکتی کیونکہ خود امام دارقطنی رحمہ اللہ

نے مؤمل بن اسماعیل کی ایک حدیث کے بارے میں کہا:

''إسناد صحيح''

''اس کی سند صحیح ہے۔'' [سنن الدارقطني:۱۸۶/۲]۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام دارقطنی کے قول میں **كثير الخطاء** سے مراد متعدد بار غلطی کرنا ہے یا غیر قادح غلطی کرنا ہے۔ کیونکہ امام دارقطنی رحمہ اللہ ان کی روایات کو صحیح بھی کہتے ہیں لہٰذا ان دونوں طرز عمل میں تطبیق دینا ضروری ہے۔اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اپنی ضعفاء والی کتاب میں مؤمل کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔

❁ امام ہیثمی رحمہ اللہ (المتوفی:۸۰۷) نے کہا:

''مؤمل بن إسماعيل وثقه ابن معين وضعفه الجمهور''

''مؤمل بن اسماعیل کو ابن معین نے ثقہ کہا ہے اور جمہور نے ان کی تضعیف کی ہے۔'' [مجمع الزوائد للهيثمي:٦٣/٥]۔

عرض ہے کہ امام ہیثمی رحمہ اللہ کے اس جملہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ امام ہیثمی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی مؤمل بن اسماعیل ضعیف ہے کیونکہ یہاں پر امام ہیثمی رحمہ اللہ نے اپنے الفاظ میں مؤمل پر جرح نہیں کی ہے اور دوسرے مقامات پر اپنے الفاظ میں امام ہیثمی رحمہ اللہ نے مؤمل کو ثقہ کہا ہے کما سیاتی۔

نیز امام ہیثمی رحمہ اللہ کا یہ کہنا بھی محل نظر ہے کہ جمہور نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔جیسا کہ تفصیل آرہی ہے۔

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی:۸۵۲) نے کہا:

''صدوق سيء الحفظ''

''آپ سچے ہیں، برے حافظہ والے ہیں۔'' [تقريب التهذيب لابن حجر: رقم:۷۰۲۹]۔

عرض ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک اس صیغہ سے تضعیف مراد نہیں ہوتی ہے بلکہ ان کے نزدیک ایسا راوی حسن الحدیث ہوتا ہے۔ دیکھئے: [یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: ص:۶۷۳-۶۷۴]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک دوسری کتاب میں کہا:

”فی حدیثه عن الثوری ضعف“

”سفیان ثوری سے مؤمل کی حدیث میں ضعف ہے۔“ [فتح الباری لابن حجر:۹/۲۳۹]۔

عرض ہے کہ غالباً حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ بات امام ابن معین کی طرف منسوب ایک قول کی بنیاد پر کہی ہے چنانچہ ابن حجر رحمہ اللہ سے قبل اس طرح کی بات امام ابن معین سے ابن محرز نے نقل کی ہے دیکھئے: [معرفة الرجال لابن معین: ۱/۱۱۴]۔

لیکن ابن محرز مجہول ہے اس کے ثقہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔

نیز خود ابن معین رحمہ اللہ سے ان کے شاگرد امام عثمان الدارمی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۸۰) نے کہا:

”قلت لیحیی بن معین أی شیء حال المؤمل فی سفیان فقال هو ثقة قلت هو ثقة قلت هو أحب إلیک أو عبید الله فلم یفضل أحدا علی الآخر“

”میں نے امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے کہا: سفیان ثوری کی حدیث میں مؤمل کی حالت کیسی ہے تو امام ابن معین رحمہ اللہ نے کہا: وہ ثقہ ہیں۔ میں نے کہا: وہ ثقہ ہیں تو یہ بتائیں کہ آپ کے نزدیک وہ زیادہ محبوب ہیں یا عبیداللہ؟ تو امام ابن معین نے ان دونوں میں کسی کو بھی دوسرے پر فضیلت نہیں دی۔“ [الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم: ۸/۳۷۴ واسناده صحیح]۔(۱)

امام ابن رجب رحمہ اللہ نے اسی قول کو عثمان بن سعید کی کتاب سے نقل کیا ہے۔ دیکھئے: [شرح علل الترمذی لابن رجب: ص:۲۷۴]۔

معلوم ہوا کہ امام ابن معین رحمہ اللہ سے یہ بات ثابت ہی نہیں ہے کہ انہوں نے مؤمل کو سفیان ثوری کے طریق میں ضعیف کہا ہے بلکہ اس کے برعکس یہ ثابت ہے کہ امام ابن معین نے مؤمل کو سفیان ثوری کے طریق میں ثقہ قرار دیا ہے۔

(۱) اس قول کو ابن ابی حاتم نے اپنے استاذ ”یعقوب بن إسحاق“ سے نقل کیا ہے اور یہ ثقہ ہیں کیونکہ امام ابوحاتم رحمہ اللہ نے ان سے روایت بیان کی ہے اور یہ صرف ثقہ سے روایت بیان کرتے ہیں نیز ان پر کوئی جرح موجود نہیں ہے۔ دیکھئے: ص۱۲۴۔

درج ذیل اقوال ثابت نہیں ہیں

❁ امام مزی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۴۲ھ) نے کہا:

”وقال البخاری: منکر الحدیث“

”امام بخاری نے کہا: یہ منکر الحدیث ہے“ [تهذيب الكمال للمزى:۱۷۸/۲۹]۔

عرض ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ سے یہ قول ثابت نہیں ہے۔ بلکہ امام مزی سے یہ قول نقل کرنے میں غلطی ہوئی ہے۔ دراصل امام بخاری رحمہ اللہ نے ”مؤمل بن سعید بن یوسف“ کو ”منکر الحدیث“ کہا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب میں اسی نام سے پہلے مؤمل بن اسماعیل کا تذکرہ ہے۔ چونکہ امام بخاری کی کتاب میں دونوں نام ایک ساتھ مذکور ہیں اس لئے جلدبازی میں امام مزی سے چوک ہوگئی اور دوسرے راوی سے متعلق امام بخاری کی جرح کو پہلے راوی سے متعلق سمجھ لیا۔

ذیل میں اس بات کے تین دلائل ملاحظہ ہوں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے مؤمل بن اسماعیل کو منکر الحدیث نہیں کہا ہے:

☆ **پہلی دلیل:**

امام بخاری کی اپنی کتاب التاریخ الکبیر میں مؤمل بن اسماعیل کا تذکرہ یوں ہے:

”مؤمل بن إسماعيل، أبو عبد الرحمن. مولى آل عمر بن الخطاب القرشى. سمع الثورى، وحماد بن سلمة. مات سنة خمس، أو ست، ومئتين. البصرى، سكن مكة“

”مؤمل بن اسماعیل، ابوعبدالرحمٰن، مولیٰ آل عمر بن الخطاب القرشی۔ انہوں نے سفیان ثوری اور حماد بن سلمہ سے سنا ہے اور ۲۰۵ یا ۲۰۶ میں آپ کی وفات ہوئی ہے آپ بصری تھے اور مکہ میں سکونت پذیر تھے۔“ [التاريخ الكبير للبخارى:۴۹/۸]۔

قارئین غور فرمائیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے مؤمل بن اسماعیل کے پورے تذکرہ میں کہیں بھی انہیں ”منکر الحدیث“ نہیں کہا ہے۔

البتہ ان کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ نے مؤمل بن سعید بن یوسف کا تذکرہ کیا اور کہا:

”مؤمل بن سعيد بن يوسف، أبو فراس، الرحبى، الشامى. سمع أباه، سمع منه سليمان بن سلمة. منكر الحديث“

''مؤمل بن سعید بن یوسف، ابوفراس، الرجبی، الشامی، انہوں نے اپنے والد سے سنا اوران سے سلیمان بن سلمہ نے سنا۔ یہ ''منکرالحدیث'' تھے۔''[التاریخ الکبیر للبخاری:۸/۴۹]۔

معلوم ہوا کہ امام بخاری نے مؤمل بن اسماعیل کونہیں بلکہ اس کے بعد مذکور مؤمل بن سعید کو ''منکرالحدیث'' کہا ہے۔

☆ دوسری دلیل:

اگرامام بخاری نے مؤمل بن اسماعیل کو''منکرالحدیث'' کہا ہوتا تو امام بخاری رحمہ اللہ اس کا تذکرہ اپنی ضعفاء والی کتاب میں بھی کرتے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے ضعفاء والی کتاب میں مؤمل بن اسماعیل کا تذکرہ نہیں کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک مؤمل بن اسماعیل ''منکرالحدیث'' ہرگز نہیں۔

☆ تیسری دلیل:

امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں مؤمل بن اسماعیل سے شواہد میں روایات لی ہیں کما سیاتی، اور اگرامام بخاری کے نزدیک یہ منکرالحدیث ہوتے تو امام بخاری رحمہ اللہ ان سے شواہد میں بھی روایات نہیں لیتے کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ کا خود کہنا ہے:

''کل من قلت فیه منکر الحدیث فلا تحل الروایة عنه''

''میں نے جسے بھی منکرالحدیث کہا ہے اس سے روایت لینا جائز نہیں ہے۔''[بیان الوهم والإیهام فی کتاب الأحکام:۲/۲۶۴ بحواله التاریخ الأوسط للبخاری]۔

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے مؤمل بن اسماعیل کومنکرالحدیث نہیں کہا ہے بلکہ اس کے بعد مذکوراسی نام کے دوسرے راوی مؤمل بن سعید کومنکرالحدیث کہا ہے لیکن امام مزی رحمہ اللہ سے سبقت نظر کی وجہ سے دوسرے راوی پر کی گئی جرح پہلے راوی سے متعلق نقل ہوگئی۔

بطور فائدہ عرض ہے کہ سبقت نظر کی وجہ سے نقل میں اسی طرح کی غلطی ایک دوسرے مقام پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے بھی ہوئی ہے چنانچہ:

''أبوعلی جندل بن والق'' نام کا ایک راوی ہے۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں امام

مسلم سے سخت جرح نقل کرتے ہوئے کہا:

"قال مسلم فی الکنی متروک"

"امام مسلم "الکنی" میں فرماتے ہیں کہ یہ متروک ہے۔" [تهذيب التهذيب لابن حجر:۲/۱۰۲]۔

عرض ہے کہ الکنی میں "اَبوعلی جندل بن والق" کا ذکر موجود ہے لیکن اس کے کسی بھی دستیاب نسخہ میں اس راوی پر یہ جرح نہیں ملتی بلکہ اس کے فوراً بعد جو دوسرا راوی "اَبوعلی الحسن بن عمرو" ہے اس کے بارے میں امام مسلم کی جرح متروک موجود ہے۔

ظن غالب ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے امام مسلم کی جرح نقل کرنے میں سہو ہوا ہے اور سبقت نظر کے سبب بعد والے راوی سے متعلق جرح کو پہلے والے راوی سے متعلق سمجھ لیا واللہ اعلم۔

یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے امام مزی رحمہ اللہ نے مومل بن اسماعیل سے متعلق امام بخاری کی جرح منکر الحدیث نقل کردی حالانکہ امام بخاری کی کتاب میں مومل بن اسماعیل کا ذکر موجود ہے لیکن اس کے کسی بھی دستیاب نسخہ میں اس راوی پر یہ جرح نہیں ملتی بلکہ اس کے فوراً بعد جو دوسرا راوی مومل بن سعید ہے اس کے بارے میں امام بخاری کی جرح منکر الحدیث موجود ہے۔

ظن غالب ہے کہ امام مزی رحمہ اللہ سے امام بخاری رحمہ اللہ کی جرح نقل کرنے میں سہو ہوا ہے اور سبقت نظر کے سبب بعد والے راوی سے متعلق جرح کو پہلے والے راوی سے متعلق سمجھ لیا۔

❁ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۴۸) نے امام ابوزرعہ (المتوفی:۲۶۴) سے نقل کیا:

"فی حدیثه خطأ کثیر"

"اس کی حدیث میں بہت غلطی ہے۔" [ميزان الاعتدال للذهبي:۴/۲۲۸]۔

عرض ہے کہ یہ قول امام ابوزرعہ سے ثابت نہیں ہے نیز دوسرے کسی بھی امام نے امام ابوزرعہ سے مؤمل پر جرح نقل نہیں کی ہے۔

❁ ابن محرز مجہول ونامعلوم التوثیق والتعدیل نے ابن معین سے نقل کیا:

"قبیصة لیس بحجة فی سفیان ولا ابو حذیفة ولا یحیی بن آدم ولا مؤمل"

"قبیصہ سفیان کی روایت میں حجت نہیں ہے اور نہ ہی ابوحذیفہ اور نہ ہی یحییٰ بن آدم اور نہ ہی مؤمل۔" [معرفة الرجال، رواية ابن محرز:۱/۱۱۴]۔

عرض ہے کہ یہ قول امام ابن معین رحمہ اللہ سے ثابت نہیں ہے کیونکہ اسے نقل کرنے والا ابن محرز مجہول ونا معلوم التوثیق ہے۔

نیز امام ابن معین سے اس کے بالکل برعکس بات ثابت ہے وہ یہ کہ امام ابن معین رحمہ اللہ نے سفیان ثوری کی روایت میں مؤمل کو ثقہ کہا ہے چنانچہ:

امام عثمان الدارمی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۸۰) نے کہا:

"قلت ليحيى بن معين أى شيء حال المؤمل فى سفيان فقال هو ثقة قلت هو ثقة قلت هو أحب إليك أو عبيد الله فلم يفضل أحدا على الآخر"

"میں نے امام یحیٰی بن معین رحمہ اللہ سے کہا: سفیان ثوری کی حدیث میں مؤمل کی حالت کیسی ہے تو امام ابن معین رحمہ اللہ نے کہا: وہ ثقہ ہیں۔ میں نے کہا: وہ ثقہ ہیں تو یہ بتائیں کہ آپ کے نزدیک وہ زیادہ محبوب ہیں یا عبیداللہ؟ تو امام ابن معین نے ان دونوں میں سے کسی کو بھی دوسرے پر فضیلت نہیں دی۔" [الجرح والتعديل لابن أبي حاتم:۳۷۴/۸،واسناده صحيح]۔

امام ابن رجب رحمہ اللہ نے اسی قول کو عثمان بن سعید کی کتاب سے نقل کیا ہے۔ دیکھئے: [شرح علل الترمذی لابن رجب: ص:۲۷۴]۔

❁ امام مزی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۴۲) نے بغیر کسی حوالہ کے کہا:

"وَقَال غيره: دفن كتبه فكان يحدث من حفظه ، فكثر خطؤه"

"دوسرے لوگوں نے کہا ہے کہ اپنی کتابیں دفن ہونے کے بعد یہ اپنے حافظہ سے روایت کرتے تھے تو ان سے بکثرت غلطیاں ہوئیں۔" [تهذيب الكمال للمزی:۱۷۸/۲۹]۔

عرض ہے کہ یہ قول بھی ثابت نہیں ہے نیز قائل کا بھی نام معلوم نہیں۔

جارحین کے اقوال

❁ امام أبوحاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۷۷) نے کہا:

”صدوق شدید فی السنة کثیر الخطأ یکتب حدیثه“

”یہ سچے اور کٹر سنی ہیں، زیادہ غلطی کرنے والے ہیں ان کی حدیث لکھی جائے گی۔“ [الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم:۸/۳۷٤]۔

یاد رہے کہ امام ابوحاتم متشددین میں سے ہیں چنانچہ

امام ذہبی رحمہ اللہ نے کہا:

”فإنه متعنت فی الرجال“

”امام ابوحاتم راویوں پر کلام کرنے میں متشدد ہیں۔“ [سیر أعلام النبلاء للذهبی:۱۳/۲٦۰]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا:

”وأبو حاتم عنده عنت“

”ابوحاتم کے یہاں تشدد ہے۔“ [مقدمة فتح الباری لابن حجر:ص:٤٤١]۔

❁ امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی:۲۳۰) نے کہا:

”مؤمل بن إسماعیل ثقة کثیر الغلط“

”مؤمل بن اسماعیل ثقہ ہیں اور زیادہ غلطی کرنے والے ہیں۔“ [الطبقات الکبری ط دار صادر:۵/۵۰۱]۔

امام ابن سعد جمہور کے خلاف جب جرح کریں تو معتبر نہیں جیسا کہ حافظ بن حجر رحمہ اللہ کی وضاحت سے معلوم ہوتا ہے۔ دیکھئے: [مقدمة فتح الباری:۲/۳۲۲]۔

❁ امام مروزی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۹۴) نے کہا:

”إذا انفرد بحدیث وجب أن توقف ویتثبت فیه لأنه کان سیء الحفظ کثیر الغلط“

”جب یہ کسی حدیث کی روایت میں منفرد ہوں تو توقف کیا جائے گا اور چھان بین کی جائے گی، کیونکہ یہ برے حافظہ والے تھے اور زیادہ غلطی کرتے تھے۔“ [تعظیم قدر الصلاۃ: ۲/۵۷٤]۔

عرض ہے کہ امام مروزی نے ان کی منفرد حدیث میں توقف وتثبت کی بات کہی ہے علی الاطلاق رد کرنے کی بات نہیں کہی ہے۔ یاد رہے کہ ابوحنیفہ پر بھی ”سیء الحفظ“ کی جرح کی گئی ہے دیکھئے: ص ۱۹۰۔

❁ امام نسائی رحمہ اللہ (المتوفی:۳۰۳) نے کہا:

”مؤمل بن إسماعيل كثير الخطأ“

”مؤمل بن اسماعیل زیادہ غلطی کرنے والے تھے۔“[سنن النسائی الکبری :٢٦/٦]۔

یادرہے کہ امام نسائی رحمہ اللہ جرح کرنے میں متشدد ہیں چنانچہ:

امام ذہبی نے ایک مقام پرکہا:

”والنسائی مع تعنته فی الرجال، فقد احتج به“

”امام نسائی نے راویوں پر جرح میں متشدد ہونے کے باوجود ان سے حجت پکڑی ہے“[میزان الاعتدال:٤٣٧/١]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا:

”وقد احتج به النسائی مع تعنته“

”امام نسائی نے متشدد ہونے کے باوجود ان سے حجت پکڑی ہے۔“[مقدمة فتح الباری لابن حجر:ص:٣٨٧]۔

❁ امام زکریا ابن یحییٰ الساجی رحمہ اللہ (المتوفی:۳۰۷) نے کہا:

”صدوق كثير الخطأ“

”یہ سچے ہیں اور زیادہ غلطی کرنے والے ہیں۔“[تهذيب التهذيب لابن حجر:٣٣٩/١٠]۔

یادرہے کہ امام ساجی بھی جرح کرنے میں متشدد ہیں کیونکہ آپ نے بہت سارے رواۃ پر بلاوجہ کلام کیا ہے جیسا کہ امام ذہبی اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کئی مقامات پر وضاحت کی ہے مثلاً:

امام ذہبی رحمہ اللہ نے ایک مقام پر کہا:

”وضعفه زكريا الساجی بلا مستند“

”زکریا ساجی نے انہیں بغیر کسی دلیل کے ضعیف کہا ہے۔“[میزان الاعتدال للذهبی:٤٧/١]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی ایک مقام پر کہا:

”ضعفه الساجی بلا حجة“

”ساجی نے انہیں بغیر کسی دلیل کے ضعیف کہا ہے۔“[مقدمة فتح الباری لابن حجر:ص:٤٦٣]۔

امام ساجی رحمہ اللہ سے متعلق اس طرح کی بات کئی مقامات پر کہی گئی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ امام ساجی جرح میں متشدد ہیں۔

موثقین کے اقوال

(۲۵ پچیس محدثین سے مؤمل بن اسماعیل کی توثیق)

(۱) امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی:۲۳۳)

آپ نے کہا:

"ثقة"

"آپ ثقہ ہیں۔"[تاریخ ابن معین، روایة الدوری:۳/۶۰]۔

(۲) امام علی بن المدینی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۳۴)

آپ نے مؤمل سے روایت لی ہے۔ دیکھیں:[التاریخ الکبیر للبخاری:۱/۲۸۸]۔(نیز دیگر کتب رجال)

اور امام ابن المدینی صرف ثقہ سے ہی روایت کرتے ہیں۔ دیکھئے:[تھذیب التھذیب لابن حجر:۹/۱۱۴]۔ نیز دیکھیں:[مقدمة فتح الباری لابن حجر:ص:۴۳۵]۔

(۳) امام إسحاق بن راہویہ (المتوفی:۲۳۸)

آپ نے کہا:

"کان ثقة"

آپ ثقہ تھے۔[المزکیات لابی اسحاق المزکی:ص:۸۲وسندہ حسن]۔

(۴) امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی:۲۴۱)

آپ نے مؤمل بن اسماعیل سے روایت کیا ہے۔ دیکھئے:[مسند أحمد ط المیمنیة:۱/۲۶۹]۔

اور امام احمد رحمہ اللہ بھی صرف ثقہ سے روایت کرتے ہیں۔

عبداللہ بن أحمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کہا:

"کان أبی إذا رضی عن إنسان وکان عندہ ثقة حدث عنه"

میرے والد جب کسی انسان سے راضی ہوتے اور وہ ان کے نزدیک ثقہ ہوتا تو اس سے روایت کرتے تھے۔[العلل ومعرفة الرجال لأحمد:۱/۲۳۸]۔

امام ہیثمی رحمہ اللہ نے کہا:

”روى عنه أحمد، وشيوخه ثقات“

”ان سے امام احمد نے روایت کیا ہے اور امام احمد کے تمام اساتذہ ثقہ ہیں۔“[مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۱/۱۹۹]۔

نیز دیکھئے:[التنكيل بما في تأنيب الكوثري من الأباطيل :۲/۶۵۹]۔

جناب ظفر احمد تھانوی حنفی نے کہا:

”وكذا شيوخ احمد كلهم ثقات“

”اسی طرح امام احمد کے تمام اساتذہ ثقہ ہیں۔“[قواعد فی علوم الحدیث: ص:۲۱۸]۔

(۵) امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی:۲۵۶)

آپ نے صحیح بخاری میں ان سے استشہاد کیا ہے۔ دیکھئے:[صحیح البخاری :رقم:۲۷۰۰]۔

امام مزی رحمہ اللہ نے کہا:

”استشهد به البخاري“

”امام بخاری نے ان سے استشہاداً روایت لی ہے۔“[تهذيب الكمال للمزي:۲۹/۱۷۹]۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ جس سے استشہاداً روایت لیں وہ عام طور سے ثقہ ہوتا ہے۔

محمد بن طاہر ابن القیسرانی رحمہ اللہ (المتوفی:۵۰۷) کہتے ہیں:

”بل استشهد به في مواضع ليبين انه ثقه“

”امام بخاری رحمہ اللہ نے ان (حماد بن سلمہ) سے صحیح بخاری میں کئی مقامات پر استشہاداً روایت کیا ہے یہ بتانے کے لئے کہ یہ ثقہ ہیں۔“[شروط الأئمة الستة:۱۸]۔

(۶) امام أبوداؤد رحمہ اللہ (المتوفی:۲۷۵)

آپ سے ابوعبید نے نقل کرتے ہوئے کہا:

”سألت أبا داؤد عن مؤمل بن إسماعيل ، فعظمه ورفع من شأنه الا انه يهم في الشيء“

”میں نے امام ابوداؤد سے مؤمل کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اس راوی کی عظمت شان کو

بیان کیا اور کہا: لیکن یہ بعض چیزوں میں غلطی کرتے ہیں۔'' [تهذيب الكمال للمزى: ١٧٨/٢٩]۔

امام داؤد نے صرف معمولی جرح کی اور اس کے ساتھ ان کی عظمتِ شان کو بیان کیا ہے یہ سیاق اس بات کی دلیل ہے کہ امام ابوداؤد کے نزدیک مؤمل ثقہ ہیں۔

(۷) امام ترمذی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۷۹)

آپ نے مؤمل کی ایک حدیث کے بارے میں کہا:

''حسن صحيح''

''حدیث حسن صحیح ہے۔'' [سنن الترمذى ت شاكر: ٢٧٤/٢رقم:٤١٥]۔

(۸) امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ (المتوفی:۳۱۰)

آپ نے مؤمل بن اسماعیل کی ایک روایت کے بارے میں کہا:

''صح منها عندنا سنده''

''ان احادیث کی سند ہمارے نزدیک صحیح ہے۔'' [تهذيب الآثار مسند عمر، للطبرى:٨/١ ايضا : ٢١/١]۔

(۹) امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (المتوفی:۳۱۱)

آپ نے مؤمل کی کئی احادیث کو اپنی صحیح میں نقل کیا ہے جن میں سے ایک زیر بحث حدیث بھی ہے۔

(۱۰) امام بغوی رحمہ اللہ (المتوفی:۳۱۷)

آپ نے مؤمل کی ایک حدیث کے بارے میں کہا:

''صحيح''

''یہ صحیح ہے۔'' [شرح السنة للبغوى:٣٧٧/٦]۔

(۱۱) امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی:۳۵۴)

آپ نے انہیں ثقات میں ذکر کیا ہے۔[الثقات لابن حبان ت االعثمانية:١٨٧/٩]۔ دیکھئے:ص١٨٩۔

(۱۲) امام أبوبکر، الإسماعیلی (المتوفی:۳۷۱)

امام اسماعیلی نے مستخرج علی صحیح البخاری میں مؤمل کی روایت درج کی ہے۔ دیکھئے:[فتح البارى لابن حجر:٣٣/١٣]۔

❁ (۱۳) امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی:۳۸۵)

آپ نے مؤمل بن اسماعیل کی ایک حدیث کے بارے میں کہا:

"إسناده صحيح"

"اس کی سند صحیح ہے۔" [سنن الدارقطني:۱۸٦/۲]۔

❁ (۱۴) امام ابن شاہین رحمہ اللہ (المتوفی:۳۸۵)

آپ نے کہا:

"مؤمل المكي ثقة قاله يحيى"

"مؤمل مکی ثقہ ہے امام ابن معین نے یہی کہا۔" [تاريخ أسماء الثقات لابن ابن شاهين:ص:۲۳۱]۔

❁ (۱۵) امام حاکم رحمہ اللہ (المتوفی:۴۰۵)

آپ نے مؤمل کی ایک حدیث کے بارے میں کہا:

"هذا حديث صحيح الإسناد"

"یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔" [المستدرك على الصحيحين للحاكم :(ط مقبل)٦٤٨/٢]۔

❁ (۱٦) امام ابن حزم رحمہ اللہ (المتوفی:۴۵٦)

آپ نے محلی میں اس کی روایت سے حجت پکڑی ہے۔ دیکھئے: [المحلى لابن حزم:٧٤/٤]۔

اور آپ نے اس کتاب کے مقدمہ میں کہا:

"وليعلم من قرأ كتابنا هذا أننا لم نحتج إلا بخبر صحيح من رواية الثقات"

"ہماری یہ کتاب پڑھنے والا جان لے کہ ہم نے صرف ثقہ رواۃ کی صحیح روایت سے ہی حجت پکڑی ہے۔" [المحلى لابن حزم:٢١/١]۔

❁ (۱۷) امام ابن القطان رحمہ اللہ (المتوفی:٦۲۸)

آپ نے مؤمل کی ایک حدیث کے بارے میں کہا:

"وإسناده حسن"

"اس کی سند حسن ہے۔" [بيان الوهم والإيهام فى كتاب الأحكام:٨٤/٥]۔

(۱۸) امام ضیاء المقدسی رحمہ اللہ (المتوفی:٦٤٣)

امام ضیاء المقدسی رحمہ اللہ (المتوفی:٦٤٣) نے الأحادیث المختارۃ میں ان کی روایت لی، دیکھئے:

[المستخرج من الأحادیث المختارۃ مما لم یخرجه البخاری ومسلم فی صحیحیهما : ٣٨٨/٢، رقم:٧٧٤ وقال المحقق اسناده حسن]۔

(۱۹) امام منذری رحمہ اللہ (المتوفی:٦٥٦)

آپ نے مؤمل کی ایک حدیث کے بارے میں کہا:

"رواه البزار بإسناد حسن"

"اسے بزار نے حسن سند سے روایت کیا ہے۔" [الترغیب والترهیب للمنذری:١١٨/٤]۔

(۲۰) امام ابن قیم رحمہ اللہ (المتوفی:٧٥١)

آپ نے مؤمل کی ایک حدیث کے بارے میں کہا:

"رواه ابن ماجة بإسناد حسن"

"اسے ابن ماجہ نے حسن سند سے روایت کیا ہے۔" [إغاثة اللهفان : ٣٤٢/١]۔

(۲۱) امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی:٧٤٨) نے کہا:

"كان من ثقات البصريين"

"یہ بصرہ کے ثقہ لوگوں میں سے تھے۔" [العبر فی خبر من غبر : ٣٥٠/١]۔

(۲۲) امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی:٧٧٤)

آپ نے مؤمل کی ایک روایت کے بارے میں کہا:

"هذا إسناد صحيح"

"یہ سند صحیح ہے۔" [تفسیر ابن کثیر /دار طیبة :٥٢/٣]۔

(۲۳) امام ابن الملقن رحمہ اللہ (المتوفی:٨٠٤) نے کہا:

"مؤمل بن إسماعيل صدوق وقد تكلم فيه"

"مؤمل بن اسماعیل صدوق ہے اوران کے بارے میں کلام کیا گیا ہے۔" [البدر المنیر لابن الملقن:٦٥٢/٤]۔

(۲۴) امام ہیثمی رحمہ اللہ (المتوفی:۸۰۷)

آپ نے کہا:''مؤمل بن إسماعيل، وهو ثقة وفيه ضعف''

''مؤمل بن اسماعیل ثقہ ہیں اوران میں ضعف ہے۔''[مجمع الزوائد للهيثمي:۱۱۱/۸]۔

نیز مؤمل ہی کی سند سے منقول ابوموسی الاشعری کی روایت کے بارے میں کہا:

'' رواه الطبراني في الصغير، ورجاله وثقوا، وفي بعضهم كلام لا يضر''

''اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اس کے رجال مؤثق ہیں اور بعض میں ایسا کلام ہے جو مضر نہیں''

[مجمع الزوائد ومنبع الفوائد۲۶۳/۷،نیزدیکھیں :المعجم الصغير للطبرانی ۱۳۳/۱]

(۲۵) امام بوصیری رحمہ اللہ (المتوفی:۸۴۰)

آپ نے مؤمل کی ایک حدیث کے بارے میں کہا:''هذا إسناد حسن''

''یہ سند حسن ہے۔''[اتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة :۱٦٥/٦]۔

ترجیح

گذشتہ سطور میں جارحین اور موثقین دونوں کے اقوال پیش کئے جا چکے ہیں۔ان تمام اقوال کو بنظر غائر پڑھنے کے بعد ہر شخص اسی نتیجے پر پہونچے گا کہ مؤثقین کے اقوال ہی راجح ہیں ۔چنانچہ جرح وتعدیل میں تعارض کے وقت ترجیح کے جو بھی اصول ہیں، ہر اصول کی روشنی میں مؤثقین کے اقوال ہی راجح قرار پائیں گے تفصیل ملاحظہ ہو:

متشددین اور معتدلین کے اعتبار سے

جرح وتعدیل میں تعارض کے وقت اگر جرح متشددین کی طرف سے ہوتو وہ رد کردی جاتی ہے۔

اس اصول کے تحت بھی مؤمل بن اسماعیل پر کی گئی جرح قابل رد ہوگی کیونکہ ان پر خطاء کثیر کی جرح کرنے والوں کی اکثریت متشددین کی ہے جیسا کہ متعلقہ مقامات پر وضاحت کی جاچکی ہے۔

اور توثیق کرنے والوں میں امام احمد وغیرہ معتدلین میں سے ہیں ۔ بلکہ توثیق کرنے والوں میں کئی ایک متشددین میں سے بھی ہیں اور متشددین جب توثیق کرتے ہیں تو ان کی توثیق بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔

جرح مفسر اور جرح غیر مفسر کے اعتبار سے

اگر مفسر اور غیر مفسر کے لحاظ سے ترجیح دی جائے تو بھی مؤمل بن اسماعیل کی توثیق ہی راجح ہوگی۔ کیونکہ جن لوگوں نے ان پر مفسر جرح کی ہے ان کی تفسیر میں اختلاف ہے۔بعض نے زیادہ غلطی کرنے والا کہا ہے جبکہ بعض نے معمولی غلطی کرنے والا کہا ہے اور اصولی طور پر انہیں کی بات راجح ہے۔تفصیل ملاحظہ ہو:

زیادہ غلطی کرنے کا الزام درج ذیل لوگوں نے لگایا ہے:

۱: امام ابوحاتم: كثير الخطأ (زیادہ غلطی کرنے والے تھے)۔

۲: امام ابن سعد: كثير الغلط (زیادہ غلطی کرنے والے تھے)۔

۳: امام مروزی: كثير الغلط (زیادہ غلطی کرنے والے تھے)۔

۴: امام نسائی: كثير الخطاء (زیادہ غلطی کرنے والے تھے)۔

۵: ساجی: كثير الخطاء (زیادہ غلطی کرنے والے تھے)۔

اس کے برخلاف معمولی غلطی کا الزام درج ذیل لوگوں نے لگایا ہے:

۱: امام احمد: مؤمل كان يخطىء (غلطی کرتے تھے (یعنی کبھی کبھار)۔

۲: امام ابوداؤد: يهم في الشيء (بعض چیزوں میں وہم کے شکار ہوتے تھے)۔

۳: امام ابن حبان: ربما أخطأ (کبھی کبھار غلطی کرتے تھے)۔

۴: امام ہیثمی: ثقة و فيه ضعف (ثقہ ہیں لیکن ان میں ضعف ہے ضعف سے مراد معمولی غلطی ہے)۔

۵: ابن قانع: صالح يخطىء (غلطی کرتے تھے (یعنی کبھی کبھار)۔

ان تمام اقوال کے حوالے گذشتہ سطور میں پیش کئے جا چکے ہیں۔

غور فرمائیں کہ جن محدثین نے بھی ان پر مفسر جرح کی ہے وہ آپس میں متفق نہیں ہیں بلکہ بعض مؤمل کو زیادہ غلطی کرنے والا بتلا رہے ہیں اور بعض معمولی غلطی کرنے والا بتلا رہے ہیں۔اب دیکھنا یہ ہے کہ ان دونوں گروہوں میں سے کس گروہ کی بات راجح ہے۔تو درج ذیل امور کی بنا پر معمولی غلطی کی جرح کرنے والوں ہی کی بات راجح ہے۔

❁ **اولاً:-** زیادہ غلطی کرنے کی جرح جن محدثین نے کی ہے ان میں سے اکثر متشددین میں شمار ہوتے ہیں اور معتدلین کے خلاف متشددین کی جرح قابل قبول نہیں ہوتی۔

❁ **ثانیاً:-** کم غلطی کی جرح کرنے والوں میں امام ابن حبان جیسے متشدد بھی ہیں اور متشدد جب توثیق کریں تو ان کی توثیق کی زیادہ اہمیت ہوتی ہے۔ بنابریں جب ابن حبان جیسے متشدد بھی مؤمل کو معمولی غلطی کرنے والا بتلا رہے ہیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی غلطیاں زیادہ نہیں تھیں ورنہ ابن حبان رحمہ اللہ جیسے متشدد ان پر صرف معمولی جرح نہ کرتے۔

یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگیا امام ابن حبان نے ان کی توثیق میں تساہل سے کام نہیں لیا ہے بلکہ ان کی روایات کی چھان بین کرنے کے بعد انہیں ثقہ کہا اور انہیں معمولی غلطی کرنے والا بتلایا ہے۔ امام ابن حبان کی اس طرح کی توثیق کو مبنی بر تساہل نہیں کہا جائے گا کیونکہ یہ توثیق ان کے شاذ اصول (مجاہیل کی توثیق) پر مبنی نہیں بلکہ استقراء پر مبنی ہے۔ دیکھیں: [التنکیل بما فی تأنیب الکوثری من الأباطیل :۲/ ۶۶۹]

❁ **ثالثاً:-** معمولی غلطی کی جرح کرنے والوں میں سے امام احمد، مؤمل بن اسماعیل کے شاگرد ہیں یعنی مؤمل کے بارے میں اچھی طرح واقف ہیں جبکہ زیادہ جرح کرنے والوں میں کوئی بھی مؤمل کا شاگرد نہیں ہے اس لئے ظاہر ہے وہ مؤمل کے بارے میں مؤمل کے شاگردوں سے بہتر رائے نہیں دے سکتے۔

❁ جمہور کے اعتبار سے

اگر جرح وتعدیل کے اقوال میں تعارض کے وقت تطبیق یا ترجیح کی کوئی صورت نہیں ہوتی ہے تو جمہور کے قول کو راجح قرار دیا جاتا ہے۔ اس لئے اس اعتبار سے دیکھا جائے تو بھی مؤمل بن اسماعیل کی توثیق ہی راجح ہوگی کیونکہ انہیں ثقہ کہنے والوں کی تعداد ان پر جرح کرنے والوں سے کہیں زیادہ ہے۔

احناف کی گواهی

احناف میں سے بھی کئی ایک نے مؤمل بن اسماعیل کو ثقہ تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ:

❁ مولانا ظفر احمد عثانی حنفی مؤمل عن سفیان والی ایک سند کے بارے میں لکھتے ہیں:

”رجاله ثقات“

”اس کے رجال ثقہ ہیں“ [اعلاء السنن: ج:۲، ص:۹۱۵]۔

۞ علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ مؤمل کی ایک حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

”إسناده صحيح“

”اس کی سند صحیح ہے۔“ [عمدة القاری ج:۸،ص:۱۹۷]۔

۞ دیوبندی حضرات کی کتاب ”حدیث اور اہل حدیث“ میں کئی جگہ مؤمل بن اسماعیل کی حدیث کو اپنی دلیل میں پیش کیا گیا مثلا دیکھئے: حدیث اور اہل حدیث: ص۲۷۰، حدیث نمبر (۳) اسی حدیث کی سند میں ”مؤمل بن اسماعیل“ موجود ہے دیکھئے: [شرح معانی الآثار: ج۱ ص۱۹۶]۔

۞ دیوبندیوں کی کتاب ”نماز پیمبر“ میں بھی ص۲۵۰ پر پنجوقتہ نمازوں سے پہلے اور بعد کی سنتوں سے متعلق ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث نقل کی گئی ہے اس کی سند میں بھی ”مؤمل بن اسماعیل“ موجود ہے۔ دیکھئے: سنن ترمذی: ابواب الصلاۃ: باب ما جاء فیمن صلی فی یوم ولیلۃ ثنتی عشرۃ رکعۃ من السنۃ، مالہ فیہ من الفضل، حدیث رقم (۴۱۵)۔

یہ حدیث مسلم میں بھی مختصرا موجود ہے لیکن مسلم میں وہ تفصیلات نہیں ہیں جو ترمذی کی حدیث میں ہیں۔

۞ **فائدة**

بعض احناف مؤمل سے متعلق بعض جرح مفسر لیکر اسے ترجیح دینے کی کوشش کرتے ہیں، ہم واضح کر چکے ہیں کہ مؤمل پر کی گئی جرح مفسر میں بھی اختلاف ہے۔

لیکن امام ابوحنیفہ سے متعلق امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے مفسر جرح کرتے ہوئے کہا:

”ولم يسنده غير أبي حنيفة وهو سيء الحفظ عند أهل الحديث“

”اسے ابوحنیفہ کے علاوہ کسی نے مسند بیان نہیں کیا ہے اور وہ محدثین کے نزدیک سیء الحفظ ہیں۔“ [التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد: ۱۱/۴۸]

اس جرح مفسر کے بارے میں احناف کیا فرمائیں گے؟ یاد رہے کہ اس جرح مفسر کے خلاف کسی بھی امام نے ابوحنیفہ کی توثیق نہیں کی ہے۔

تفسیر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾

امام أبوالشیخ الأصبہانی رحمہ اللہ (المتوفی:۳۶۹) نے کہا:

"ثنا أبو الحريش، ثنا شيبان، ثنا حماد، ثنا عاصم الأحول، عن رجل، عن أنس رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم مثله ((ولفظ الحديث الذى قبله عندالبيهقى: قال فى هذه الآية ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾ قال:" وضع يده اليمنى على وسط يده اليسرى، ثم وضعها على صدره" وعند البيهقى: أو قال: عن النبى صلى الله عليه وسلم.")))"

"صحابیِ رسول انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾ [۱۰۸/الکوثر:۲]۔ کی تفسیر میں فرمایا کہ: اس سے (نماز میں) اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ کے بازو (کہنی سے ہتھیلی تک کے حصہ) کے درمیان رکھ کر پھر انہیں اپنے سینے پر رکھنا مراد ہے۔ سنن بیہقی کی روایت میں راوی کا شک ہے کہ یہ انس رضی اللہ عنہ کی تفسیر ہے یا انہوں نے یہ تفسیر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی ہے۔" [كتاب التفسير لأبى الشيخ الأصبهانى بحواله االدر المنثور: ۶۵۰/۸، بدون شك، والسنن الكبرى للبيهقى:۴۶/۲،ح:۲۳۳۷من طريق ابى الشيخ وفيه شك الراوى والحديث صحيح بالشواهد]۔

سنن بیہقی میں راوی کا شک منقول ہے کہ یہ تفسیر انس رضی اللہ عنہ نے کی ہے یا انس رضی اللہ عنہ نے اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔ لیکن امام سیوطی نے اسی روایت کو امام ابوالشیخ الأصبہانی رحمہ اللہ کی کتاب سے مرفوعا نقل کیا ہے اور ساتھ میں بیہقی کا بھی حوالہ دیا ہے اور سند میں کسی شک کا تذکرہ نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوالشیخ الاصبہانی رحمہ اللہ کی کتاب میں یہ سند بغیر شک کے مرفوعا مروی ہے۔ اوران کی سند عالی ہے لہٰذا اسی کو ترجیح دی جائے گی۔ بلکہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۲۷۰) نے کہا:

"وأخرج نحوه أبو الشيخ والبيهقى فى سننه عن أنس مرفوعا"

"اوراسی طرح ابوالشیخ اور بیہقی نے اپنی سنن میں انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعا نقل کیا ہے" [روح المعانی:۴۸۱/۱۵]

اس سند میں انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد کا نام درج نہیں ہے اس لئے ان کے بارے میں معلومات نہیں مل سکیں۔ ان کے علاوہ بقیہ سارے راوی معروف اور ثقہ ہیں تفصیل ملاحظہ ہو:

عاصم بن سلیمان الأحول:

آپ صحیحین سمیت سنن اربعہ کے رجال میں سے ہیں۔انہیں تمام محدثین نے ثقہ قرار دیا ہے۔ صرف یحییٰ بن سعید القطان نے انہیں بغیر کسی قوی بنیاد کے ضعیف کہا ہے جو معتبر نہیں ہے اسی لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا:

”ثقة من الرابعة لم يتكلم فيه إلا القطان فكأنه بسبب دخوله فى الولاية“

”یہ ثقہ ہیں چوتھے طبقہ کے ہیں ان کے بارے میں کسی نے کلام نہیں کیا ہے سوائے ابن القطان کے اور گویا کہ انہوں نے ولایت میں ان کے داخل ہونے کی وجہ سے ایسا کہا ہے۔“ [تقريب التهذيب لابن حجر:رقم: ٣٠٦٠]۔

نوٹ:-امام عقیلی نے انہیں اپنی کتاب ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔[الضعفاء الكبير للعقيلى:٣٣٦/٣]۔ اس کے باوجود بھی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا کہ انہیں یحییٰ بن سعید القطان کے علاوہ کسی نے ضعیف نہیں کہا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجر بھی ضعفاء پر لکھی گئی کتب میں کسی راوی کے مذکور ہونے سے یہ نہیں سمجھتے کہ ضعفاء کے مؤلفین کے نزدیک وہ ضعیف ہے۔ورنہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ یحییٰ بن سعید القطان کے ساتھ امام عقیلی کو بھی ان کی تضعیف کرنے والا بتلاتے۔

لہٰذا جو لوگ ضعفاء کی کتب میں کسی راوی کے مذکور ہونے سے یہ کہتے ہیں کہ ضعفاء کے مؤلفین نے انہیں ضعیف کہا ہے یہ سراسر غلط ہے۔مزید تفصیل کے لئے دیکھئے ہماری کتاب:[یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ:ص:٦٦٩ تا ٦٧٠]۔

ہاں اگر ضعفاء والی کسی کتاب کے مؤلف کا یہ منہج ثابت ہوجائے کہ وہ اس میں صرف ضعیف ومتروک رواۃ ہی کا ترجمہ پیش کرتے ہیں تو ایسی کتاب کا مسئلہ الگ ہے۔جیسے ضعفاء للدارقطنی۔

فائدہ:

حنفی حضرات بہت سارے مقامات پر اس راوی کی حدیث سے دلیل لیتے ہیں،مثلاً دیکھئے: حدیث اوراہل حدیث:ص:١٧١ حدیث نمبر (٤)۔اس کی سند میں یہی راوی موجود ہے۔دیکھئے: [السنن الكبرى للبيهقى :١٤٣/٢،رقم:٢٦٣٢]۔

حماد بن زید بن درہم:

آپ صحیحین سمیت سنن اربعہ کے رجال میں سے ہیں۔اور بہت بڑے ثقہ وثبت امام ہیں، آپ کے ثقہ ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔

امام أبو یعلیٰ الخلیلی رحمہ اللہ (المتوفی:۴۴۶) نے کہا:

"ثقة متفق عليه مخرج فى الصحيحين رضيه الأئمة"

"آپ بالاتفاق ثقہ ہیں، صحیحین میں ان کی احادیث ہیں اور ائمہ ان سے راضی ہیں۔" [الإرشاد فی معرفة علماء الحديث للخليلي:۲/۴۹۸]۔

فائدہ:

حنفی حضرات بہت سارے مقامات پر اس راوی کی حدیث سے دلیل لیتے ہیں ،مثلاً دیکھئے: (حدیث اور اہل حدیث :ص:۴۳۸ حدیث نمبر۴۔) اس کی سند میں یہی راوی موجود ہے دیکھئے:[صحيح البخاری:۱/۱۶۳،رقم:۸۱۸]۔

شیبان بن فروخ:

آپ صحیح مسلم،سنن ابی داؤد اور نسائی کے رجال میں سے ہیں اور ثقہ ہیں:

امام أبو زرعة الرازی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۶۴) نے کہا:

"صدوق"

"یہ صدوق ہیں۔" [الجرح و التعديل لابن أبي حاتم:۴/۳۵۷ واسناده صحيح]۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی:۳۵۴) نے انہیں ثقات میں ذکر کیا ہے۔[الثقات لابن حبان ت االعثمانية:۸/۳۱۵]۔

امام أبو علی،الغسانی رحمہ اللہ (المتوفی:۴۹۸) نے کہا:

"ثقة"

"یہ ثقہ ہیں۔" [تسمية شيوخ أبي داؤد لأبي علي الغساني: ص:۱۲۹]۔

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۴۸) نے کہا:

”شیبان بن فروخ الامام الثقة محدث البصرة“

”شیبان بن فروخ، یہ امام، ثقہ اور بصرہ کے محدث ہیں۔“ [تذكرة الحفاظ للذهبي:٢/٤٤٣]۔

فائدہ:

حنفی حضرات بہت سارے مقامات پر اس راوی کی حدیث سے دلیل لیتے ہیں، مثلاً دیکھئے: حدیث اور اہل حدیث: ص: ۵۷۱ حدیث نمبر ۱۔ اس کی سند میں یہی راوی موجود ہے دیکھئے: [صحيح مسلم: ٢١٤/١، رقم: ٢٤١]۔

❖ أحمد بن عیسی بن مخلد الکلابی أبو الحریش:

آپ ثقہ ہیں کیونکہ امام ابوبکر الاسماعیلی کے شیخ ہیں اور ان سے ایک روایت امام ابوبکر الاسماعیلی نے معجم میں نقل کی ہے اور انہوں نے اس کتاب کے مقدمہ میں صراحت کردی ہے کہ اگر کوئی ضعیف راوی ہوگا تو وہ اس کی وضاحت کریں گے۔ دیکھیں: [معجم أسامي شيوخ أبي بكر الإسماعيلي: ٣٠٩/١]۔

نیز دیکھیں: [سلسلة الأحاديث الصحيحة ١: ٢٧٥/٥]۔

یاد رہے کہ اس توثیق کے برخلاف کسی بھی محدث نے آپ پر کوئی جرح نہیں کی ہے۔ لہٰذا آپ ثقہ ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس سند کے سارے رجال ثقہ ہیں سوائے انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد کے کیونکہ ان کا نام سند میں درج نہیں ہے۔ لیکن چونکہ انہوں نے کوئی ایسی روایت بیان نہیں کی ہے جس کے مفہوم کی تائید نہ ملتی ہو بلکہ کئی روایات سے اس کے مفہوم کی تائید ہوتی ہے اس لئے ان کی یہ روایت دیگر شواہد کی روشنی میں صحیح قرار پائے گی۔

چنانچہ اس روایت میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو تفسیر منقول ہے وہی تفسیر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ سے بھی صحیح سند سے ثابت ہے جیسا کہ تفصیل آرہی ہے۔ اور یہ تفسیر ایسی نہیں ہے جس میں اجتہاد ورائے کا دخل ہو کیونکہ محض رائے اور اجتہاد سے ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ کا یہ مفہوم ہرگز نہیں معلوم کیا جاسکتا۔ اس لئے یہ حکماً مرفوع ہے لہٰذا حقیقی مرفوع کے لئے یعنی انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے لئے یہ روایات شاہد قرار پائیں گی۔

علامہ البانی رحمہ اللہ نے بہت سارے مقامات پر حکماً مرفوع روایت کو حقیقی مرفوع روایت کے لئے شاہد تسلیم کیا ہے۔ مثلاً دیکھئے: [سلسلة الأحاديث الصحيحة : ١٣٥/١]۔

حالانکہ علامہ البانی رحمہ اللہ محض موقوف روایت کو مرفوع روایت کے لئے شاہد تسلیم نہیں کرتے۔

ایک شبہہ کا ازالہ

بعض حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ﴿وَانْحَرْ﴾ کا معنیٰ قربانی کرنا کیا جاتا ہے پھر اس میں سینے پر ہاتھ باندھنے کا مفہوم کہاں سے آ گیا؟

عرض ہے کہ قربانی کے بارے میں دیگر کئی نصوص ہیں جن سے قربانی کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔ لیکن سورۃ الکوثر میں مستعمل لفظ ﴿وَانْحَر﴾ کا مفہوم قربانی کرنا نہیں ہے کیونکہ یہاں یہ مفہوم اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے بیان کردہ مفہوم کے خلاف ہے۔ ﴿وَانْحَرْ﴾ کا معنیٰ قربانی کرنا نہ تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث سے ثابت ہے اور نہ ہی کسی صحابی سے بسند صحیح ثابت ہے۔

❁ ایک روایت انس رضی اللہ عنہ سے ملتی ہے چنانچہ:

امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۰) نے کہا:

”حدثنا ابن حميد، قال: ثنا هارون بن المغيرة، عن عنبسة، عن جابر، عن أنس بن مالك، قال: كان النبي ﷺ ينحر قبل أن يصلي، فأمر أن يصلي ثم ينحر“

”صحابئ رسول انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے پہلے قربانی کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپ پہلے نماز پڑھیں پھر قربانی کریں۔“

[تفسير الطبري =جامع البيان ط هجر: ٦٩٣/٢٤]۔

عرض ہے کہ یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے کیونکہ امام طبری کا استاذ ”محمد بن حمید کذاب“ اور بہت بڑا جھوٹا راوی ہے۔ جیسا کہ ہم نے اس کی تفصیل اپنی کتاب: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: ص: ۶۰۴ پر پیش کی ہے۔ نیز دیکھئے ہماری کتاب: مسنون رکعات تراویح دلائل کی روشنی میں: ص: ۵۰۔

علاوہ بریں اس روایت میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام ہے کہ آپ شروع میں نماز سے پہلے ہی قربانی کرتے تھے اور یہ سراسر باطل ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا کچھ ثابت نہیں بلکہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی گئی قربانی کو گوشت خوری قرار دے کر اس کی مذمت کی ہے دیکھئے: [صحيح البخاری: ۱۷/۲ رقم ۹۵۵]۔

لہٰذا یہ ممکن ہی نہیں کہ جس چیز کی آپ نے اتنی شدید مذمت کی ہو اس چیز کا صدور کبھی آپ سے ہوا ہو۔

بعض لوگ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بھی کہتے ہیں آپ نے ﴿وَانْحَرْ﴾ کی تفسیر قربانی سے کی ہے۔

عرض ہے کہ یہ روایت بھی باطل اور من گھڑت ہے چنانچہ:

❁ امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۵۸) نے کہا:

”وعن الكلبي، عن أبي صالح، عن ابن عباس، يقول: صل لربك قبل أن تذبح، ثم انحر البدن“

”کلبی، ابوصالح سے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ناقل ہے کہ آپ کہتے تھے ذبح سے پہلے نماز پڑھو پھر اس کے بعد اونٹوں کو نحر کرو۔“ [معرفة السنن والآثار للبيهقي: ۲۰/۱٤]۔

اس روایت کی سند سلسلۃ الکذب ہے۔۔۔ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نیچے سارے راوی مجروح ہیں۔

انہیں میں ایک محمد بن السائب الکلبی بھی ہے جسے بہت سارے محدثین نے جھوٹا قرار دیا ہے۔

خود امام بیہقی اس کے بارے میں کہتے ہیں:

”وأبو صالح هذا والكلبي ومحمد بن مروان كلهم متروك عند أهل العلم بالحديث، لا يحتجون بشيء من رواياتهم لكثرة المناكير فيها، وظهور الكذب منهم في رواياتهم“

”یہ ابوصالح اور کلبی اور محمد بن مروان سب کے سب محدثین کے نزدیک متروک ہیں ان کی کسی بھی روایت سے محدثین حجت نہیں پکڑتے کیونکہ ان کی روایات میں بکثرت منکر اور ان کی جھوٹی باتیں ہیں۔“ [الأسماء والصفات للبيهقي: ۳۱۲/۲]۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی:۳۵۴) نے کہا:

”کان الکلبی سبئیا من أصحاب عبد الله بن سبأ“

”کلبی سبائی تھا، عبداللہ بن سبا کے ساتھیوں میں سے تھا۔“ [المجروحین لابن حبان:۲/۲۵۳]۔

بلکہ خود کلبی نے سفیان ثوری رحمہ اللہ سے کہا:

”ما حدثت عنی عن أبی صالح عن ا بن عباس فھو کذب فلا تروہ“

”تمہیں جو بات میرے حوالے سے عن ابی صالح عن ابن عباس کے طریق سے بتایا جائے وہ جھوٹ ہے تم اس کی روایت مت کرو۔“ [الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم:۷/۲۷۰ واسنادہ صحیح]۔

معلوم ہوا کہ یہ تفسیر جھوٹی ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ تفسیر ہرگز نہیں کی ہے بلکہ ان کے حوالہ سے جھوٹ بولا گیا ہے۔

❁ ایک اور روایت پیش کی جاتی ہے چنانچہ:

امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ (المتوفی:۳۱۰) نے کہا:

”حدثنی محمد بن سعد، قال: ثنی أبی، قال: ثنی عمی، قال: ثنی أبی، عن أبیه، عن ابن عباس، ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَر﴾ قال:” الصلاۃ المکتوبة، والنحر: النسک والذبح یوم الأضحی“.“

”صحابی رسول ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا کہ انہوں نے کہا: آیت ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾ [۱۰۸/الکوثر:۲]۔ کا مطلب یہ ہے کہ فرض نماز پڑھو۔ اور نحر کا مطلب قربانی اور عید کے دن ذبح کرنا ہے۔“ [تفسیر الطبری =جامع البیان ط ھجر :۲۴/۶۹۳، الدر المنثور:۸/۶۵۱]۔

عرض ہے کہ یہ روایت بھی سخت ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند مسلسل بالضعفاء ہے۔

☆ محمد بن سعد یہ محمد بن سعد العوفی ہے۔ یہ ضعیف ہے۔ تمام ناقدین نے اسے ضعیف کہا ہے سوائے امام ابن سعد کے لیکن انہوں نے بھی صیغۂ تمریض سے توثیق کی اور ساتھ میں اسے ناقابل احتجاج بھی کہا ہے چنانچہ کہا:

”وکان ثقة إن شاء الله وله أحادیث صالحة، ومن الناس من لا یحتج به“

ان شاءاللہ یہ ثقہ تھا اور اس کی کچھ درست احادیث ہیں اور یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن سے حجت نہیں لی جائے گی۔[الطبقات الکبری ط دار صادر:٦/٣٠٤]۔

☆اس کا بیٹا الحسن بن عطیۃ العوفی بھی ضعیف ہے۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی:۸۵۲) نے کہا:

”ضعیف“

”یہ ضعیف ہے۔[تقریب التهذیب لابن حجر:رقم:١٢٥٦]۔

☆اس کا پوتا الحسین بن الحسن العوفی بھی ضعیف ہے۔امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی:۳۵۴) نے کہا:

”منکر الحدیث“

”یہ منکر الحدیث ہے۔“[المجروحین لابن حبان:١/٢٤٦]۔

☆اس پوتے کے بھتیجے سعد بن محمد العوفی کو کسی نے ثقہ نہیں کہا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اسی سند سے آنے والی ایک تفسیری روایت کو ضعیف قرار دیتے ہوئے کہا:

”إنما هو عندی فی تفسیر عطیة العوفی بروایة أولاده عنه ، وهو إسناد ضعیف“

”میرے پاس یہ عطیہ العوفی کی تفسیر میں ہے جسے اس کی اولاد نے روایت کیا ہے اور یہ سند ضعیف ہے۔“[معرفة السنن والآثار للبیهقی:٩/٢٤٣]۔

معلوم ہوا کہ ﴿وَانْحَرْ﴾ کی تفسیر میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے صرف یہی ثابت ہے کہ اس سے مراد نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا ہے۔اس کے مخالف کوئی تفسیر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے ثابت نہیں لہٰذا اسی کو اختیار کرنا ضروری ہے۔رہی قربانی کی مشروعیت تو اس کے لئے دیگر نصوص کی کمی نہیں ہے۔

فصل دوم

آثار صحابہ رضی اللہ عنہم

حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ تفسیر ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾

امام إبراہیم بن إسحاق الحربی (المتوفی:۲۸۵) نے کہا:

"حدثنا أبو بکر بن أبی الأسود حدثنا أبو رجاء الکلیبی عن عمرو بن مالک عن أبی الجوزاء عن ابن عباس: فصل لربک وانحر قال: وضع یدہ عند النحر"

"مفسرِ قرآن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾ [۱۰۸/الکوثر:۲] کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے (نماز میں) ہاتھوں کو نحر کے پاس (یعنی سینے پر) رکھنا مراد ہے" [غریب الحدیث للحربی: ۴۴۳/۲ واسنادہ صحیح، واخرجہ البیہقی: ج:۲، ص:۴٤ من طریق ابی رجاء بہ]۔

مزید حوالے:

☆ (غریب الحدیث للحربی: ۴۴۳/۲)

☆ (سنن البیہقی الکبریٰ (تحقیق محمد عبدالقادر عطا): ج:۲، ص:۳۱، کتاب الحیض: باب وضع الیدین علی الصدر فی الصلوٰۃ من السنۃ، حدیث نمبر: ۲۱۶۸)۔

☆ (سنن البیہقی الکبریٰ (ابوعبداللہ عبدالسلام بن محمد): ج:۲، ص:۴۴، کتاب الحیض: باب وضع الیدین علی الصدر فی الصلوٰۃ من السنۃ، حدیث نمبر: ۲۳۸۷)۔

امام سیوطی رحمہ اللہ نے کہا:

"وأخرج ابن أبی حاتم من طریق أبی الجوزاء عن ابن عباس فی قولہ: ﴿وَانْحَر﴾ قال وضع الیمین علی الشمال عند النحر فی الصلاۃ، ففی الآیۃ مشروعیۃ ذلک"

مفسر قرآن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾ [۱۰۸/الکوثر:۲] کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے (نماز میں) ہاتھوں کو نحر کے پاس (یعنی سینے پر) رکھنا مراد ہے۔ لہٰذا اس آیت میں اس بات کی مشروعیت ہے [الإکلیل فی استنباط التنزیل: ص: ۳۰۰]۔

یہ روایت حکماً مرفوع ہے کیونکہ محض رائے اور اجتہاد سے ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾ کی یہ تفسیر نہیں کی جا سکتی۔ اور جب یہ حکماً مرفوع ہے تو گذشتہ انس رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث کے لئے صحیح شاہد ہے کیونکہ اس کی سند بالکل صحیح ہے تفصیل ملاحظہ ہو:

ابوالجوزاء أوس بن عبداللہ الربعی:

امام أبوزرعۃ الرازی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۶۴) نے کہا:

”بصری ثقة“

”آپ بصری اور ثقہ ہیں۔“[الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم:۳۰٤/۲ واسنادہ صحیح]۔

امام أبوحاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۷۷) نے کہا:

”ثقة“

”آپ ثقہ ہیں۔“[الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم:۳۰٤/۲]۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی:۳۵۴) نے آپ کو ثقات میں ذکر کرتے ہوئے کہا:

”کان عابدا فاضلا“

”آپ عابد اور فاضل تھے۔“[الثقات لابن حبان ت االعثمانیة:٤۲/٤]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی:۸۵۲) نے کہا:

”الثقة“

”آپ ثقہ ہیں۔“[تقریب التھذیب لابن حجر:رقم:۵۷۷]۔

ایک شبہہ کا ازالہ:

بعض لوگوں نے بغیر کسی بنیاد کے یہ دعوی کردیا کہ ابوالجوزاء کا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں ہے[درھم الصرة فی وضع الیدین تحت السرة :ص۲۸]۔

عرض ہے کہ احناف نے یہ بات امام ابن عدی رحمہ اللہ کی اس عبارت سے اخذ کی ہے جس میں امام ابن عدی رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کے قول کی تفسیر پیش کی ہے۔حالانکہ امام ابن عدی رحمہ اللہ کی اس عبارت میں بھی ایسی بات ہرگز نہیں ہے۔اس کی تفصیل ہم آگے پیش کریں گے لیکن اس سے قبل ہم عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ابوالجوزاء کے سماع کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔چنانچہ:

امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی:۲۴۱) نے کہا:

"حدثنا وكيع ، حدثنا سليمان بن على الربعى ، قال:سمعت أبا الجوزاء ، قال : سمعت ابن عباس يفتى فى الصرف ..."

"ابوالجوزاء کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سنا وہ سونے چاندی کی خرید وفرخت کے سلسلے میں فتوی دے رہے تھے۔۔۔" [مسند أحمد ط الميمنية:۴۸/۳ واسناده صحيح على شرط مسلم]

اس روایت میں ابوالجوزاء نے صراحت کردی ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن عباس سے سنا ہے اورابوالجوزاء تک اس کی سند بالکل صحیح ہے۔اورابوالجوزاء بخاری ومسلم سمیت کتب ستہ کے زبردست ثقہ راوی ہیں۔لہذا ان کا بیان معتبر ہے۔

اس دلیل سے اظہر من الشمس ہوگیا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ابوالجوزاء کا سماع ثابت ہے۔نیز:

امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی:۲۴۱) نے کہا:

"حدثنا يونس، قال: حدثنا حماد بن زيد، عن عمرو بن مالك، قال: سمعت أبا الجوزاء يقول: جاورت ابن عباس ثنتى عشرة سنة، وما من القرآن آية إلا وقد سألته عنها"

"ابوالجوزاء کہتے ہیں کہ میں بارہ سال تک عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس رہا اورقرآن کی کوئی آیت نہیں ہے جس کے بارے میں میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا نہ ہو۔" [العلل لأحمد، ت الأزهرى:۴۳/۲ واسناده صحيح رجاله رجال الشيخين عدا النكرى وهو ثقه،واخرجه ايضا ابن سعدفى الطبقات الكبرى ط دار صادر:۲۲۴/۷ من طريق عارم به واسناده صحيح ايضا]

اس روایت میں ابوالجوزاء رحمہ اللہ نے کہا کہ میں بارہ سال تک عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس رہا ہوں۔

یہ روایات اس بات کی بین اورواضح دلیل ہیں کہ ابوالجوزاء رحمہ اللہ کا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہے۔

اس لئے کئی محدثین نے صراحت کی ہے کہ ابوالجوزاء نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے سنا ہے چنانچہ:

☆ محمد بن طاہر ابن القیسرانی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۰۷) نے کہا:

"أوس بن عبد الله ...سمع ابن عباس رضی الله عنه روی عنه ابو الأشهب جعفربن حيان عندالبخاری وسمع عائشه رضی الله عنها"

"اوس بن عبداللہ۔۔۔نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سنا ہے، ان سے ابوالاشہب جعفر بن حیان نے بخاری میں روایت کیا ہے اور انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی سنا ہے" [الجمع بين رجال الصحيحين: ١/٤٦]۔

☆ أبوبکر الحازمی الہمدانی (المتوفی ۵۸۴) فرماتے ہیں:

"أبو الجوزاء أوس بن عبد الله الرَّبعی سمع عائشة وابن عباس"

"ابوالجوزاء اوس بن عبداللہ الربعی انہوں نے عائشہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا ہے۔" [عجالة المبتدی وفضالة المنتهی فی النسب ص١٩]

امام بخاری رحمہ اللہ بھی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ابوالجوزاء کے سماع کے قائل ہیں بلکہ امام بخاری نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ابوالجوزاء کی روایت صحیح بخاری میں نقل کی ہے چنانچہ کہا:

"حدثنا مسلم بن إبراهيم، حدثنا أبو الأشهب، حدثنا أبو الجوزاء ، عن ابن عباس رضی الله عنهما، فی قوله :(اللات والعزی)(النجم:١٩) **كان اللات رجلا يلت سويق الحاج"**

ہم سے مسلم بن ابراہیم فراہیدی نے بیان کیا، کہا ہم سے ابوالاشہب جعفر بن حیان نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے ابوالجوزاء نے بیان کیا اور ان سے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے لات اور عزیٰ کے بارے میں کہا کہ لات ایک شخص کو کہتے تھے وہ حاجیوں کے لیے ستو گھولتا تھا۔ [صحيح البخاری :٦/١٤١ رقم ٤٨٥٩]

ان دلائل سے قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ابوالجوزاء رحمہ اللہ کا سماع ثابت ہے۔

اب آیئے احناف کے اس دعوی کی حقیقت دیکھتے ہیں کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ابوالجوزاء کا سماع ثابت نہیں ہے چنانچہ محمد ہاشم ٹھٹھوی حنفی صاحب نے نھایۃ التقریب میں منقول ابن عدی کی بعض عبارتوں کا حاصل کلام نقل کرتے ہوئے کہا:

''وابوالجوزاء روی عن الصحابة وارجوانه لاباس به ،ولایصح روایته عنهم ، ولاانه سمع منهم ،وقول البخاری :فی اسناده نظر یریدانه لم یسمع شیئامنهم انتهی مامحصله''

یعنی ابن عدی نے کہا کہ: ''ابوالجوزاء نے صحابہ سے روایت کیا ہے اور مجھے امید ہے کہ ان میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے اور صحابہ سے ان کی روایت صحیح نہیں ہے اور نہ ہی یہ بات صحیح ہے کہ صحابہ سے انہوں نے سنا ہے۔اور امام بخاری کے قول'' **فی اسناده نظر**'' میں امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ انہوں نے صحابہ سے کچھ بھی نہیں سنا ہے'' [درهم الصرة فی وضع الیدین تحت السرة :ص۲۸]۔

عرض ہے کہ اس عبارت میں امام ابن عدی اور امام بخاری دونوں کے کلام میں تحریف کی گئی ہے اور دونوں کی طرف غلط بات منسوب کی گئی ہے۔اور سچائی یہ ہے کہ عبداللہ بن عباس سے ابوالجوزاء کے سماع کا انکار نہ تو امام ابن عدی نے کیا ہے اور نہ ہی امام بخاری نے کیا ہے۔ہم سب سے پہلے امام ابن عدی کے الفاظ دیکھتے ہیں چنانچہ:

امام ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفی ۳۶۵) نے کہا:

''وأبو الجوزاء روى عن الصحابة :ابن عباس، وعائشة، وابن مسعود، وأرجو أنه لا بأس به، ولا تصحح روايته عنهم أنه سمع منهم. وقول البُخارى:فی إسناده نظر، أنه لم يسمع من مثل ابن مسعود، وعائشة، وغيرهما، لا أنه ضعيف عنده، وأحاديثه مستقيمة''

''ابوالجوزاء نے صحابہ میں عبداللہ بن عباس، عائشہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ان میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور صحابہ میں اِن لوگوں سے اِن کی روایت، اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ انہوں نے ان سے سنا ہے۔اور امام بخاری نے (ابوالجوزاء کی ایک روایت کے سلسلے میں) جو یہ کہا کہ اس کی سند میں نظر ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن مسعود

اوراماں عائشہ رضی اللہ عنہما جیسے لوگوں سے (یعنی ان کے طبقہ والوں سے) نہیں سنا ہے، نہ کہ یہ مطلب ہے کہ ابوالجوزاء ان کے نزدیک ضعیف ہیں۔اوران کی احادیث درست ہیں“[الکامل لابن عدی طبعة الرشد: ۲/ ۳۳۱]۔

غورکریں اس عبارت میں نہ تو امام ابن عدی نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ابوالجوزاء کے سماع کا انکار کیا ہے اور نہ ہی امام بخاری رحمہ اللہ سے ایسا کچھ نقل کیا ہے۔

امام ابن عدی نے صرف یہ کہا ہے کہ صحابہ سے ابوالجوزاء کی محض روایت اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ انہوں نے ان سے سنا ہے۔یعنی ابن عدی صحابہ سے ابوالجوزاء کی محض روایت ہی کو صحابہ سے ان کے سماع کے ثبوت کے لئے کافی نہیں سمجھتے لیکن اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ ابن عدی صحابہ سے ان کے سماع ہی کے منکر ہیں؟ انہوں نے صرف ایک چیز کے بارے میں کہا ہے کہ یہ چیز سماع کی دلیل نہیں ہے یہ تو نہیں کہا ہے ان کے سماع پر کوئی بھی دلیل موجود نہیں ہے ! بلکہ آگے بعض صحابہ سے ان کے سماع کی طرف خود انہوں نے اشارہ کیا ہے چنانچہ آگے انہوں نے مطلق صحابہ سے ان کے سماع کا انکار نہیں کیا بلکہ امام بخاری کے قول کی روشنی میں صرف عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اوراماں عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے طبقہ والوں سے ابوالجوزاء کے سماع کی نفی کی ہے اور یہ نفی بھی خود نہیں کی ہے بلکہ اسے امام بخاری رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا۔

اورعبداللہ بن عباس، اماں عائشہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کے طبقہ کے نہیں ہیں۔اسی لئے امام ابن عدی نے ان کا نام نہیں لیا ہے حالانکہ امام بخاری رحمہ اللہ کے قول میں اماں عائشہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر ہے کما سیاتی۔لیکن امام ابن عدی نے انکار سماع کی بات کو صرف اماں عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے طبقہ تک محدود رکھا ہے۔اسی لئے اماں عائشہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام لیا حالانکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ذکر امام بخاری کے قول میں نہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ابوالجوزاء کے سماع کے منکر نہیں بلکہ قائل ہیں۔

اور یہ ساری بات اس صورت میں کہی جائے گی جب ہم یہ بات مان لیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے

اپنے قول میں ” فی اسنادہ نظر “ سے بعض صحابہ سے ابوالجوزاء کا عدم سماع مراد لیا ہے۔جیسا کہ ابن عدی نے سمجھا ہے۔لیکن تحقیق کی روشنی میں امام ابن عدی کی طرف سے امام بخاری کے قول کی یہ تفسیر بھی درست نہیں تفصیل ملاحظہ ہو:

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی ۲۵۶) نے ابوالجوزاء کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

”قال لنا مسدد عن جعفر بن سليمان عن عمرو بن مالك النكرى عن أبى الجوزاء قال أقمت مع ابن عباس وعائشة اثنتى عشرة سنة ليس من القرآن آية إلا سألتهم عنها قال محمد فى إسناده نظر“

”ابوالجوزاء کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس اوراماں عائشہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ بارہ سال گذارے ۔اس دوران قران کی کوئی آیت ایسی نہیں بچی جس کے بارے میں میں نے ان سے پوچھا نہ ہو۔امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اس کی سند میں نظر ہے“[التاريخ الكبير للبخارى:١٦/٢]۔

یہاں ” فی اسنادہ نظر “ (اس کی سند میں نظر ہے) سے امام بخاری رحمہ اللہ کی کیا مراد ہے اس بارے میں اہل علم میں اختلاف ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے[مقدمة فتح البارى لابن حجر:ص:٣٩٢]۔

چنانچہ بعض نے کہا کہ اس سے مراد عمرو بن مالک النکری کی تضعیف ہے۔یہ غلط ہے اس کی تردید آگے آرہی ہے۔

بعض نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ ابوالجوزاء کی تضعیف کرنا چاہتے ہیں۔یہ بات بھی باطل ہے کیونکہ خود امام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری میں اصولا ابوالجوزاء کی روایات درج کی ہیں مزید یہ کہ امام بخاری نے ضعفاء میں ابوالجوزاء کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔

بعض لوگوں نے کہا کہ: اس سے مراد یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا اوراس طبقہ کے صحابہ سے ابوالجوزاء کے سماع کا انکار کررہے ہیں۔یہ امام ابن عدی کا موقف ہے چناچہ :

امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ويقول البخارى فى إسناده نظر انه لم يسمع من مثل ابن مسعود وعائشة

وغيرهما لا انه ضعيف عنده"

''امام بخاری کے قول فی ''اسنادہ نظر'' (اس کی سند میں نظر ہے) سے امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ ابوالجوزاء نے ابن مسعود اور اماں عائشہ رضی اللہ عنہما اور ان کے طبقہ والوں سے نہیں سنا ہے۔ امام بخاری کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ابوالجوزاء ان کے نزدیک ضعیف ہے'' [الكامل لابن عدى طبعة الرشد: ٣٣١/٢]۔

عرض ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے قول کی یہ تفسیر بھی درست نہیں ہے کیونکہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی ابولجوزاء کا سماع ثابت ہے۔ چنانچہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہ سے ابوالجوزاء کی حدیث صحیح مسلم میں ہے۔ دیکھئے: [صحيح مسلم: ٣٥٧/٢ رقم ٤٩٨]۔

اور بہت سارے ائمہ نے اماں عائشہ سے ابوالجوزاء کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔ نیز کئی ائمہ نے اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے ابوالجوزاء کے سماع کی صراحت کی ہے جیسا کہ پیچھے محمد بن طاہر ابن القیسر انی اور أبوبکر الحازمی الہمدانی کے اقوال نقل کئے جا چکے ہیں (ص۲۰۳) اور ایک مزید دلیل آگے آرہی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر امام بخاری رحمہ اللہ کے اس قول میں سماع کا انکار بھی مراد نہیں، ابوالجوزاء اور نکری کی تضعیف بھی مراد نہیں تو پھر کیا مراد ہے؟

تو عرض ہے کہ ابوالجوزاء کا یہ بیان بسند صحیح ثابت ہے کہ وہ بارہ سال تک عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس رہے جیسا کہ پیچھے روایت گذری۔

لیکن یہاں اس روایت میں ان کی یہی صحبت ومجاورت اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بھی بیان کردی گئی ہے۔ یعنی اس روایت میں آ گیا کہ ابوالجوزاء ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرح اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھی بارہ سال تک تھے۔ یہ بات محل نظر ہے کیونکہ ابوالجوزاء کا یہ بیان ابن عباس رضی اللہ عنہ کے تعلق سے ہے نہ کہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہ کے تعلق سے اس لئے اس روایت میں اماں عائشہ رضی اللہ عنہ کے تعلق سے بھی ان کا یہی بیان نقل کیا جانا محل نظر ہے اسی لئے امام بخاری نے یہاں فی اسنادہ نظر کہا ہے۔

چنانچہ پیچھے روایت گذر چکی ہے کہ ابوالجوزاء کے اسی بیان کو عمرو بن مالک النکری ہی کے طریق سے حماد بن زید نے بھی صحیح سند سے روایت کیا ہے لیکن انہوں نے یہ بات صرف ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی

کے تعلق سے نقل کی ہے۔ بلکہ حماد بن زید ہی کی ایک روایت میں اس بات کی صراحت بھی ہے کہ ابوالجوزاء اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نہیں رہے ہیں بلکہ ان کے آس پاس رہے ہیں چنانچہ:

امام أبونعیم رحمہ اللہ (المتوفی ۴۳۰) نے کہا:

”حدثنا علی بن الفضل، قال: ثنا محمد بن أیوب، قال: ثنا سلیمان بن حرب، قال: ثنا حماد بن زید، عن عمرو بن مالک، عن أبی الجوزاء، قال: جاورت ابن عباس اثنتی عشرة سنة فی داره، وما من القرآن آیة إلا وقد سألته عنها، وکان رسولی یختلف إلی أم المؤمنین غدوة وعشیة، فما سمعت من أحد من العلماء ولا سمعت أن الله تعالی یقول لذنب: إنی لا أغفره إلا الشرک به“

”ابوالجوزاء کہتے ہیں کہ میں بارہ سال تک عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس رہا اور قرآن کی کوئی آیت نہیں ہے جس کے بارے میں میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا نہ ہو۔ اور میرا قاصد صبح وشام اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آتا جاتا تھا۔ تو میں نے کسی بھی عالم سے اور کہیں سے بھی یہ نہیں سنا کہ اللہ تعالی نے کسی گناہ کے بارے میں کہا ہو کہ میں اسے نہیں بخشوں گا سوائے اس کے کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے“ [حلیة الأولیاء وطبقات الأصفیاء :۷۹/۳ واسنادہ صحیح]

حماد بن زید کی ان روایات سے معلوم ہوا کہ ابوالجوزاء کا صحیح بیان یہی ہے کہ انہوں بارہ سال کی مدت ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی کے ساتھ گذاری ہے نہ کہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ۔ اس لئے جعفر بن سلیمان نے اس معاملہ میں اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی شامل کر کے غلطی کی ہے۔ لہٰذا ان کی سند محل نظر ہے اسی لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا فی اسنادہ نظر۔

موخر الذکر روایت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے ابوالجوزاء نے لازما سنا ہوگا کیونکہ جب ان کو نہ صرف یہ کہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کا دور ملا، بلکہ وہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے اتنے قریب رہتے تھے کہ ان کا قاصد ان کے حکم سے صبح وشام اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس مسائل پوچھنے کے لئے آتا جاتا تھا۔ تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ خود براہ راست اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے کبھی نہ ملے ہوں؟

الغرض یہ کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے اس قول سے مراد نہ تو ابوالجوزاء یا عمرو بن مالک النکری کی تضعیف ہے اور نہ ہی اماں عائشہ یا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ابوالجوزاء کے سماع کا انکار ہے بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ابولجوزاء کی روایت تو خود امام بخاری نے صحیح بخاری میں پوری سند کے ساتھ ذکر کی ہے کما مضیٰ۔ اور امام ابن عدی رحمہ اللہ نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ابولجوزاء کے سماع کا انکار نہیں کیا ہے۔

نہ ہی امام بخاری رحمہ اللہ کے قول کی تفسیر میں امام بخاری کی طرف یہ بات منسوب کی ہے۔

لہٰذا محمد ہاشم ٹھٹھوی حنفی رحمہ اللہ صاحب کا امام ابن عدی کے کلام میں تحریف کر کے خود ساختہ مفہوم کو امام ابن عدی اور پھر امام بخاری رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرنا باطل ہے۔

❖ عمرو بن مالک النکری:

❖ امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی:۲۳۳) نے کہا:

”ثقة“

”آپ ثقہ ہیں۔“ [سؤالات ابن الجنید :ص:۴۲۰]۔

❖ امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی:۳۵۴) نے آپ کو ثقات میں ذکر کیا ہے دیکھئے: [الثقات لابن حبان ت االعثمانية:۲۲۸/۷]۔

اور ایک دوسری کتاب میں کہا:

”هو فى نفسه صدوق اللهجة“

”یہ بذاتِ خود صدوق ہیں۔“ [مشاهير علماء الأمصار :ص:۱۵۵]۔

❖ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۴۸) نے کہا:

”ثقة“

”آپ ثقہ ہیں۔“ [ميزان الاعتدال للذهبى:۲۸۶/۳]۔

❖ امام ہیثمی رحمہ اللہ (المتوفی ۸۰۷) نے کہا:

”ثقة“

”آپ ثقہ ہیں۔“ [مجمع الزوائد ومنبع الفوائد:۷۷/۸]

درج ذیل اقوال سے تضعیف ثابت نہیں ہوتی:

✿ عبداللہ بن أحمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی:۲۹۰) نے کہا:

”سمعت أبی یقول لم تثبت عندی صلاۃ التسبیح وقد اختلفوا فی إسنادہ لم یثبت عندی و کأنہ ضعف عمرو بن مالک“

”میں نے اپنے والد سے کہتے ہوئے سنا کہ: میرے نزدیک صلاۃ تسبیح ثابت نہیں ہے اس کی سند میں اختلاف ہے اور یہ میرے نزدیک ثابت نہیں ہے گویا کہ آپ نے عمرو بن مالک کو ضعیف قرار دیا۔“

[مسائل الإمام أحمد روایة ابنه عبد الله :ص:۸۹]۔

عرض ہے کہ اس تضعیف سے مراد عمرو بن مالک پر معمولی جرح بھی ہوسکتی ہے یعنی ممکن ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے خاص صلاۃ التسبیح والی حدیث میں عمرو بن مالک پر اعتماد نہ کیا ہو۔ کیونکہ اس کے اندر نکارت ہے۔ نیز امام احمد رحمہ اللہ کے ایک دوسرے شاگرد علی بن سعید بن جریر النسوی نے امام احمد کی اس جرح کو ”**وفیہ مقال**“ (عمرو بن مالک کے بارے میں کلام ہے) کے الفاظ سے پیش کیا ہے۔[اللآلیء المصنوعة فی الأحادیث الموضوعة:۳۸/۲]۔ اور یہ الفاظ معمولی جرح پر دلالت کرتے ہیں۔ مزید یہ کہ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی جرح کی کوئی تفسیر بھی نہیں کی ہے بلکہ امام احمد نے اپنے الفاظ میں عمرو بن مالک پر جرح بھی نہیں کی ہے یہ تو ان کے شاگردوں نے سیاق وسباق سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے۔ لہٰذا ثابت شدہ صریح توثیق کے مقابلہ میں جرح غیر مفسر قابل قبول نہیں ہے۔

✿ امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی:۲۵۶) نے ابوالجوزاء کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

”قال لنا مسدد عن جعفر بن سلیمان عن عمرو بن مالک النکری عن أبی الجوزاء قال أقمت مع بن عباس وعائشة اثنتی عشرة سنة لیس من القرآن آیة إلا سألتهم عنها قال محمد فی إسنادہ نظر“

”ابوالجوزاء کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس اور اماں عائشہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ بارہ سال گذارے اس دوران قرآن کی کوئی آیت ایسی نہیں بچی جس کے بارے میں میں نے ان سے پوچھا نہ ہو۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کی سند میں نظر ہے۔“[التاریخ الکبیر للبخاری:۱۶/۲]۔

یہاں **"فی اسنادہ نظر"** (اس کی سند میں نظر ہے) سے امام بخاری رحمہ اللہ کی کیا مراد ہے اس کی وضاحت ابوالجوزاء رحمہ اللہ کی توثیق پر بحث کرتے ہوئے ہوچکی ہے اور بتایا جاچکا ہے اس سے امام بخاری کا مقصود ابوالجوزاء یا عمرو بن مالک النکری کی تضعیف نہیں ہے مگر:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا:

"وقول البخاری فی إسنادہ نظر ویختلفون فیہ إنما قالہ عقب حدیث رواہ لہ فی التاریخ من روایۃ عمرو بن مالک النکری، والنکری "ضعیف عندہ."."

"امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ کہنا: **"فی اسنادہ نظر"** (اس کی سند محل نظر ہے) اس میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ بات ایک حدیث کے بعد کہی ہے جسے اپنی کتاب تاریخ میں عمرو بن مالک النکری سے روایت کیا ہے۔ اور النکری امام بخاری کے نزدیک ضعیف ہے۔" [تھذیب التھذیب :۳۷۷/۳]۔

عرض ہے کہ یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ابوالجوزاء کا ترجمہ پیش کرتے ہوئے یہ روایت درج کی ہے اور اس کے بعد مذکورہ کلام کیا ہے۔ اگر امام بخاری رحمہ اللہ کی نظر میں عمرو بن مالک النکری ضعیف ہوتے تو امام بخاری رحمہ اللہ اسی کا ترجمہ پیش کر کے مذکورہ کلام کرتے۔

مزید یہ کہ اگر یہ امام بخاری رحمہ اللہ کی نظر میں ضعیف ہوتے تو امام بخاری اپنی ضعفاء والی کتاب میں بھی ان کا ذکر کرتے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے ایسا نہیں کیا ہے۔ لہٰذا اس قول سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود عمرو بن مالک النکری کی تضعیف ہرگز نہیں ہے۔

بلکہ خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی فتح الباری میں کہا:

"شرح ابن عدی مراد البخاری فقال یرید أنہ لم یسمع من مثل بن مسعود وعائشۃ وغیرھما لا أنہ ضعیف عندہ"

"امام ابن عدی رحمہ اللہ نے امام بخاری کی مراد کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ: امام بخاری رحمہ اللہ کی مراد یہ ہے کہ ابوالجوزاء نے ابن مسعود اور اماں عائشہ رضی اللہ عنہما وغیرہما سے سنا نہیں ہے۔ امام بخاری کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ابوالجوزاء ان کے نزدیک ضعیف ہے۔" [فتح الباری لابن حجر: ۳۹۲/۱]۔

یہاں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی امام ابن عدی کے حوالے سے یہی نقل کیا ہے کہ امام بخاری کے اس قول میں کسی راوی کی تضعیف مراد نہیں ہے۔

لہٰذا جب یہاں پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تسلیم کرلیا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد کسی راوی کی تضعیف نہیں ہے تو تہذیب میں مذکور آپ کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

نیز اس تعلق سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے کلام کا دارومدار امام بخاری کے قول ''فی اسنادہ نظر'' پر ہے اور اس کا کیا مفہوم ہے یہ ہم دلائل کے ساتھ گذشتہ صفحات میں بیان کرچکے ہیں۔

❁ امام ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفی:۳۶۵) نے کہا:

''اوس بن عبد الله أبو الجوزاء هذا يحدث عنه عمرو بن مالك النكرى، يحدث عن أبى الجوزاء هذا أيضا عن ابن عباس قدر عشرة أحاديث غير محفوظة''

''اوس بن عبداللہ ابوالجوزاء ان سے عمرو بن مالک النکری روایت کرتے ہیں۔ اور النکری یہ بھی ابوالجوزاء سے تقریباً دس غیر محفوظ احادیث روایت کرتے ہیں۔'' [الكامل فى الضعفاء :۱/۱ ۴۱]۔

عرض ہے تقریباً دس احادیث کوئی بہت بڑی تعداد نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے اس طریق کو ضعیف کہہ دیا جائے نیز یہ فیصلہ بھی صرف امام ابن عدی رحمہ اللہ کا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان احادیث میں قصور النکری کا نہیں بلکہ ان سے نیچے کے رواۃ کا ہو جیسا کہ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے صراحت کرتے ہوئے کہا:

''عمرو بن مالك النكرى أبو مالك والد يحيى بن عمرو وقعت المناكير فى حديثه من رواية ابنه عنه وهو فى نفسه صدوق اللهجة''

''عمرو بن مالک النکری ابو مالک، یہ یحییٰ بن عمرو کے والد ہیں ان کی حدیث میں نکارت ان سے ان کے بیٹے کی روایات میں ہے اور یہ فی نفسہ صدوق ہیں۔'' [مشاهير علماء الأمصار :ص: ۱۵۵]۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ کی وضاحت سے معلوم ہوا کہ عمرو بن مالک کی ان روایات میں نکارت ہے جنہیں ان سے ان کے بیٹے نے روایت کیا ہے۔ لہٰذا ہم اس نکارت کی ذمہ داری خود عمرو بن مالک پر نہیں ڈال سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ دیگر محدثین نے انہیں علی الاطلاق ثقہ کہا ہے۔

علاوہ بریں امام ابن عدی رحمہ اللہ نے جن احادیث کی طرف اشارہ کیا ہے ان کا تذکرہ نہیں کیا ہے اور زیر بحث روایت ان میں سے ہرگز نہیں ہوسکتی کیونکہ اس روایت میں عمرو بن مالک کی مخالفت کسی بھی دوسرے طریق سے ثابت نہیں ہے۔

تنبیہ:

☆امام ابن عدی فرماتے ہیں:

”عمرو بن مالک النکری بصری منکر الحدیث عن الثقات ویسرق الحدیث“

”عمرو بن مالک النکری بصری یہ ثقات سے منکر احادیث بیان کرتا ہے اور حدیث چوری کرتا ہے۔“ [الکامل فی الضعفاء: ۱۵۰/۵]۔

☆اس کے بعد امام ابویعلیٰ سے ”عمرو بن مالک النکری“ کی تضعیف نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”سمعت أبا یعلی یقول عمرو بن مالک النکری کان ضعیفا“

”میں نے ابویعلیٰ کو کہتے ہوئے سنا کہ: عمرو بن مالک النکری ضعیف تھا۔“ [الکامل فی الضعفاء: ۱۵۰/۵]۔

☆امام ابن حبان فرماتے ہیں:

”عمرو بن مالک النکری من أهل البصرة یروی عن الفضیل بن سلیمان ثنا عنه إسحاق بن إبراهیم القاضی وغیره من شیوخنا یغرب ویخطیء“

”عمرو بن مالک النکری یہ اہل بصرہ میں سے ہے جو فضیل بن سلیمان سے روایت کرتا ہے ہم سے اس کے واسطے سے ہمارے شیوخ میں اسحاق بن ابراہیم قاضی وغیرہ نے بیان کیا ہے یہ غریب احادیث بیان کرتا ہے اور غلطی کرتا ہے۔“ [الثقات لابن حبان: ۴۸۷/۸]۔

بعض اہل علم نے ان تینوں جروح کو مذکورہ حدیث میں موجود راوی ”عمرو بن مالک“ کے سلسلے میں سمجھ لیا ہے، لیکن ہماری نظر میں یہ بات درست نہیں ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ ان تینوں جروح کا تعلق ”عمرو بن مالک الراسبی“ سے ہے۔

حافظ ذہبی فرماتے ہیں:

”عمرو بن مالك الراسبی البصری لا النكری.هو شيخ.حدث عن الوليد بن مسلم.ضعفه أبو يعلى.وقال ابن عدى: يسرق الحديث.وأما ابن حبان فذكره فی الثقات“

”عمرو بن مالک راسبی یہ بصری ہے نکری نہیں ہے یہ شیخ ہے۔اس نے ولید بن مسلم سے روایت کیا ہے اسے ابویعلیٰ نے ضعیف کہا ہے اور امام ابن عدی نے کہا: یہ حدیث چوری کرتا ہے اور ابن حبان نے اسے ثقات میں ذکر کیا ہے۔“[ميزان الاعتدال :۲۸۵/۳]۔

اس عبارت میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے مذکورہ تینوں جروح کو ”عمرو بن مالک الراسبی“ پرفٹ کیا ہے اور یہی صحیح ہے۔

حافظ ابن حبان کی جرح ”يغرب ويخطیء“ کو مذکورہ سند میں موجود راوی پر فٹ کرنے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کو بھی وہم ہوا ہے، جیسا کہ تہذیب سے معلوم ہوتا ہے، اور غالباً انہیں کی متابعت میں حافظ زبیر علی زئی سے بھی غلطی ہوئی اورانہوں نے بھی اس جرح کو أبوالجوزاء کے شاگرد ”عمرو بن مالک“ پرفٹ کیا ہے۔دیکھیں:[ابن ماجه بتحقیق زبیر علی زئی ، حاشيه: رقم الحديث :١٠٤٦]۔

❁ روح بن المسیب البصری:

❁ امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی:۲۳۳) نے کہا:

”أبو رجاء الكليبی ثقة“

”ابورجاء کلیبی ثقہ ہیں۔“[تاريخ ابن معين، رواية الدوری:٨٠/٤]۔

❁ إسحاق بن أبی إسرائیل رحمہ اللہ (المتوفی:۲۴۵) نے کہا:

”الثقة“

”آپ ثقہ ہیں۔“[تاريخ أسماء الثقات :ص:٨٧واسناده صحيح]۔

❁ امام عجلی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۶۱) نے کہا:

”بصری، ثقة“

”یہ بصری اور ثقہ ہیں۔“[تاريخ الثقات للعجلی:ص:١٦٢]۔

امام أبوداوٗد رحمہ اللہ (المتوفی:۲۷۵) نے کہا:

”لیس به بأس“

”ان میں کوئی حرج کی بات نہیں۔“[سؤالات أبی عبید الآجری للإمام أبی داؤد السجستانی - الفاروق: ص:۱۷۳]۔

امام بزار رحمہ اللہ (المتوفی:۲۹۲) نے کہا:

”ثقة“

”یہ ثقہ ہیں۔“[مسند البزار:۳۳۹/۱۳]۔

تنبیہ اول:

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۴۸) نے کہا:

”قال ابن عدی: أحادیثه غیر محفوظة“

”امام ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی احادیث غیر محفوظ ہیں۔“[میزان الاعتدال للذہبی:۶۱/۲]۔

عرض ہے کہ امام ابن عدی کے اصل الفاظ یہ ہیں:

”یروی عن ثابت ویزید الرقاشی أحادیث غیر محفوظة“

”یہ ثابت اور یزید رقاشی سے غیر محفوظ احادیث روایت کرتے ہیں۔“[الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی:۵۸/۴]۔

یعنی امام ابن عدی نے یہ جرح روح بن المسیب کی ان روایت پر کی ہے جو ثابت اور یزید الرقاشی کے طریق سے ہیں۔اور زیر تحقیق روایت اس طریق سے نہیں ہے۔

علاوہ بریں یہ جرح بھی دیگر محدثین کے خلاف ہے۔

تنبیہ ثانی:

اسحاق بن منصور نے امام ابن معین سے نقل کیا:

”أبو رجاء صویلح“

”ابورجاء ٹھیک ٹھاک ہے۔“[الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم:۴۹۶/۳]۔

عرض ہے کہ اول تو یہ جرح نہیں بلکہ ہلکی توثیق کا صیغہ ہے۔ دوسرے یہ کہ ابن معین سے اس صیغہ میں توثیق صرف ان کے ایک شاگرد اسحاق بن منصور نے نقل کی اور اس کے برخلاف ابن معین کے دو شاگردوں نے لفظ ثقہ کے ساتھ توثیق نقل کی ہے چنانچہ:

امام ابن معین کے مشہور شاگرد عباس دوری فرماتے ہیں:

"سمعت يحيى يقول أبو رجاء الكليبي ثقة"

"میں نے امام ابن معین کو کہتے ہوئے سنا کہ: ابو رجاء کلیبی ثقہ ہیں۔" [تاريخ ابن معين، رواية الدوری: ٤/ ٨٠]۔

نیز امام ابن معین کے دوسرے شاگرد ابن ابی خیثمہ کہتے ہیں:

"سمعت يحيى بن معين يقول: أبو رجاء الكليبي ثقة"

"میں نے امام ابن معین کو کہتے ہوئے سنا: ابو رجاء کلیبی ثقہ ہیں۔" [الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: ٩/ ٣٧٠ واسناده صحيح]۔

❁ تنبیہ ثالث:

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے کہا:

"وكان روح ممن يروى عن الثقات الموضوعات ويقلب الاسانيد ويرفع الموقوفات... الخ"

"روح یہ ثقہ رواۃ سے موضوع احادیث نقل کرتے تھے اور سندوں کو پلٹ دیتے تھے، موقوف کو مرفوع کر دیتے تھے۔۔۔الخ۔" [المجروحين -ابن حبان: ١/ ٢٩٩]۔

عرض ہے کہ اول تو امام ابن حبان جرح میں متشدد ہیں اس لئے موثقین کے خلاف ان کی جرح نامقبول ہے۔

دوسری بات یہ کہ ابن حبان رحمہ اللہ نے ایک دوسرے راوی "ابو رجاء عبداللہ بن واقد الخراسانی" کو بھی "ابو رجاء روح بن المسیب" سمجھ لیا اور اس کی غلطیوں کو بھی اسی روح بن المسیب کے حصہ میں ڈال دیا۔ چنانچہ ابن حبان رحمہ اللہ نے ایک مقام پر کہا:

"أخبرناه عمران بن موسى بن مجاشع قال حدثنا إبراهيم بن عيسى الأبلي قال

حدثنا أسباط بن محمد قال حدثنا أبو رجاء الخرسانی عن عباد بن کثیر عن الحسن وأبو رجاء هذا روح بن المسیب أیضا لا شیء"

یعنی اس سند میں موجود ابورجاء الخراسانی یہ ابورجاء روح بن المسیب ہے، جس کی کوئی حیثیت نہیں

[المجروحین لابن حبان:۲/۱۶۸]۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ ابن حبان رحمہ اللہ کے اس وہم کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"أبو رجاء : عبد الله بن واقد الهروی. وروح بن المسیب لا یحدث عن الجریری، ولم یرو عنه أسباط بن محمد. وروح بن المسیب بصری، یکنی أبا رجاء یعرف بالکلیبی، یحدث عن ثابت البنانی"

"اس سند میں ابورجاء یہ عبداللہ بن واقد ہروی ہے۔ اور روح بن المسیب، (عباس) جریری سے روایت کرنے والے نہیں ہیں اور نہ ہی ان سے اسباط بن محمد نے روایت کیا ہے۔ نیز روح بن المسیب یہ بصری ہیں ان کی کنیت بھی ابورجاء ہے، یہ کلیبی سے معروف ہیں۔ اور یہ ثابت البنانی سے روایت کرنے والے ہیں۔" [تعلیقات الدارقطنی علی المجروحین لابن حبان: ص:۲۰۰]۔

معلوم ہوا کہ ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنے نزدیک ایک دوسرے مجروح راوی کی غلطیوں کو بھی اسی روح بن المسیب کی غلطیاں سمجھی ہیں۔ لہٰذا ایسی صورت میں روح ابن المسیب پر ان کی طرف سے کی گئی جرح قطعاً قابل قبول نہیں۔

❁ تنبیہ رابع:

امام اُبوحاتم الرازی رحمہ اللہ نے کہا:

"صالح لیس بالقوی"

"یہ صالح ہیں اور بہت زیادہ قوی نہیں ہیں۔" [الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم:۳/۴۹۶]۔

عرض ہے کہ صالح سرے سے جرح کا صیغہ نہیں ہے اور لیس بالقوی کا صیغہ بھی تضعیف پر دلالت نہیں کرتا بلکہ دیگر ثقہ رواۃ کی بنسبت کم تر حافظہ کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اس سے راوی کی ثقاہت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جیسا کہ ہم نے اس کی پوری تفصیل اپنی کتاب "یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: ص:۶۳۴ تا ۶۳۵ میں پیش کی ہے۔

عبداللہ بن أبی الأسود البصری:

آپ صحیح بخاری کے راوی اور زبردست ثقہ اور حافظ ہیں۔کسی بھی امام نے ان پر جرح نہیں کی ہے۔نیز

امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی:۳۵۴) نے انہیں ثقات میں ذکر کیا ہے۔دیکھئے:[الثقات لابن حبان ط االعثمانیة:۳٤۸/۸]۔

خطیب بغدادی رحمہ اللہ (المتوفی:۴۶۳) نے کہا:

”کان حافظا متقنا“

”آپ حافظ اور متقن تھے۔“[تاریخ بغداد، مطبعة السعادة:٦٢/١٠]۔

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۴۸) نے کہا:

”الإمام، الحافظ، الثبت“

”آپ امام، حافظ اور ثبت ہیں۔“[سیر أعلام النبلاء للذهبی:٦٤٨/١٠]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی:۸۵۲) نے کہا:

”ثقة حافظ“

”آپ ثقہ اور حافظ ہیں۔“[تقریب التهذیب لابن حجر:رقم:٣٥٧٨]۔

تنبیہ:

امام ابن ابی خیثمہ کہتے ہیں:

”کان یحیی بن معین سیء الرای فی أبی بکر بن أبی الأسود“

”یحیٰی بن معین ابوبکر بن الاسود کے بارے میں بری رائے رکھتے تھے۔“[تاریخ بغداد، مطبعة السعادة:٦٢/١٠]۔

عرض ہے کہ یہ سرے سے جرح ہے ہی نہیں بلکہ غیر مفسر کلام ہے۔لہٰذا صریح توثیق کے مقابل میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

اور ابن معین ہی سے اس جرح کی تفصیل یوں مروی ہے کہ:

”ما أرى به بأسا ولكنه سمع من أبى عوانة وهو صغير“

”میں ان کے بارے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا لیکن انہوں نے ابوعوانہ سے چھوٹی عمر میں سنا ہے۔“ [معرفة الرجال لابن معين: ۹۰/۱،وابن محرز لايعرف]۔

بلکہ ابن معین ہی سے ابن ابی الاسود کی توثیق بھی یوں منقول ہے:

”لا باس به“

”آپ میں کوئی حرج نہیں ہے۔“ [تاريخ بغداد، مطبعة السعادة: ۶۲/۱۰ وفى اسناده بكر بن سهل]۔

اور ابن معین کے نزدیک لاباس بہ ثقہ کے معنی میں ہے۔

بہرحال امام ابن معین رحمہ اللہ کی جرح غیر مفسر ہے اس لئے نامقبول ہے اور جس روایت میں تفسیر آئی ہے اس کی روشنی میں یہ جرح قادح ہی نہیں ہے، اور بالفرض قادح مان بھی لیں تو جرح اس روایت کے ساتھ خاص ہے جس میں ابوعوانہ سے روایت کریں اور زیر بحث روایت میں ان کی روایت ابوعوانہ سے نہیں ہے۔

مزید براں یہ کہ ابن معین ہی سے توثیق کا قول بھی مروی ہے۔مزید تفصیل کے لئے دیکھئے:
[التنكيل بما فى تأنيب الكوثرى من الأباطيل: ۵۲۷/۲]۔

بہرحال یہ ثقہ راوی ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں ان سے روایت لی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہ روایت بالکل صحیح ہے۔

تنبیہ بلیغ:

ہم نے اس روایت کی جو سند پیش کی ہے اس میں ”یحیی بن ابی طالب“ موجود نہیں ہے جو بیہقی کی سند میں ہے جس کی وجہ سے بعض لوگ اس روایت کو زوروشور سے ضعیف قرار دیتے ہیں۔

مزید یہ کہ ہماری پیش کردہ سند کی رو سے صحیح بخاری کے راوی ”**عبداللہ بن أبی الأسود البصری**“ نے ”یحیی بن ابی طالب“ کی متابعت تامہ کردی ہے۔لہذا ان پر جرح کرنا فضول ہے۔

حدیث علی رضی اللہ عنہ تفسیر ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی:۲۵۶) نے کہا:

”قال موسی: حدثنا حماد بن سلمة، سمع عاصما الجحدری، عن أبیه، عن عقبة بن ظبیان، عن علی، رضی الله عنه: ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَر﴾ وضع یده الیمنی علی وسط ساعده علی صدره“

”صحابی رسول علی رضی اللہ عنہ نے ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾ [۱۰۸/الکوثر:۲]۔ کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے (نماز میں) اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے بازو (کہنی سے ہتھیلی تک کے حصہ) کے درمیان رکھ کر اپنے سینے پر رکھنا مراد ہے۔“ [التاریخ الکبیر للبخاری:۴۳۷/۶، السنن الکبری للبیهقی:۴۵/۲ واسناده صحیح]۔

وضاحت

ساعد بازو کے کہنی سے لیکر کلائی تک کے حصہ کو کہتے ہیں۔ چنانچہ

لسان العرب میں ہے:

”والساعد: ملتقى الزندين من لدن المرفق إلى الرسغ“

”ساعد کہتے ہیں، دونوں گٹوں کے درمیان کہنی سے لے کر کلائی تک کا حصہ۔“ [لسان العرب:۲۱۴/۳]۔

الساعد کے معانی میں القاموس الوحید کے مؤلف لکھتے ہیں:

”بازو (کہنی سے ہتھیلی تک کا حصہ)“ [القاموس الوحید:ص: ۷۶۹]۔

بریکٹ اور اس کے اندر کے الفاظ القاموس الوحید ہی کے ہیں۔

دائیں ہاتھ کو اگر بائیں بازو کے ساعد کے درمیان رکھا جائے گا تو دائیں ہاتھ کی انگلیوں کے سرے بائیں ہاتھ کی کہنی کے قریب پہنچیں گے۔ یعنی دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے بازو پر آئے گا۔ اور ایسی صورت میں دونوں ہاتھ خود بخود سینے پر آجائیں گے۔ چنانچہ اس حدیث میں اس کیفیت کے ذکر کے ساتھ ساتھ سینے پر ہاتھ باندھنے کی بھی صراحت موجود ہے۔

علی رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بھی حکما مرفوع ہے کیونکہ محض رائے اور اجتہاد سے ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾ کی یہ تفسیر نہیں کی جاسکتی۔ اور جب یہ حکما مرفوع ہے تو گذشتہ انس رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث

کے لئے یہ دوسرا صحیح شاہد ہے کیونکہ اس کی سند بالکل صحیح ہے۔

بلکہ احناف میں سے بھی کئی حضرات نے علی رضی اللہ عنہ کی تفسیر سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا قرآن مجید سے بھی ثابت ہے۔

حتیٰ کہ بعض احناف نے اسی بنیاد پر شیعوں کی تردید کی ہے جو نماز میں ہاتھ باندھتے ہی نہیں، چنانچہ دیوبندی مکتب فکر کے رئیس المناظرین مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین صاحب اپنی مشہور کتاب آفتاب ہدایت ورد رفض بدعت میں لکھتے ہیں:

''یہاں نحر کا معنی یہی ہے کہ داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر ہاتھ باندھے ہوئے نماز پڑھو۔ امام فخر رازی نے تفسیر کبیر (جلد:۸،ص:۱۲۷) میں آیت مذکورہ کی تفسیر میں جناب مدینۃ العلم علی المرتضیٰ کا قول یوں نقل کیا ہے: والاشهر وضعها على النحر على عادة الخاشع. وَانْحَرْ کا اشہر اور اظہر معنیٰ یہی ہے کہ سینے پر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھے جیسے خشوع وخضوع کا طریقہ ہے۔ ایسی ہی تفاسیر درمنثور، معالم التنزیل، تنویر المقیاس حسینی وغیرہ اور کتب بخاری، ترمذی، دارقطنی وغیرہ میں حضرت علی اور ابن عباس اور دیگر جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات سے یہی معنیٰ لکھا گیا ہے۔ پھر ایسی صریح اور صاف آیت کے ہوتے ہوئے دوسری کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔'' [آفتاب ہدایت: ص: ۴۳۰ بحوالہ نماز میں ہاتھ کہاں باندھیں: ص:۹]۔

قارئین ملاحظہ فرمائیں کہ دیوبندیوں کے رئیس المناظرین صاف طور سے اعلان کررہے ہیں کہ ﴿وَانْحَرْ﴾ کا اشہر اور اظہر معنیٰ یہی ہے کہ سینے پر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھے جیسے خشوع وخضوع کا طریقہ ہے صرف اسی پر بس نہیں بلکہ یہ بھی فرمارہے ہیں کہ ایسی صریح اور صاف آیت کے ہوتے ہوئے دوسری کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔

شیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

''ہمارے حنفی حضرات بھی عجیب ہیں کہ روافض کے مقابلے میں نماز میں ہاتھ باندھنے کا ثبوت قرآن مجید کی آیت ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾ سے پیش کرتے ہیں بلکہ سینے پر ہاتھ باندھنے کا ذکر کرتے ہیں، مگر اہل حدیث کے مقابلہ میں سینے پر ہاتھ باندھنے کا انکار کرتے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔''

[نماز میں ہاتھ کہاں باندھیں: ص:۹]۔

اس کے بعد حنفی مناظر کا مذکورہ اقتباس نقل کر کے لکھتے ہیں:

”یہاں باقی تفصیل سے قطع نظر دیکھئے کہ سینے پر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کو خشوع وخضوع کا طریقہ تسلیم کیا گیا ہے اور خشوع وخضوع کے اسی طریقہ کو مدلل طور پر مولانا ضیاء اللہ صاحب نے اس رسالہ میں بیان کیا ہے۔رافضیوں کے مقابلہ میں اگر یہ مسئلہ صریح اور صاف آیت سے ثابت ہوتا ہے تو اہل حدیث سے کسی دوسری دلیل کی ضرورت کیوں محسوس کی جاتی ہے؟ **اعدلوا هو اقرب للتقوى.**“[نماز میں ہاتھ کہاں باندھیں: ص:۹]۔

سند کی تحقیق

اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے اس کے تمام رجال ثقہ ہیں تفصیل ملاحظہ ہو:

عقبة بن ظبیان:

علی رضی اللہ عنہ سے اس روایت کے راوی عقبہ بن ظبیان ہیں۔انہیں عقبہ بن ظہیر بھی کہا جاتا ہے، یہ علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد اور عاصم الجحدری کے والد کے استاذ ہیں۔چنانچہ:

امام أبو حاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۷۷) نے کہا:

”**عقبة بن ظبيان ويقال عقبة بن ظهير روى عن على روى عاصم الجحدرى عن أبيه عنه**“

”عقبہ بن ظبیان، انہیں عقبہ بن ظہیر بھی کہا جاتا ہے، انہوں نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور ان سے عاصم الجحدری نے اپنے والد کے واسطہ سے روایت کیا ہے۔“[الجرح والتعديل لابن أبى حاتم:۶/۳۱۳]۔

اور یہ ثقہ ہیں چنانچہ:

امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی:۳۵۴) نے انہیں ثقات میں ذکر کرتے ہوئے کہا:

”**عقبة بن ظبيان يروى عن على روى عنه عاصم الجحدرى**“

”عقبہ بن ظبیان یہ علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے عاصم الجحدری نے روایت کیا ہے۔“[الثقات لابن حبان ط االعثمانية:۵/۲۲۷]۔

۞ امام ضیاء المقدسی رحمہ اللہ (المتوفی:۶۴۳) نے ''المستخرج من الأحادیث المختارۃ'' میں ان سے روایت لی ہے دیکھئے: [الأحادیث المختارۃ:۲/۲۹۲]۔

اور آپ اس کتاب میں صرف ثقہ ہی سے روایت لیتے ہیں ۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام ضیاء المقدسی کے نزدیک بھی یہ راوی ثقہ ہیں۔

ان دو محدثین کی توثیق کے خلاف کسی ایک بھی محدث نے عقبہ بن ظبیان پر جرح نہیں کی ہے لہٰذا یہ بلا شک وشبہ ثقہ ہیں۔

۞ **عبداللہ بن رؤبۃ العجاج البصری:**

عقبہ بن ظبیان سے اس روایت کو نقل کرنے والے عاصم الجحدری کے والد ہیں۔جیسا کہ سند میں عن ابیہ (اپنے والد سے) کے الفاظ کے ساتھ صراحت موجود ہے۔اس لئے اتنی بات طے ہوگئی کہ یہ راوی عاصم الجحدری کے والد ہی ہیں۔ اب یہ معلوم کرنا ہے کہ ان کے والد کون ہیں اور ان کا درجہ کیا ہے؟

تو عرض ہے کہ ان کے والد کا نام العجاج ہے۔ چنانچہ:

☆ امام ابن أبي حاتم رحمہ اللہ (المتوفی:۳۲۷) نے کہا:

''عاصم بن الجحدری بصری وھو عاصم بن العجاج''

''عاصم بن الجحدری بصری ہیں اور یہ عاصم بن العجاج ہیں'' [الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم:۶/۳۴۹]۔

☆ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۴۸) نے کہا:

''ھو عاصم بن العجاج أبو محشر الجحدری''

''یہ عاصم بن العجاج ابومحشر الجحدری ہیں۔'' [تاریخ الإسلام للذھبی ت تدمری:۸/۱۴۱]۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ العجاج کون ہیں تو عرض ہے کہ یہ عبداللہ بن رؤبۃ العجاج البصری ہیں۔

کیونکہ العجاج کے لقب سے یہی مشہور ہیں چنانچہ:

☆ امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی:۵۷۱) نے ان کے بارے میں کہا:

''المعروف بالعجاج''

''یہ (عبداللہ بن رؤبۃ) العجاج کے لقب سے معروف ہیں۔'' [تاریخ دمشق لابن عساکر:۲۸/۱۲۸]۔

☆ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲) نے کہا:

”ویعرف بالعجاج الراجز المشهور“

”یہ العجاج مشہور شاعر کے لقب سے معروف ہیں۔“ [الإصابة لابن حجر: ۸۷/۵]۔

نیز عاصم الجحدری، یہ بصری ہیں جیسا کہ ابن ابی حاتم کا قول گذرا، نیز دیکھیں: [الثقات لابن حبان ط العثمانية: ۲۴۰/۵]۔

اور عبداللہ بن رؤبۃ بھی بصری ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے انہیں التمیمی السعدی کہا ہے۔

دیکھئے: [الإصابة لابن حجر: ۸۷/۵]۔ نیز دیکھیں: [شعراء النصرانية: ۲۲۸/۸]۔

بلکہ ان کے سمیت ان کے نیچے کے تمام رواۃ بصری ہیں۔

لقب العجاج کی شہرت اور عاصم الجحدری اور العجاج کے علاقہ کی یکسانیت اس بات کی دلیل ہے کہ عاصم الجحدری کے والد عبداللہ بن رؤبۃ العجاج ہی ہیں۔ اب ان کی توثیق ملاحظہ ہو:

۞ امام ابن حبان (المتوفی: ۳۵۴) نے انہیں ثقہ کہا ہے دیکھئے: [الثقات لابن حبان ط االعثمانية: ۲۸۷/۵]۔

۞ اور امام ہیثمی رحمہ اللہ نے طبرانی کے حوالے سے ان کی ایک روایت نقل کی اور اس سند میں صرف امام طبرانی کے شیخ سے عدم واقفیت ظاہر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”رواه الطبراني عن شيخه رفيع بن سلمة ولم أعرفه، وبقية رجاله ثقات“

”اسے طبرانی نے اپنے شیخ رفیع بن سلمہ سے روایت کیا اور میں انہیں جان نہیں سکا اور اس کے بقیہ رجال ثقہ ہیں۔“ [مجمع الزوائد للهيثمي: ۴۴/۸]۔

یعنی طبرانی کے شیخ کے علاوہ اس سند کے بقیہ رواۃ کو امام ہیثمی نے ثقہ کہا ہے اور اس سند میں عجاج بھی ہیں جیسا کہ خود امام ہیثمی رحمہ اللہ نے بھی نقل کیا ہے۔ دیکھئے: [مجمع الزوائد للهيثمي: ۴۴/۸]۔

۞ امام ابن عدی کی ایک سند میں ان کا ذکر ہے۔ دیکھئے: [الكامل: ۱۲۳/۴]۔ اور امام ابن عدی رحمہ اللہ نے ان کی تضعیف نہیں کی ہے جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ کی نظر میں یہ ثقہ ہیں۔ دیکھئے: [الكامل لابن عدى: ۷۹/۱]۔ امام ابن دقیق العید رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۰۲) ایک راوی کو اسی بنیاد پر ثقہ قرار دیا ہے۔ [نصب الراية: ۱۷۹/۱ بحواله: الإلمام بأحاديث الأحكام لابن دقيد العيد]۔ نیز دیکھیں: [ابن عدى و منهجه فى كتاب الكامل فى ضعفاء الرجال: ص: ۱۷۱]۔

امام سیوطی نے ”علی وسط ساعدہ الیسری علی صدرہ“ کے الفاظ کے ساتھ اسی روایت کو ابن ابی حاتم کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کی سند کو ”لا بأس به“ کہا ہے۔[الإکلیل للسیوطی: ص ۳۰۰]

اور ان الفاظ اور ان سے ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ یہ روایت صرف ”حماد بن سلمہ عن عاصم عن أبیہ“ کے طریق سے مروی ہے جسے چھ (۶) لوگوں نے روایت کیا ہے دیکھئے ص ۲۲۹ تا ۲۳۲۔ ان تمام روایات میں عاصم کے والد (عبداللہ بن رؤبہ) کے لئے ”عن أبیہ“ کا واسطہ موجود ہے۔ ان میں سے صرف مہران کی روایت میں یہ واسطہ عقبہ کے بعد آ گیا ہے دیکھئے ص ۲۳۱۔ اور یہ راوی کا وہم کیونکہ مہران کے علاوہ پانچ لوگوں نے یہ واسطہ عاصم الجحدری کے بعد ہی ذکر کیا ہے۔

لہٰذا جب ان الفاظ والی تمام سندوں میں ”عن أبیہ“ کا واسطہ موجود ہے تو ظاہر ہے کہ ابن ابی حاتم کی روایت میں بھی یہ واسطہ ضرور بالضرور ہوگا۔ بالخصوص جبکہ انہوں نے ”حماد بن سلمہ عن عاصم عن أبیہ“ کی سند کو اپنی رجال والی کتاب میں ”عن أبیہ“ کے واسطہ کے ساتھ ذکر کیا ہے، لیکن متن میں اختصار کر دیا ہے دیکھئے:[الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم: ۶/۳۱۳]

بنابریں جب امام سیوطی نے اس کی سند کو ”لا بأس به“ کہا ہے تو گویا کہ انہوں نے عاصم کے والد کی بھی ضمنی توثیق کر دی ہے۔

اس سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اگر کوئی شخص عاصم کے والد کو ”عبداللہ بن رؤبہ“ کے علاوہ کوئی اور راوی مانے تو اسے بھی ثقہ ہی تسلیم کیا جائے گا کیونکہ امام سیوطی نے عاصم کے والد کی ضمنی توثیق کر دی ہے۔ نیز دیکھئے:[درج الدرر فی وضع الأیدی علی الصدر: ص ۲۹ قلمی]

معلوم ہوا کہ یہ راوی امام ابن حبان، امام ہیثمی، امام ابن عدی اور امام سیوطی رحمہم اللہ کے نزدیک ثقہ ہیں۔ ان چار محدثین کی توثیق کے علاوہ کسی بھی محدث نے ان پر جرح نہیں کی ہے۔

عاصم الجحدری البصری :

امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۳) نے کہا:

”ثقة“ (یہ ثقہ تھے۔)[الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم: ۶/۳۴۹ واسنادہ صحیح]۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۴) نے انہیں ثقات میں ذکر کرتے ہوئے کہا:

”عاصم بن العجاج الجحدری من عباد أهل البصرة“

”عاصم بن العجاج الجحدری یہ اہل بصرہ کے عابدوں میں سے تھے۔“[الثقات لابن حبان ت العثمانية:۵/۲۴۰]۔

ان دو ائمہ کی توثیق کے برخلاف کسی بھی محدث نے ان پر جرح نہیں کی ہے۔

حماد بن سلمۃ بن دینار البصری کا تعارف:

کتب ستہ کے رجال میں سے ہیں البتہ بخاری میں ان کی مرویات تعلیقاً ہیں، موصوف بھی ثقہ ہیں۔

امام عجلی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۶۱) نے کہا:

”بصری، ثقة“

”آپ بصری اور ثقہ ہیں۔“[تاريخ الثقات للعجلى ط الباز: ۲۶۱، ص: ۱۳۱]۔

امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی:۳۲۷) نے کہا:

”ثقة ثبت“

”آپ ثقہ اور ثبت ہیں۔“[سؤالات ابن الجنيد لابن معين:ص:۳۱۶]۔

امام یحییٰ بن سعید نے ان سے روایت کیا ہے، امام ابن معین نے کہا:

”مات يحيى بن سعيد القطان وهو يحدث عن حماد بن سلمة“

”یحییٰ بن سعید القطان موت تک حماد بن سلمہ سے روایت کرتے رہے۔“[تاريخ ابن معين ، الدورى :۴/۳۴۷]۔

اور یحییٰ بن سعید صرف ثقہ سے روایت کرتے ہیں۔ امام عجلی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۶۱) نے کہا:

”يحيى بن سعيد القطان يكنى أبا سعيد بصرى ثقة، نقى الحديث، وكان لا يحدث إلا عن ثقة“

یحییٰ بن سعید القطان، ان کی کنیت ابو سعید ہے۔ یہ بصری اور ثقہ ہیں اور عمدہ احادیث والے ہیں، یہ صرف ثقہ ہی سے روایت کرتے تھے۔[تاريخ الثقات للعجلى ط الباز: ۲۶۱، ص: ۴۷۲]۔

تنبیہ:

حماد بن سلمہ پر اختلاط کا الزام مردود ہے امام ابن معین نے اس کی تردید کی ہے، آپ فرماتے ہیں:

”حديث حماد بن سلمة فى أول أمره وآخر أمره واحد“

”حماد بن سلمہ کی شروع اور آخر کی تمام احادیث ایک جیسی ہیں۔“[تاريخ ابن معين، الدورى : ۴/۳۱۲]۔

معلوم ہوا کہ بقول امام ابن معین رحمہ اللہ ”حماد بن سلمۃ“ شروع سے لیکر اخیر تک ثقہ تھے۔

❁ موسی بن اسماعیل البصری:

آپ بخاری ومسلم سمیت کتب ستہ کے معروف ومشہور اور بہت بڑے ثقہ راوی ہیں۔

تمام محدثین نے بالاتفاق انہیں ثقہ کہا ہے۔

❁ امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی:۲۳۰) نے کہا:

”کان ثقة کثیر الحدیث“

”آپ ثقہ اور کثیر الحدیث ہیں۔“[الطبقات الکبری ط دار صادر: ۳۰۶/۷]۔

❁ امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی:۲۳۳) نے کہا:

”ثقة مأمون“

”آپ ثقہ اور مامون ہیں۔“[الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم:۱۳۶/۸،واسنادہ صحیح]۔

❁ امام أبوحاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۷۷) نے کہا:

”ثقة کان ایقظ من الحجاج الأنماطی ولا أعلم أحدا بالبصرة ممن أدرکناه أحسن حدیثا من أبی سلمة“

”یہ ثقہ اور حجاج انماطی سے زیادہ باخبر تھے، میں نے بصرہ میں جن لوگوں کو پایا ہے ان میں سے ابوسلمہ (موسیٰ بن اسماعیل) سے بہتر حدیث والا کسی کو نہیں جانتا۔“[الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم:۱۳۶/۸]۔

❁ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۴۸) نے کہا:

”الحافظ، الإمام، الحجة، شیخ الإسلام“

آپ حافظ، امام، حجت اور شیخ الاسلام ہیں۔[سیر أعلام النبلاء للذهبی:۳۶۰/۱۰]۔

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی:۸۵۲) نے کہا:

”موسی بن إسماعیل التبوذکی أبو سلمة أحد الأثبات الثقات اعتمده البخاری فروی عنه کثیرا“

”موسیٰ بن اسماعیل التبوذکی، ابوسلمہ یہ ثقہ وثبت لوگوں میں سے ایک ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے ان پر اعتماد کیا ہے اور ان سے بکثرت روایت کی ہے۔“[مقدمة فتح الباری لابن حجر: ص:۴۴۶]۔

تنبیہ:

ابن خراش (ضعیف ورافضی) سے منقول ہے:

"تكلم الناس فيه، وهو صدوق"

"لوگوں نے ان کے بارے میں کلام کیا ہے اور یہ صدوق ہیں۔" [تاريخ بغداد وذيوله ط العلمية: ٩/ ٤١]۔

عرض ہے کہ ابن خراش سے یہ بات ثابت ہی نہیں ہے کیونکہ ابن خراش سے اسے نقل کرنے والا محمد بن محمد بن داؤد الکرجی ہے اور یہ مجہول ہے۔مزید یہ کہ خود ابن خراش بھی مجروح وضعیف بلکہ رافضی ہے۔دیکھئے: [الكامل فى ضعفاء الرجال لابن عدى: ٥/ ٥١٨]۔

امام ذہبی رحمہ اللہ نے ابن خراش کی مرمت کرنے کی خاطر امام موسیٰ بن اسماعیل کا تذکرہ میزان میں کیا اور اس کے بعد کہا:

"لم أذكر أبا سلمة للين فيه، لكن لقول ابن خراش فيه: صدوق، وتكلم الناس فيه.قلت: نعم تكلموا فيه بأنه ثقة ثبت يا رافضى"

"میں نے ابوسلمہ (موسیٰ بن اسماعیل) کا تذکرہ اس لئے نہیں کیا ہے کہ ان کے اندر ضعف تھا بلکہ اس لئے کیونکہ ان کے بارے میں ابن خراش نے کہا: یہ صدوق ہیں اور لوگوں نے ان کے بارے میں کلام کیا ہے۔ میں (امام ذہبی) کہتا ہوں: جی ہاں ! اے رافضی (ابن خراش)! لوگوں نے یہی کلام کیا ہے کہ یہ ثقہ اور ثبت ہیں۔" [ميزان الاعتدال للذهبى: ٤/ ٢٠٠]۔

متن میں اضطراب کا دعویٰ اور اس کا جائزہ

ابن الترکمانی وغیرہ کا اس روایت کے متن میں اضطراب کا دعویٰ باطل ہے۔اس کی وضاحت کے لئے ہم تمام طرق کے الفاظ کا جائزہ لیتے ہیں۔

اس روایت کے مرکزی راوی "عاصم الجحدری" ہیں۔

ان سے درج ذیل دو طریق سے یہ روایت منقول ہے۔

- اول: حماد بن سلمۃ بن دینار البصری
- دوم: یزید بن زیاد بن أبي الجعد الکوفی

پہلا طریق: (حماد بن سلمۃ بن دینار البصری):

پہلے طریق میں یعنی حماد بن سلمہ کے طریق میں حماد بن سلمہ سے اسی روایت کو درج ذیل نو(۹) راویوں نے نقل کیا ہے:

- موسیٰ بن إسماعیل (ص ۲۲۹)
- حجاج بن المنہال (ص ۲۳۰)
- أبو صالح الخراسانی (ص ۲۳۰)
- شیبان بن فروخ (ص ۲۳۱)
- مہران بن أبی عمر (ص ۲۳۱)
- أبو عمر، عمر الضریر (ص ۲۳۱)
- أبو الولید الطیالسی (ص ۲۳۲)
- مؤمل بن اسماعیل (ص ۲۳۳)
- عبدالرحمٰن بن مہدی (ص ۲۳۴)

ان نو(۹) راویوں میں سے چھ(۶) راویوں نے بالاتفاق ایک ہی طرح کے الفاظ ”علی صدرہ“ (یعنی سینے پر ہاتھ باندھنا) کے الفاظ نقل کئے ہیں، چنانچہ:

”موسیٰ بن اسماعیل“ کی روایت:

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶) نے کہا:

”قال موسی: حدثنا حماد بن سلمة، سمع عاصما الجحدری، عن أبیه، عن عقبة بن ظبیان، عن علی، رضی اللہ عنه: ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾ وضع یدہ الیمنی علی وسط ساعدہ علی صدرہ“

”صحابی رسول علی رضی اللہ عنہ نے ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَر﴾ [۱۰۸/الکوثر:۲] کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے (نماز میں) اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے بازو (کہنی سے ہتھیلی تک کے حصہ) کے درمیان رکھ کر اپنے سینے پر رکھنا مراد ہے۔“ [التاریخ الکبیر للبخاری: ۴۳۷/۶ واسنادہ صحیح، السنن الکبری للبیہقی: ۴۵/۲، واسنادہ صحیح]۔

❁ ''حجاج بن المنہال الأنماطی'' کی روایت:

امام ابن المنذر رحمہ اللہ (المتوفی:۳۱۹) نے کہا:

''حدثنا علی بن عبد العزیز، قال: ثنا حجاج، قال: ثنا حماد، عن عاصم الجحدری، عن أبیه عن عقبة بن ظبیان، عن علی بن أبی طالب رضوان الله علیه: '' أنه قال فی الآیة ﴿فصل لربک وانحر﴾فوضع یده الیمنی علی ساعده الیسری ثم وضعها علی صدره ''

''صحابیِ رسول علی رضی اللہ عنہ نے اس آیت ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ [۱۰۸/الکوثر:۲] کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے (نماز میں) دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ کے بازو (کہنی سے ہتھیلی تک کے حصہ) کے درمیان رکھ کر پھر انہیں اپنے سینے پر رکھنا مراد ہے۔'' [الأوسط لابن المنذر:۹۱/۳،رقم:۱۲۸٤،واسناده صحیح، ومن طریق حجاج اخرجه ایضا الثعلبی فی تفسیره : ۳۱۰/۱۰،واسناده صحیح]۔

❁ ''ابوصالح الخراسانی'' کی روایت:

امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ (المتوفی:۳۱۰) نے کہا:

''حدثنا ابن حمید، قال: ثنا أبو صالح الخراسانی، قال: ثنا حماد، عن عاصم الجحدری، عن أبیه، عن عقبة بن ظبیان، أن علی بن أبی طالب رضی الله عنه قال فی قول الله:﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾قال: وضع یده الیمنی علی وسط ساعده الأیسر، ثم وضعهما علی صدره''

''صحابیِ رسول علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان:﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ [۱۰۸/الکوثر:۲] کی تفسیر میں فرمایا کہ: اس سے (نماز میں) اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ کے بازو (کہنی سے ہتھیلی تک کے حصہ) کے درمیان رکھ کر پھر انہیں اپنے سینے پر رکھنا مراد ہے۔'' [تفسیر الطبری: ت شاکر: ٦٥٢/٢٤، صحیح المتن بالمتابعات لاجل ابن حمید]۔

❁ ”شیبان بن فروخ“ کی روایت:

امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی:۴۵۸) نے کہا:

”أخبرنا أبو بكر أحمد بن محمد بن الحارث الفقيه، أنبأ أبو محمد بن حيان أبو الشيخ، ثنا أبو الحريش الكلابي، ثنا شيبان، ثنا حماد بن سلمة، ثنا عاصم الجحدري، عن أبيه، عن عقبة بن صهبان كذا قال: إن عليا رضي الله عنه قال في هذه الآية﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ قال:” وضع يده اليمنى على وسط يده اليسرى، ثم وضعها على صدره “،“

”صحابی رسول علی رضی اللہ عنہ نے اس آیت﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ [۱۰۸/الکوثر:۲] کی تفسیر میں فرمایا کہ: اس سے (نماز میں) اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ کے بازو (کہنی سے ہتھیلی تک کے حصہ) کے درمیان رکھ کر پھر انہیں اپنے سینے پر رکھنا مراد ہے۔“[السنن الکبری للبیھقی:۲/۴٦، ح:۲۳۳۷ و اسنادہ حسن]۔

❁ ”مہران بن أبی عمر العطار“ کی روایت:

امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ (المتوفی:۳۱۰) نے کہا:

”حدثنا ابن حميد، قال: ثنا مهران، عن حماد بن سلمة، عن عاصم الجحدري، عن عقبة بن ظهير، عن أبيه، عن علي رضي الله عنه ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ قال: وضع يده اليمنى على وسط ساعده اليسرى، ثم وضعهما على صدره“

”صحابی رسول علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ [۱۰۸/الکوثر:۲] کی تفسیر میں فرمایا کہ: اس سے (نماز میں) دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ کے بازو (کہنی سے ہتھیلی تک کے حصہ) کے درمیان رکھ کر پھر انہیں اپنے سینے پر رکھنا مراد ہے۔“[تفسیر الطبری ت شاکر:۲٤/٦٥۲، صحیح المتن بالمتابعات لاجل ابن حمید]۔

❁ ”أبو عمر، حفص بن عمر الضریر“ کی روایت:

امام طحاوی رحمہ اللہ (المتوفی:۳۲۱) نے کہا:

”حدثنا أبو بكرة، قال: حدثنا أبو عمرو الضرير، قال: أخبرنا حماد بن سلمة، أن عاصما الجحدري أخبرهم، عن أبيه، عن علي بن أبي طالب، كرم الله وجهه، في

قوله: ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾ قال:" وضع یده الیمنی علی الساعد الأیسر، ثم وضعهما علی صدره."،"

"صحابی رسول علی رضی اللہ عنہ نے اللہ عزوجل کے قول ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾ [۱۰۸/الکوثر:۲] کی تفسیر میں فرمایا کہ: اس سے (نماز میں) دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ کے بازو (کہنی سے ہتھیلی تک کے حصہ) کے درمیان رکھ کر پھر انہیں اپنے سینے پر رکھنا مراد ہے۔" [أحکام القرآن للطحاوی: ۱/۱۸٤، ح:۳۲۳، صحیح المتن و اسنادہ شاذ]۔

قارئین ملاحظہ فرمائیں کہ ان راویوں نے متفقہ طور پر "**علی صدره**" (یعنی سینے پر ہاتھ باندھنا) کے الفاظ بیان کئے ہیں۔ باقی بچے ساتویں راوی تو انہوں نے بھی معنوی طور پر یہی بات بیان کی ہے چنانچہ:

❁ "أبو الولید الطیالسی" کی روایت:

خطیب بغدادی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۶۳) نے کہا:

"أخبرنا أبو الحسن محمد بن أحمد بن رزقویه حدثنا عثمان بن أحمد بن عبد الله الدقاق حدثنا عبد الله بن عبد الحمید القطان حدثنا أبو بکر الأثرم حدثنا أبو الولید حدثنا حماد بن سلمة عن عاصم الجحدری عن أبیه عن عقبة بن ظبیان سمع علیا رضی الله عنه یقول ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾ قال وضع الیمنی علی الیسری تحت الثندوة"

صحابی رسول علی رضی اللہ عنہ نے ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾ [۱۰۸/الکوثر:۲] کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے (نماز میں) اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر اپنی چھاتی کے نیچے (یعنی سینے پر) رکھنا مراد ہے۔ [موضح أوهام الجمع و التفریق: ۲/۳٤۰، ح:۳۷۹، واسنادہ صحیح]۔

اس روایت میں "**الثندوة**" کے الفاظ ہیں۔

"**الثندوة**" کے معانی چھاتی کے ہوتے ہیں۔ لسان العرب میں ہے:

"والثندوة للرجل: بمنزلة الثدی للمرأة"

"ثندوہ" مرد کی چھاتی کو کہا جاتا ہے جس طرح عورت کی چھاتی کو "ثدی" کہا جاتا ہے۔ [لسان العرب: ۱/۱٤۱]۔

دیوبندیوں کی ڈکشنری القاموس الوحید میں ہے:

"الثندوہ: مرد کا پستان۔" [القاموس الوحید:۲۲۴]۔

اس پر مزید تفصیل آگے آ رہی ہے۔ بہر حال "الثندوۃ" چھاتی کے معنی میں ہے اور تحت الثندوۃ کا مطلب ہے چھاتی کے نیچے یعنی سینہ۔ اس لئے اس روایت میں بھی معنوی طور پر وہی بات بیان ہوئی ہے جسے بقیہ چھ (٦) رواۃ نے متفقہ طور پر بیان کیا ہے۔ اور روایت بالمعنیٰ میں الفاظ میں اس طرح کا فرق ہو جاتا ہے لیکن مفہوم ایک ہی رہتا ہے۔ ایسی صورت کو اضطراب نہیں کہا جاتا۔

☆ تنبیہ بلیغ:

ابوالولید الطیالسی کی اسی روایت کو اثرم ہی کے حوالہ سے ابن عبدالبر نے [التمھید لما فی الموطأ من المعانی والأسانید: ۲۰/۷۸]۔ میں نقل کیا ہے۔ اور اس میں بھی اصل قلمی نسخہ میں تحت الثندوۃ ہی کے الفاظ ہیں، لیکن اس کتاب کے محقق نے ثندوۃ کو السرۃ بنا کر اس روایت میں کھلی تحریف کر دی، اور مزے کی بات یہ کہ اس نے حاشیہ میں لکھ بھی دیا کہ اس لفظ کو السرہ اسی نے بنایا ہے، اور اصل قلمی نسخے میں السرہ کے بجائے التندوہ ہے۔ اس پر مکمل بحث آگے آ رہی ہے۔

فی الحال اتنا عرض ہے کہ التمہید کے قلمی نسخے کے ساتھ ساتھ خطیب بغدادی کی روایت میں بھی یہاں الثندوہ کا لفظ ہونا اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ اس روایت میں اصل لفظ الثندوہ ہی ہے۔

لہٰذا التمہید کے مطبوعہ نسخہ میں محقق کا اپنی مرضی سے اسے السرہ بنا دینا بہت بڑا اعجوبہ ہے۔ مزید تفصیل احناف کے دلائل پر بحث کے ضمن میں آ رہی ہے۔ دیکھئے: ۲۹۶ تا ۳۱۰۔

بہر حال اس روایت میں بھی معنوی طور پر سینے پر ہاتھ باندھنے ہی کا ذکر ہے۔

اب باقی بچیں دو روایات تو صرف اور صرف انہیں دو روایات میں ہاتھ باندھنے کا ذکر نہیں ہے چنانچہ:

۞ مؤمل بن اسماعیل کی روایت:

أبو جعفر طحاوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۲۱) نے کہا:

"ثنا أبو بكرة، قال: حدثنا مؤمل، قال: حدثنا حماد بن سلمة، قال: حدثنا عاصم الجحدري، عن عقبة بن صهبان، عن علي رضي الله عنه، في قوله عز و جل: ﴿فَصَلِّ

لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡ﴾ قال:” وضع الیمنی علی الیسری فی الصلاۃ.“،“

”صحابیِ رسول علی رضی اللہ عنہ نے اللہ عزوجل کے قول ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡ﴾ [۱۰۸/الکوثر:۲] کی تفسیر میں فرمایا کہ:اس سے نماز میں دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھنا مراد ہے۔“ [أحکام القرآن للطحاوی: ۱۸۴/۱]۔

عبدالرحمٰن بن مہدی کی روایت:

”حدثنا ابن بشار، قال: ثنا عبد الرحمن، قال: ثنا حماد بن سلمۃ، عن عاصم الجحدری، عن عقبۃ بن ظبیان عن أبیہ، عن علی رضی اللہ عنہ ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡ﴾ قال: وضع الید علی الید فی الصلاۃ“

”صحابیِ رسول علی رضی اللہ عنہ نے اللہ عزوجل کے قول ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡ﴾ [۱۰۸/الکوثر:۲] کی تفسیر میں فرمایا کہ:اس سے نماز میں (دائیں) ہاتھ کو اپنے (بائیں) ہاتھ پر رکھنا مراد ہے۔“ [تفسیر الطبری: ۶۵۲/۲۴]۔

قارئین ملاحظہ فرمائیں کہ نو روایات میں سے سات روایات میں ہاتھ باندھنے کی جگہ کا ذکر ہے اور اس کے برخلاف صرف اور صرف دو روایات ہی میں ہاتھ باندھنے کا ذکر نہیں ہے۔لہٰذا سات روایات کے مقابلہ میں صرف دو روایات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

مزید یہ کہ ان سات روایات اور دو روایات کے مابین کوئی متضاد اختلاف نہیں ہے، بلکہ معنوی طور پر سینہ کا ذکر یہاں بھی ہے کیونکہ ہاتھ باندھنے کی بات ﴿وَانۡحَرۡ﴾ کی تفسیر میں کہی جا رہی ہے اور اس لفظ کے لغوی معنی کا تقاضا ہی یہی ہے کہ ہاتھ سینے پر ہوں اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے محمد حیاۃ سندھی نے کہا:

”لان مادۃ النحریدل علی ذلک“

”یعنی نحر کا مادہ ہی دلالت کرتا ہے کہ یہاں سینے پر ہاتھ باندھنا ہی مراد ہے۔“ [فتح الغفور: ص۳ مطبوعہ بنارس،فتح الغفور:ص۳۸ بتحقیق دکتورمحمد ضیاء الرحمن الاعظمی]۔

دکتور محمد ضیاء الرحمٰن الاعظمی کے محقق نسخہ میں ”مادۃ“ کی جگہ ”مادن“ ہے یہ کتابت کی غلطی ہے کیونکہ بنارس والے قلمی نسخہ میں واضح طور پر ”مادۃ“ کا لفظ ہے۔

❁ دوسرا طریق: (یزید بن زیاد بن أبي الجعد):

دوسرا طریق ''یزید بن زیاد بن أبي الجعد'' کا ہے اوران کے طریق میں ہاتھ باندھنے کی جگہ کا ذکر نہیں ہے۔ چنانچہ:

امام ابن أبي شیبۃ رحمہ اللہ (المتوفی:۲۳۵) نے کہا:

''حدثنا وکیع قال حدثنا یزید بن أبی زیاد عن أبی الجعد عن عاصم الجحدری عن عقبۃ بن ظھیر عن علی فی قولہ ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ قال وضع الیمین علی الشمال فی الصلاۃ''

''صحابی رسول علی رضی اللہ عنہ نے اللہ عزوجل کے قول ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ [۱۰۸/الکوثر:۲] کی تفسیر میں فرمایا کہ: اس سے نماز میں دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھنا مراد ہے۔'' [مصنف ابن أبی شیبۃ: ۳۴۳/۱، واخرجہ ایضا عبدالرزاق فی تفسیرہ: ۴۶۷/۳، والدارقطنی فی سننہ: ۲۸۵/۱، وفی الافراد: ص: ۱۶۵، کلاھما من طریق وکیع بہ۔ واخرجہ ایضا البخاری فی التاریخ الکبیر: ۴۳۷/۶ من طریق قتیبہ عن حمید بہ، ولفظہ وضعھا علی الکرسوع]۔

لیکن اس اختلاف کی بنیاد پر متن کو مضطرب نہیں کہا جاسکتا ہے کیونکہ اول تو ان روایات کے مابین کوئی متضاد اختلاف نہیں ہے، بلکہ معنوی طور پر سینہ کا ذکر اس روایت میں بھی ہے جیسا کہ شیخ محمد حیاۃ سندھی رحمہ اللہ کے حوالے سے وضاحت کی جاچکی ہے دیکھئے: ص ۲۳۴۔

دوسرے یہ کہ یہ دونوں طریق قوت میں یکساں نہیں ہیں بلکہ حماد بن سلمہ کا طریق یزید بن زیاد بن ابی الجعد کے طریق سے زیادہ قوی اور مضبوط ہے۔ اس کی دو وجوہات ہیں:

☆ پہلی وجہ:

یزید بن زیاد حفظ وضبط میں حماد بن سلمہ کے بالمقابل کمتر ہیں۔

اور کئی محدثین نے ان کے حفظ وضبط کی کمی کی صراحت کی ہے چنانچہ:

امام بزار رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۹۲) نے کہا:

''یزید بن زیاد فغیر حافظ''

''یزید بن زیاد حافظ نہیں ہے۔'' [مسند البزار: ۴۶۵/۱]۔

امام أبوزرعۃ الرازی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۶۴) نے کہا:

”شیخ“

”یہ شیخ ہے۔“ [الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم:۲٦۲/۹،واسنادہ صحیح]۔

یادرہے ”شیخ“،بہت کم تر درجہ کی تعدیل ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں محدثین کے اقوال کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے کہا:

”یزید بن زیاد بن أبی الجعد الأشجعی الکوفی صدوق“

”یزید بن زیاد بن ابی الجعد الاشجعی کوفی،یہ صدوق ہے۔“[تقریب التهذیب لابن حجر:رقم:۷۷۱٤]۔

جبکہ حماد بن سلمہ بخاری تعلیقاً اور مسلم وسنن اربعہ کے مشہور ومعروف رجال اورائمہ حدیث میں سے ہیں۔محدثین نے اعلیٰ صیغوں سے ان کی توثیق کی ہے چنانچہ:

امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی:۲۳۳) نے کہا:

”ثقة ثبت“

”یہ ثقہ اورثبت ہیں۔“ [سؤالات ابن الجنید لابن معین:ص:۳۱٦]۔

بعض لوگوں نے بغیرکسی دلیل کے ان پر اختلاط یا تغیر حفظ کا الزام لگایا ہے لیکن امام ابن معین رحمہ اللہ نے ایسے لوگوں کی تردید کی ہے چنانچہ امام ابن معین رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”حدیث حماد بن سلمة فی أول أمره وآخر أمره واحد“

”حماد بن سلمہ کی شروع اورآخر کی تمام احادیث ایک جیسی ہیں۔“[تاریخ الدوری: ۳۱۲/٤]۔

معلوم ہوا کہ بقول امام ابن معین رحمہ اللہ ”حماد بن سلمۃ“ شروع سے لیکر اخیر تک ثقہ تھے۔

نیز امام ابن معین رحمہ اللہ نے یہ بھی کہا:

”إذا رأیت إنسانا یقع فی عکرمة وفی حماد بن سلمة فاتهمه علی الإسلام“

”جب تم کسی ایسے انسان کو دیکھو جو عکرمہ اورحماد بن سلمہ کے بارے میں زبان درازی کرتا ہے تو سمجھ جاؤ اس کا اسلام ٹھیک نہیں۔“[تاریخ دمشق لابن عساکر:۱۰۳/٤۱،واسنادہ صحیح]۔

لہٰذا حماد بن سلمہ رحمہ اللہ جیسے امام بلکہ امیر المؤمنین فی الحدیث کے خلاف یزید بن زیاد بن ابی الجعد کی بات چنداں قابل اعتبار نہیں ہے۔

☆دوسری وجہ:

حماد بن سلمہ کے استاذ عاصم الجحدری، یہ بصری ہیں۔[الثقات لابن حبان ت العثمانية:٢٤٠/٥]۔

اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے کہا:

”ما حدث أحد بالبصرة أحسن حديث من حماد بن سلمة“

”بصرہ میں حماد بن سلمہ سے بہتر کسی نے احادیث بیان نہیں کی۔“[سؤالات أبي عبيد الآجري للإمام أبي داؤد السجستاني -الفاروق: ص:١٨٠]۔

امام ابوداؤد کے اس قول کی روشنی میں بصرہ میں حماد بن سلمہ سے بہتر کسی کی حدیث ہو ہی نہیں سکتی ہے۔

ان وجوہات کی بنا پر یزید بن زیاد بن ابی الجعد کے مقابلہ میں امام حماد بن سلمہ رحمہ اللہ ہی کی روایت راجح ہے۔

اور جب دو مختلف روایات دونوں ہم پلہ اور قوت میں مساوی نہ ہوں تو یہاں اضطراب کا حکم نہیں لگے گا بلکہ راجح و مرجوح کا حکم لگے گا چنانچہ:

☆امام ابن الصلاح رحمہ اللہ (المتوفی:٦٤٣) نے کہا:

”المضطرب من الحديث: هو الذى تختلف الرواية فيه فيرويه بعضهم على وجه وبعضهم على وجه آخر مخالف له، وإنما نسميه مضطربا إذا تساوت الروايتان. أما إذا ترجحت إحداهما بحيث لا تقاومها الأخرى بأن يكون راويها أحفظ، أو أكثر صحبة للمروى عنه، أو غير ذلک من وجوه الترجيحات المعتمدة، فالحكم للراجحة، ولا يطلق عليه حينئذ وصف المضطرب“

”مضطرب وہ حدیث ہے جس کی روایت میں اس طرح اختلاف ہو کہ بعض ایک طرح روایت کریں اور بعض اس کے مخالف دوسری طرح روایت کریں، اور ہم ایسی حدیث کو اس وقت مضطرب کہیں گے جب طرفین کی روایت مساوی اور ایک درجے کی ہو۔ لیکن اگر دونوں میں سے کوئی روایت راجح قرار پائے اس طرح کہ دوسری روایت اس کے ہم پلہ نہ ہو، بایں طور کہ اس کے راوی احفظ ہوں یا مروی عنہ کے ساتھ اس نے زیادہ مدت گزاری ہو، یا اس کے علاوہ معتمد وجوہ ترجیحات میں سے کوئی ہو تو حکم راجح روایت کے اعتبار سے لگے گا اور ایسی صورت میں یہ روایت مضطرب نہیں ہوگی۔“[مقدمة ابن الصلاح:ص:٩٤]۔

☆ امام نووی رحمہ اللہ (المتوفی:٦٧٦) نے کہا:

"المضطرب هو الذی یروی علی أوجه مختلفة متقاربة، فإن رجحت إحدی الروایتین بحفظ راویها أو کثرة صحبته المروی عنه، أو غیر ذلک: فالحکم للراجحة، ولا یکون مضطرباً"

''مضطرب وہ حدیث ہے جو مختلف ایسے طرق سے مروی ہو جو آپس میں ہم پلہ ہوں اور اگر دو روایات میں ایک روایت راجح قرار پائے اس کے راوی کے احفظ ہونے کے سبب یا مروی عنہ کے ساتھ کسی راوی کی کثرت صحبت کے سبب یا کسی اور وجہ سے تو حکم راجح روایت کے اعتبار سے لگے گا اور ایسی صورت میں یہ روایت مضطرب نہیں ہوگی۔'' [التقریب ص:٦]۔

☆ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی ٨٥٢) نے ایک مقام پر کہا:

"لأنهم لا یتوقفون عن تصحیح المتن إذا وقع فیه الاختلاف إلا إذا تکافأت الروایات، وهو شرط الاضطراب الذی یرد به الخبر، وهو مفقود هنا "

''کیونکہ محدثین محض اختلاف کی وجہ سے متن کی تصحیح میں توقف نہیں کرتے جب تک روایات قوت میں برابر نہ ہوں، اور یہ اضطراب کے لئے شرط ہے اور یہ چیز یہاں مفقود ہے'' [فتح الباری لابن حجر:٣١٨/٥]

لہٰذا حماد بن سلمہ کا طریق درج بالا وجوہ کی بنا پر راجح قرار پائے گا اور اس کے مطابق یہ روایت صحیح قرار دی جائے گی۔

واضح رہے کہ یہ ترجیح والی بات بھی اس صورت میں کہی جائے گی جب بالفرض دونوں روایات میں اختلاف کو تسلیم کرلیا جائے لیکن ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ ان روایات کے مابین کوئی متضاد اختلاف نہیں ہے، بلکہ معنوی طور پر سینہ کا ذکر اس روایت میں بھی ہے دیکھئے: ص ٢٣٤۔

سند میں اضطراب کا دعویٰ اور اس کا جائزہ

ابن الترکمانی وغیرہ کا اس روایت کی سند میں اضطراب کا دعویٰ کرنا باطل ہے۔اس کی وضاحت کے لئے ہم تمام سندوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

اس روایت کے مرکزی راوی ''عاصم الجحدری'' ہیں۔ان سے درج ذیل دو طریق سے یہ روایت منقول ہے۔

- اول: حماد بن سلمة بن دینار البصری
- دوم: یزید بن زیاد بن أبی الجعد الکوفی

❁ پہلا طریق: (حماد بن سلمۃ بن دینار البصری):

پہلے طریق میں یعنی حماد بن سلمہ کے طریق میں حماد بن سلمہ سے اسی روایت کو درج ذیل نو (۹) راویوں نے نقل کیا ہے:

- ❁ موسیٰ بن إسماعیل (ص ۲۲۹)
- ❁ حجاج بن المنہال (ص ۲۳۰)
- ❁ أبوالولید الطیالسی (ص ۲۳۲)
- ❁ أبوصالح الخراسانی (ص ۲۳۰)
- ❁ شیبان بن فروخ (ص ۲۳۱)
- ❁ مہران بن أبی عمر (ص ۲۳۱)
- ❁ أبوعمر، عمر الضریر (ص ۲۳۱)
- ❁ مؤمل بن اسماعیل (ص ۲۳۳)
- ❁ عبدالرحمٰن بن مہدی (ص ۲۳۴)

اختلاف کی صورتیں اور ترجیح

ان تمام راویوں کی بیان کردہ سندوں کو بھی ہم نے متن کے اضطراب پر بحث کرتے ہوئے گذشتہ سطور میں پیش کردیا ہے۔ ان سب پر نظر ڈالی جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ عاصم الجحدری کے شاگردوں نے سند کو پانچ کیفیت میں روایت کیا جس کی تفصیل یہ ہے:

❁ **سند کی پہلی کیفیت:** (حماد عن عاصم عن ابیہ عن عقبہ بن ظبیان عن علی رضی اللہ عنہ)

سند کی یہ کیفیت سب سے بڑی تعداد نے بیان کی ہے جو درج ذیل ہیں:

(۱) موسیٰ بن إسماعیل (ص ۲۲۹)

(۲) حجاج بن المنہال (ص ۲۳۰)

(۳) أبوالولید الطیالسی (ص ۲۳۲)

(۴) أبوصالح الخراسانی (ص ۲۳۰)

یہ کل چار شاگرد ہیں، ان سب کے الفاظ گذشتہ سطور میں پیش کے جا چکے ہیں ۔ان سبھوں نے متفقہ طور پر سند کی مذکورہ کیفیت بیان کی ،اس کے برخلاف اتنی بڑی تعداد سے سند کی کوئی بھی کیفیت مروی نہیں ہے لہٰذا یہ اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ سند کی یہی کیفیت راجح ہے۔

سند کی دوسری کیفیت: (''عاصم الجحدری'' کے استاذ، ان کے ''والد'' کے علاوہ کوئی اور)

سند کی اس کیفیت میں اختلاف کی نوعیت یہ ہے کہ ''**عاصم الجحدری**'' کے استاذ کی جگہ ان کے والد کا تذکرہ کرنے کے بجائے دوسرے کا تذکرہ ہے۔ یہ کیفیت بیان کرنے والے صرف تین رواۃ ہیں:

مہران بن أبی عمر (ص ۲۳۱)

مؤمل بن اسماعیل (ص ۲۳۳)

عبدالرحمٰن بن مہدی (ص ۲۳۴)

اوران تینوں کے الفاظ بھی باہم متفق نہیں ہیں، بلکہ ان میں سے ''مہران بن أبی عمر'' نے عاصم سے اوپر ''**عقبه بن ظهير**'' کا ذکر کیا۔اور''مؤمل بن اسماعیل'' نے عاصم سے اوپر ''**عقبه بن صهبان**'' کا ذکر کیا ہے۔ اور''عبدالرحمٰن بن مہدی'' نے عاصم سے اوپر ''**عقبه بن ظبيان**'' کا ذکر کیا ہے جیسا کہ ان سب کے الفاظ نقل کئے جا چکے ہیں۔یادرہے کہ ''**عقبه بن ظهير**'' اور''**عقبه بن ظبيان**'' ایک ہی راوی کے نام ہیں۔

اوران تین لوگوں کے برخلاف پانچ (۵) شاگردوں نے متفقہ طور پر عاصم سے اوپر ان کے والد کا تذکرہ کیا ہے یہ پانچوں شاگرد درج ذیل ہیں:

(۱) موسیٰ بن إسماعیل (ص ۲۲۹)

(۲) حجاج بن المنہال (ص ۲۳۰)

(۳) أبوالولید الطیالسی (ص ۲۳۲)

(۴) أبوصالح الخراسانی (ص ۲۳۰)

(۵) أبوعمر، حفص، الضریر (ص ۲۳۱)

ان پانچوں کے الفاظ پیچھے نقل کئے جا چکے ہیں۔ظاہر ہے پانچ (۵) شاگردوں کے متفقہ بیان کے مقابلہ تین لوگوں کی مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔بالخصوص جب کہ ان تینوں کی مخالفت بھی الگ الگ

الفاظ میں ہے۔

❁ **سند کی تیسری کیفیت:** (''عقبہ'' کے استاذ کی جگہ ''علی'' کے بجائے ''عقبہ کے والد'' کا ذکر)

سند کی اس کیفیت میں اختلاف کی نوعیت یہ ہے کہ عقبہ کے استاذ کی جگہ ''علی رضی اللہ عنہ'' کا ذکر کرنے کے بجائے ''عقبہ کے والد'' کا تذکرہ ہے۔ یہ کیفیت بیان کرنے والے صرف دو رواۃ ہیں:

مہران بن أبي عمر (ص ۲۳۱)

عبدالرحمٰن بن مہدی (ص ۲۳۴)

اور ان دو لوگوں کے برخلاف چھ (٦) شاگردوں نے متفقہ طور پر عقبہ سے اوپر علی رضی اللہ عنہ ہی کا تذکرہ کیا ہے یہ چھ شاگرد درج ذیل ہیں:

(۱) موسیٰ بن إسماعیل (ص ۲۲۹)

(۲) حجاج بن المنہال (ص ۲۳۰)

(۳) أبوالولید الطیالسی (ص ۲۳۲)

(۴) أبوصالح الخراسانی (ص ۲۳۰)

(۵) شیبان بن فروخ (ص ۲۳۱)

(٦) مؤمل بن اسماعیل (ص ۲۳۳)

ان چھ (٦) شاگردوں کے الفاظ پیچھے نقل کئے جا چکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ چھ (٦) شاگردوں کے متفقہ بیان کے مقابلہ صرف دو شاگردوں کی مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

❁ **سند کی چوتھی کیفیت:** (عاصم اور علی رضی اللہ عنہ کے درمیان اتصال یا انقطاع)

سند کی اس کیفیت میں اختلاف کی نوعیت یہ ہے کہ عاصم کے والد اور علی رضی اللہ عنہ کے درمیان سے ''عقبة'' کا تذکرہ ساقط ہے۔ یہ کیفیت بیان کرنے والے صرف اور صرف ایک راوی ''أبوعمر، حفص بن عمر الضریر'' ہیں، دیکھئے: ص ۲۳۱۔

اور ان کے برخلاف پانچ (۵) شاگردوں نے متفقہ طور پر عاصم کے والد اور علی رضی اللہ عنہ کے بیچ ''عقبة'' کا تذکرہ کیا ہے یہ پانچ شاگرد درج ذیل ہیں:

(۱) موسیٰ بن إسماعیل (ص۲۲۹)

(۲) حجاج بن المنہال (ص۲۳۰)

(۳) أبوالولید الطیالسی (ص۲۳۲)

(۴) أبوصالح الخراسانی (ص۲۳۰)

(۵) شیبان بن فروخ (ص۲۳۱)

ان پانچوں شاگردوں کے الفاظ پیچھے نقل کئے جاچکے ہیں۔ظاہر ہے کہ پانچ (۵) شاگردوں کے متفقہ بیان کے مقابلہ صرف ایک شاگرد کی مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

سند کی پانچویں کیفیت: (''عقبہ'' کے والد ''ظبیان'' یا ''صہبان'')

سند کی اس کیفیت میں اختلاف کی نوعیت یہ ہے کہ عقبہ کے والد کا نام ''ظبیان'' کے بجائے ''صہبان'' بتلایا گیا ہے یہ کیفیت بیان کرنے والے صرف دو رواۃ ہیں:

شیبان بن فروخ (ص۲۳۱)

مؤمل بن اسماعیل (ص۲۳۳)

اوران دولوگوں کے برخلاف پانچ (۵) شاگردوں نے متفقہ طور پر عقبہ کے والد کا نام ''ظبیان'' بتلایا ہے۔یہ پانچوں شاگرد درج ذیل ہیں:

(۱) موسیٰ بن إسماعیل (ص۲۲۹)

(۲) حجاج بن المنہال (ص۲۳۰)

(۳) أبوالولید الطیالسی (ص۲۳۲)

(۴) أبوصالح الخراسانی (ص۲۳۰)

(۵) عبدالرحمٰن بن مھدی (ص۲۳۴)

ان پانچوں شاگردوں کے الفاظ پیچھے نقل کئے جاچکے ہیں۔ظاہر ہے کہ پانچ (۵) شاگردوں کے متفقہ بیان کے مقابلہ صرف دو شاگردوں کی مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

واضح رہے کہ اس اختلاف کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے کیونکہ اصل راوی کا نام عقبہ بتانے میں رواۃ کا

اتفاق ہے۔اب ان کے والد کے نام میں اختلاف سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ ان دونوں ناموں ''ظبیان ''اور'صہبان'' میں زیادہ فرق نہیں ہے۔اس لئے ایک دوراوی کواشتباہ ہوجانا کوئی تعجب کی بات نہیں ۔علاوہ بریں یہ دونوں راوی ثقہ ہیں لہٰذا ان میں کوئی بھی راوی ہو بہرصورت سند کی صحت برقرار رہتی ہے۔

بہرحال اگر ترجیح کی بات کی جائے تو''ظبیان'' کا نام ہی راجح قرار پائے گا۔کیونکہ ''صہبان''کا نام بتلانے والے صرف دولوگ ہیں۔ان کے مقابلہ میں پانچ لوگ متفقہ طور پر''ظبیان'' نام بتلاتے ہیں،ظاہر ہے کہ پانچ لوگوں کے مقابلہ میں صرف دو کے بیان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

❁ دوسرا طریق:(یزید بن زیاد بن أبي الجعد):

دوسرا طریق''یزید بن زیاد بن أبي الجعد'' کا ہے اوران کے طریق کے سند میں عاصم الجحدری اور عقبہ بن ظبیان کے بیچ ''أبیه'' کا واسطہ نہیں ہے۔جیسا کہ یہ سند گذشتہ سطور میں متن کے اضطراب پر بحث کرتے ہوئے پیش کی جاچکی ہے،اور وہیں پر یہ بھی بتایا جاچکا ہے کہ یزید بن زیاد بن ابی الجعد کی یہ روایت حماد بن سلمہ کی روایت کے ہم پلہ نہیں ہے بلکہ دووجوہات کی بنا پر حماد بن سلمہ ہی کی روایت راجح ہے۔

لہٰذا جہاں ترجیح کے دلائل مل جائیں ، وہاں پر اضطراب کا حکم نہیں لگے گا جیسا کہ اس سلسلے میں امام ابن صلاح،امام نووی اور حافظ ابن حجر رحمہم اللہ کی صراحت پیش کی جاچکی ہے۔ دیکھئے:ص ۲۳۷،۲۳۸۔

حدیث علی رضی اللہ عنہ (فوق السرة...)

امام أبوداؤد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۵) نے کہا:

”حدثنا محمد بن قدامة يعني ابن أعين، عن أبي بدر، عن أبي طالوت عبد السلام، عن ابن جرير الضبي، عن أبيه، قال: رأيت عليا، رضي الله عنه يمسك شماله بيمينه على الرسغ فوق السرة“

”جناب ابن جریر الضبی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے پہنچے (کلائی) کے پاس سے (یعنی جوڑ کے پاس) سے پکڑ رکھا تھا اور وہ ناف سے اوپر تھے۔“[سنن أبي داؤد: ۱/ ۲۰۱، رقم: ۷۵۷ واسناده حسن]۔

☆سنن ابوداؤد: کتاب الصلوٰۃ: باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوٰۃ، حدیث نمبر ۷۵۷۔
☆سنن ابوداؤد (دارالسلام): ج: ۱، ص: ۱۷۵، حدیث نمبر ۷۵۷۔
☆ابوداؤد مع عون المعبود: سیٹ نمبر: ۱، جلد نمبر: ۲، ص: ۳۲۴، حدیث نمبر ۷۷۳۔

اس روایت میں علی رضی اللہ عنہ سے متعلق یہ منقول ہے کہ وہ فوق السرۃ یعنی ناف کے اوپر ہاتھ باندھتے تھے۔ اور فوق السرۃ کا مطلب علی الصدر یعنی سینے پر ہی ہے جیسا کہ ان کی تفسیری روایت میں صراحت ہے جو آگے آرہی ہے۔

بعض لوگ کج بحثی اور کٹھ حجتی کرتے ہوئے یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ”فوق“ کا مطلب ”کسی چیز پر“ ہوتا ہے نہ کہ ”کسی چیز سے اوپر“۔ اس لحاظ سے ”فوق السرۃ“ کا مطلب ناف پر ہوگا نہ کے ناف سے اوپر۔

عرض کہ ”فوق“ کے مفہوم کو صرف اسی معنی کے ساتھ خاص کر دینے کی کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ عربی زبان ولغت میں ”فوق“ کسی چیز سے اوپر کے لئے بھی مستعمل ہے۔ بلکہ قرآن مجید میں بھی اس معنی میں ”فوق“ کا استعمال ہوا ہے، مثلاً:

﴿وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَظَنُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ

وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾

''اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب ہم نے پہاڑ کو اٹھا کر سائبان کی طرح ان کے اوپر معلق کر دیا اور ان کو یقین ہو گیا کہ اب ان پر گرا اور کہا کہ جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے اسے مضبوطی کے ساتھ قبول کرو اور یاد رکھو جو احکام اس میں ہیں اس سے توقع ہے کہ تم متقی بن جاؤ'' [۷/۱۷ الأعراف: ۱۷۱]۔

﴿أَفَلَمْ يَنظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا﴾

''کیا انہوں نے آسمان کو اپنے اوپر نہیں دیکھا؟ کہ ہم نے اسے کس طرح بنایا ہے اور زینت دی ہے اس میں کوئی شگاف نہیں'' [۵۰/ق:۶]

ان آیات میں اگر ''فوق'' کا وہی مطلب نکالا جائے جو احناف نکالتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے بنو اسرائیل کے سر پر پہاڑ رکھ دیا تھا، اور آسمان لوگوں کے سروں پر رکھا ہوا ہے۔ اور اس کا بطلان اظہر من الشّمس ہے۔

یاد رہے کہ بعض احناف نے بھی سینے پر ہاتھ باندھنے کے لئے فوق السرة کے الفاظ استعمال کئے ہیں چنانچہ:

أبوالحسن علی بن الحسین بن محمد السُّغدی، حنفی (المتوفی: ۴۶۱) لکھتے ہیں:

''يَنْبَغِي للرِّجَال ان يضعوا الْيَمين على الشمَال تَحت السُّرَّة وَالنِّسَاء يَضعن فَوق السُّرَّة''

''مردوں کے لئے مناسب ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھیں اور خواتین ناف کے اوپر رکھیں۔'' [النتف فی الفتاوی للسغدی: ص: ۷۱]۔

اس عبارت میں احناف کے شیخ الاسلام نے خواتین کو ناف کے اوپر ہاتھ باندھنے کے لئے کہا ہے اور احناف خواتین کو سینے پر ہاتھ باندھنے کے لئے کہتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس عبارت میں فوق السرہ یعنی ناف کے اوپر سے مراد سینے پر ہاتھ باندھنا ہے۔

ٹھیک اسی طرح علی رضی اللہ عنہ کے مذکورہ اثر میں بھی فوق السرة یعنی ناف کے اوپر ہاتھ باندھنے سے سینے پر ہاتھ باندھنا مراد ہے۔

مزید اطمینان کے لئے عرض ہے کہ احناف کی نظر میں بڑا مقام رکھنے والے مولانا اشرف علی تھانوی

صاحب نے بھی یہی وضاحت کی ہے کہ ''فوق السرۃ'' یعنی ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے سے مراد سینے پر ہاتھ باندھنا ہے چنانچہ مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

''یہ اختلاف باعتبار اولی اور غیر اولی ہونے کے ہے۔ بعض صحابہ ناف کے اوپر ہاتھ باندھتے تھے، **یعنی سینہ پر** جیسا کہ اور احادیث میں لفظ صدر مصرح واقع ہوا ہے اور بعض صحابہ زیر ناف ہاتھ باندھا کرتے تھے۔ سو جو طریق جن کے مشائخ کا ہو وہ اس کو اختیار کرے۔ [تقریر ترمذی: ص ۷۰]

خلاصہ یہ کہ اس روایت میں علی رضی اللہ عنہ سے فوق السرۃ یعنی سینے پر ہاتھ باندھنے کی بات منقول ہے۔

اس روایت کی سند صحیح ہے تفصیل ملاحظہ ہو:

۞ جریر الضبی:

۞ امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۴) نے انہیں ثقات میں ذکر کرتے ہوئے کہا:

''جریر الضبی یروی عن علی روی عنه ابنه غزوان بن جریر''

''جریر الضبی، یہ علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ان کے بیٹے غزوان نے روایت کیا ہے۔'' [الثقات لابن حبان ط االعثمانیة: ۱۰۸/۴]۔

۞ امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۵۸) نے ان کی سند کے بارے میں کہا:

''هذا إسناد حسن''

''یہ سند حسن ہے۔'' [السنن الکبریٰ للبیهقی: ۴۶/۲]۔

۞ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲) نے ان کی سند کے بارے میں کہا:

''وهو إسناد حسن''

''یہ سند حسن ہے۔'' [تغلیق التعلیق لابن حجر: ۴۴۳/۲]۔

اور کسی راوی کی سند کی تصحیح یا تحسین اس سند کے راویوں کی توثیق ہوتی ہے جیسا کہ کئی محدثین نے صراحت کی ہے چند حوالے ملاحظہ ہوں:

☆ امام ابن القطان رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۲۸) نے کہا:

''وفی تصحیح الترمذی إیاه توثیقها وتوثیق سعد بن إسحاق، ولا یضر الثقة أن لا

یروی عنہ إلا واحد“

”ترمذی کا اسے صحیح قرار دینا اس کی اور سعد بن اسحاق کی توثیق ہے اور ثقہ سے صرف ایک ہی شخص کا روایت کرنا مضر نہیں ہے۔“[بیان الوھم والإیھام فی کتاب الأحکام :۵/۳۹۵]۔

☆امام ابن دقیق العید رحمہ اللہ (المتوفی ۷۰۲) نے امام ترمذی کے ذریعہ ایک روای کی روایت کی تحسین سے متعلق کہا:

”فأی فرق بین أن یقول: ھو ثقة، أو یصحح حدیثا انفرد به؟“

”تو اس میں کیا فرق ہے کہ امام کہیں وہ ثقہ ہے یا اس کی منفرد روایت کو صحیح کہیں؟“[الإمام فی معرفة أحادیث الأحکام لابن دقیق العید:۳/۱۶۶]

☆ امام ابن الملقن رحمہ اللہ (المتوفی:۸۰۴) نے کہا:

”وقال غیرہ: فیه جھالة، ما روی عنه سوی ابن خنیس. وجزم بھذا الذھبی فی المغنی فقال: لا یعرف لکن صحح الحاکم حدیثه . کما تری . وکذا ابن حبان، وھو مؤذن بمعرفته وثقته“

”ان کے علاوہ دوسروں نے کہا: یہ غیر معروف ہیں، ان سے ابن خنیس کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا۔اور ذہبی نے مغنی میں یہی بات بالجزم کہی ہے۔چنانچہ کہا: یہ معروف نہیں ہے۔لیکن امام حاکم نے اس کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں۔اسی طرح ابن حبان نے بھی ان کی حدیث کی تصحیح کی ہے اور یہ ان کے معروف اور ثقہ ہونے کی دلیل ہے۔“[البدر المنیر لابن الملقن:۴/۲۶۹]۔

☆ زیلعی حنفی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۶۲) نے کہا:

”فکذلک لا یوجب جھالة الحال بانفراد راو واحد عنه بعد وجود ما یقتضی تعدیله، وھو تصحیح الترمذی“

”پھر اسی طرح ان سے صرف ایک راوی کی روایت بھی ان کے مجہول ہونے کی دلیل نہیں ہے جبکہ ان کے تعدیل کا ثبوت موجود ہے اور وہ یہ کہ امام ترمذی نے ان کی سند کو صحیح کہا ہے۔“[نصب الرایة:۱/۱۴۹]۔

☆حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی:۸۵۲) نے کہا:

”قلت صحح ابن خزیمة حدیثه ومقتضاہ أن یکون عندہ من الثقات“

”حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابن خزیمہ نے ان کی حدیث کو صحیح کہا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے نزدیک یہ ثقہ ہیں۔“[تعجیل المنفعة لابن حجر:ص:۲۴۸]۔

فائدہ: ابن الترکمانی حنفی رحمہ اللہ نے امام ذہبی سے ''الضریر الضبی لایعرف'' نقل کر کے اس روایت پر جرح کی تو نیموی حنفی نے اس کا رد کرتے ہوئے لکھا:

''واعله العلامه ابن التركمانی بان الذهبی قال فی الميزان: جرير الضبی لايعرف، وفيه نظر لانه علق له البخاری فی صحيحه كمامر، وأخرج له الحاكم فی المستدرک وذكره ابن حبان فی الثقات...الخ''

''اور علامہ ابن الترکمانی نے اسے معلول قرار دیا اس بنیاد پر کہ امام ذہبی نے میزان میں کہا: ضریر الضبی غیر معروف ہے۔ یہ بات محل نظر ہے کیونکہ امام بخاری نے صحیح بخاری میں ان کی روایت تعلیقا ذکر کی ہے اور امام حاکم نے مستدرک میں ان کی حدیث روایت کی ہے اور ابن حبان نے انہیں ثقات میں ذکر کیا ہے'' [آثارالسنن :ص ۱۱۰ مطبوعه كراچی]

غزوان بن جریر:

امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی:۳۵۴) نے انہیں ثقات میں ذکر کرتے ہوئے کہا:

''غزوان بن جرير يروی عن أبيه روی عنه عبد السلام بن شداد''

''غزوان بن جریر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور ان سے عبدالسلام بن شداد نے روایت کیا ہے۔'' [الثقات لابن حبان ط االعثمانية:۳۱۲/۷]۔

امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی:۴۵۸) نے ان کی سند کے بارے میں کہا:

''هذا إسناد حسن''

''یہ سند حسن ہے۔'' [السنن الكبرى للبيهقی:۴۶/۲]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی:۸۵۲) نے ان کی سند کے بارے میں کہا:

''وهو إسناد حسن''

''یہ سند حسن ہے۔'' [تغليق التعليق لابن حجر:۴۴۳/۲]۔

اور کسی راوی کی سند کی تصحیح یا تحسین اس سند کے راویوں کی توثیق ہوتی ہے جیسا کہ کئی محدثین نے صراحت کی ہے اور ماقبل میں بعض محدثین کی تصریحات پیش کی جا چکی ہیں۔ دیکھئے: ص ۲۴۶، ۲۴۷۔

ابوطالوت،عبدالسلام بن شداد:

یہ سنن ابوداؤد کے رجال میں سے ہیں اور ثقہ ہیں۔

امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی:۲۴۱) نے کہا:

”لا اعلمه الا ثقة“

”میں اسے ثقہ ہی جانتا ہوں۔“ [الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم:٤٥/٦ واسناده صحیح]۔

امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی:۲۳۳) سے منقول ہے:

”بصری ثقة“

”یہ بصری ثقہ ہیں۔“ [الکنی والأسماء للدولابی:٦٩٠/٢ واسناده حسن لولاالدولابی وهو ثقة عندالاحناف]۔

اس توثیق کونقل کرنے والا دولابی حنفی ہمارے نزدیک مجروح ہے لیکن احناف کے نزدیک یہ ثقہ ہے۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی:۳۵۴) نے انہیں ثقات میں ذکر کرتے ہوئے کہا:

”عبد السلام بن شداد القيسی البصری“

”عبدالسلام بن شداد،قیسی بصری۔“ [الثقات لابن حبان ط االعثمانیة:١٣١/٥]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی:۸۵۲) نے کہا:

”ثقة“

”یہ ثقہ ہیں۔“ [تقریب التهذیب لابن حجر:رقم:٤٠٦٦]۔

ابوبدر،شجاع بن الولید بن قیس:

آپ بخاری ومسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔

امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی:۲۳۳) نے کہا:

”أبو بدر شجاع بن الوليد ثقة“

”ابوبدر شجاع بن ولید ثقہ ہیں۔“ [تاریخ ابن معین، روایة الدوری:٢٧٠/٣]۔

۞ امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی:۲۴۱) نے کہا:

"كان أبو بدر شجاع يعنى بن الوليد شيخا صالحا صدوقا"

"ابو بدر شجاع بن الولید، شیخ، صالح اور صدوق تھے" [تاريخ بغداد، مطبعة السعادة:۲٤۹/۹ واسناده صحيح]۔

۞ امام عجلی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۶۱) نے کہا:

"لا بأس به"

"ان میں کوئی حرج کی بات نہیں۔" [تاريخ الثقات للعجلى:ص:۲۱۵]۔

۞ امام أبوزرعۃ الرازی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۶۴) نے کہا:

"لا بأس به"

"ان میں کوئی حرج کی بات نہیں۔" [الجرح والتعديل لابن أبى حاتم:۳۷۸/٤ واسناده صحيح]۔

۞ امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی:۳۵۴) نے انہیں ثقات میں ذکر کرتے ہوئے کہا:

"شجاع بن الوليد بن قيس السكونى أبو بدر"

"یعنی شجاع بن ولید بن قیس، السکونی، ابو بدر۔" [الثقات لابن حبان ط االعثمانية:٤٥۱/٦]۔

۞ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۴۸) نے کہا:

"الحافظ الثقة الفقيه"

"یہ حافظ، ثقہ اور فقیہ ہیں۔" [تذكرة الحفاظ للذهبى:۳۲۸/۱]۔

ان تمام محدثین کے برخلاف صرف اور صرف امام ابوحاتم نے کہا:

"شيخ ليس بالمتين لا يحتج به"

"یہ متین نہیں ہیں، ان سے حجت نہیں لی جائے گی۔" [الجرح والتعديل لابن أبى حاتم:۳۷۸/٤]۔

عرض ہے کہ محدثین کے متفقہ اور صریح توثیق کے مقابلہ میں امام ابوحاتم رحمہ اللہ کی یہ جرح غیر مسموع ہے۔ نیز امام ابوحاتم متشدد ہیں اور ثقات کے بارے میں بھی اس طرح کی جرح ان سے صادر ہوتی رہتی ہیں چنانچہ:

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۴۸ھ) نے کہا:

"إذا وثق أبو حاتم رجلا فتمسک بقوله، فإنه لا يوثق إلا رجلا صحيح الحديث، وإذا لين رجلا، أو قال فيه: لا يحتج به، فتوقف حتى ترى ما قال غيره فيه، فإن وثقه أحد، فلا تبن على تجريح أبي حاتم، فإنه متعنت في الرجال ، قد قال في طائفة من رجال (الصحاح): ليس بحجة، ليس بقوى، أو نحو ذلک"

"جب امام ابوحاتم کسی راوی کو ثقہ کہہ دیں تو اسے لازم پکڑلو کیونکہ وہ صرف صحیح الحدیث شخص ہی کی توثیق کرتے ہیں اور جب وہ کسی شخص کو لین قرار دیں یا اس کے بارے میں یہ کہیں کہ اس سے حجت نہیں پکڑی جائے گی تو اس جرح میں توقف اختیار کرو یہاں تک کہ دیکھ لو کہ دوسرے ائمہ نے اس کے بارے میں کیا کہا ہے، پھر اگر کسی نے اس راوی کی توثیق کی ہے تو ابوحاتم کی جرح کا اعتبار مت کرو کیونکہ وہ رواۃ پر جرح کرنے میں متشدد ہیں، انہوں نے صحیحین کے کئی راویوں کے بارے میں یہ کہہ دیا کہ: یہ حجت نہیں ہیں، یہ قوی نہیں ہیں، وغیرہ وغیرہ۔" [سیر أعلام النبلاء للذهبی:۱۳/۲۶۰]۔

زیلعی حنفی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۶۲ھ) نے کہا:

"وقول أبي حاتم: لا يحتج به غير قادح أيضا فإنه لم يذكر السبب وقد تكررت هذه اللفظة منه في رجال كثيرين من أصحاب الثقات الأثبات من غير بيان السبب كخالد الحذاء وغيره"

"امام ابوحاتم کا یہ فرمانا: "اس سے حجت نہیں لی جائے گی" غیر قادح ہے، کیونکہ انہوں نے سبب ذکر نہیں کیا اور اس طرح کی جرح ان سے بغیر کسی تفسیر کے بڑے بڑے ثقات کے بارے میں صادر ہوئی ہے جیسے خالد الحذاء وغیرہ۔" [نصب الراية :۲/۳۱۷]۔

نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے زیر بحث راوی پر ابوحاتم کی اس جرح سے متعلق فرمایا:

"شجاع بن الوليد أبو بدر السكوني تكلم فيه أبو حاتم بعنت"

"شجاع بن الولید ابوبدر السکونی، ان پر ابوحاتم کا کلام مبنی بر تشدد ہے۔" [مقدمة فتح الباری لابن حجر:ص:۴۶۲]۔

معلوم ہوا کہ اس راوی پر ابوحاتم کی اس جرح کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور یہ راوی ثقہ ہیں۔

۞ محمد بن قدامة بن أعين المصيصي:

۞ یہ امام ابوداؤد (المتوفی:۲۷۵) کے ثقہ استاذ ہیں۔امام أبوداؤد رحمہ اللہ نے ان سے کئی روایت بیان کی جن میں سے ایک یہی روایت ہے اورامام ابوداؤد صرف ثقہ ہی سے روایت کرتے ہیں:

☆ امام ابن القطان رحمہ اللہ (المتوفی:٦٢٨) نے کہا:

”وأبو داؤد لا يروى إلا عن ثقة عنده“

”اورابوداؤداپنے نزدیک صرف ثقہ ہی سے روایت کرتے ہیں۔“[بيان الوهم والإيهام فی كتاب الأحكام: ٤٦٦/٣]۔

☆ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی:٨٥٢) نے کہا:

”أن أبا داؤد لا يروى إلا عن ثقة“

”ابوداؤد صرف ثقہ ہی سے روایت کرتے ہیں۔“[تهذيب التهذيب لابن حجر:١٨٠/٣]۔

امام ابوداؤد کے ساتھ دیگر ائمہ فن نے بھی بالاتفاق ان کی توثیق کی ہے چنانچہ:

۞ امام نسائی رحمہ اللہ (المتوفی:۳۰۳) نے کہا:

”صالح“

”یہ صالح ہیں۔“[تسمية الشيوخ للنسائی:ص:٥٠]۔

۞ امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی:۳۵۴) نے کہا:

”محمد بن قدامة بن أعين“

” محمد بن قدامہ بن اعین“[الثقات لابن حبان ط االعثمانية:١١١/٩]۔

۞ امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی:۳۸۵) نے کہا:

”ثقة“

”یہ ثقہ ہیں۔“[علل الدارقطنی:١٣٧/١٠]۔

۞ امام أبوعلی، الغسانی رحمہ اللہ (المتوفی:۴۹۸) نے کہا:

”محمد بن قدامة بن أعين، مصيصى، ثقة“

محمد بن قدامہ بن اعین، مصیصی ثقہ ہیں۔[تسمیة شيوخ أبي داؤد لأبي علي الغساني:ص:٩٧]۔

❁ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۴۸) نے کہا:

"ثقة"

"یہ ثقہ ہیں۔"[الكاشف للذهبي:٢/٢١٢]۔

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی:۸۵۲) نے کہا:

"ثقة"

"یہ ثقہ ہیں۔"[تقريب التهذيب لابن حجر:رقم:٦٢٣٣]۔

❁ تنبیہ اول:

ابوعبید الآجری نے امام ابوداؤد سے نقل کیا:

"سألت أبا داؤد، عن محمد بن قدامة الجوهري؟ فقال: ضعيف، لم أكتب عنه شيئا قط"

"میں نے ابوداؤد سے محمد بن قدامہ جوہری کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: یہ ضعیف ہے میں نے اس سے کچھ بھی نقل نہیں کیا۔"[سؤالات أبي عبيد الآجري لإمام أبي داؤد السجستاني - الفاروق : ص:٢٧٧]۔

عرض ہے کہ یہ "محمد بن قدامہ الجوہری" زیر بحث راوی کے علاوہ دوسرا شخص ہے جو ضعیف ہے۔اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ زیر بحث راوی سے امام ابوداؤد نے روایت بھی کیا ہے اوران کی روایت کو اپنی کتابوں میں لکھا بھی ہے اور امام ابوداؤد صرف ثقہ ہی سے روایت کرتے ہیں جیسا کہ ماقبل میں تفصیل پیش کی گئی۔

بالفرض اگر یہ مان لیں کہ اس سے مراد محمد بن قدامہ بن اعین ہے تو یہ اس وقت کی بات ہے جب امام ابوداؤد نے اس سے کچھ بھی روایت نہیں کیا تھا۔لیکن بعد میں امام ابوداؤد اس سے روایت کرنے لگے اوراس کی احادیث لکھنے لگے بلکہ کتب ستہ میں شمار کی جانے والی کتاب "سنن ابوداؤد" میں بھی اس

سے روایت لی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام ابوداؤد نے اپنی جرح سے رجوع کرلیا اور بعد میں اسے ثقہ تسلیم کرکے اس سے روایت کرنے لگے۔

بہرحال ہمارے نزدیک راجح بات یہی ہے کہ ابوداؤد نے جس پر جرح کی ہے وہ دوسرا شخص ہے۔

❁ تنبیہ دوم:

ابن محرز (مجہول) نے کہا:

''سألت يحيى بن معين عن محمد بن قدامة الجوهرى فقال ليس بشيء''

''میں نے یحییٰ بن معین سے محمد بن قدامہ الجوہری کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔'' [معرفة الرجال لابن معين: ١/٥٧]۔

عرض ہے کہ یہ محمد بن قدامہ الجوہری بھی زیر بحث راوی کے علاوہ دوسرا شخص ہے جو ضعیف ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے زیر بحث راوی کا تذکرہ کرنے کے بعد کہا:

''محمد بن قدامة الجوهرى الأنصارى أبو جعفر البغدادى فيه لين من العاشرة مات سنة سبع وثلاثين ووهم من خلطه بالذى قبله''

''محمد بن قدامہ، جوہری، انصاری، ابوجعفر بغدادی۔ اس میں کمزوری ہے یہ دسویں طبقہ کے ہیں ۲۳۷ ہجری میں اس کی وفات ہے۔ اور جس نے اس راوی کو اس سے قبل والے راوی کے ساتھ خلط ملط کردیا وہ وہم کا شکار ہوا ہے۔'' [تقريب التهذيب لابن حجر:رقم:٦٢٣٤]۔

واضح رہے کہ ابن معین سے یہ قول نقل کرنے والا ابن محرز مجہول ہے اس لئے اس کا نقل کرنا بھی غیر معتبر ہے۔

الغرض یہ کہ محمد بن قدامہ بن اعین المصیصی بالاتفاق ثقہ ہیں کسی بھی محدث نے ان پر جرح نہیں کی ہے۔

ایک شبہہ کا ازالہ:

اگر کہا جائے کہ علی رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے صرف ایک طریق میں ''فوق السرۃ'' کا ذکر ہے جب کہ اس کے تین طرق ہیں جن میں دو طرق میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

تو عرض ہے کہ یہ زیادتِ ثقہ کے قبیل سے ہے اور گذشتہ صفحات میں پوری تفصیل کے ساتھ بحث ہو چکی ہے کہ زیادتِ ثقہ کے قبول ورد کا فیصلہ قرائن کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

چنانچہ زیادتی کی قبولیت کا ایک قرینہ یہ ہوتا ہے کہ دیگر رواۃ نے اختصار سے کام لیا ہو۔ دیکھئے گذشتہ صفحات میں تفصیل ص ۹۰ تا ۱۰۴۔

اور یہاں اختصار و تفصیل ہی کا معاملہ ہے لہٰذا زیادتِ ثقہ مقبول ہے۔

زیادتِ ثقہ کی قبولیت کا ایک قرینہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اضافہ کردہ چیز کا اصل متن سے گہرا تعلق ہو، ایسی صورت میں بھی زیادتِ ثقہ مقبول ہوتی ہے دیکھئے: ص ۱۰۹، ۱۱۰۔

اور یہاں بھی یہی صورت ہے کیونکہ وضع یدین، محل یدین کو مستلزم ہے۔ یعنی ہاتھ باندھنا اس بات کو مستلزم ہے کہ ہاتھ جسم کے کسی حصہ پر ہو۔ لہٰذا جب اس لازمی چیز کی وضاحت کسی روایت میں ملے تو اسے قبول کیا جائے گا۔

زیادتِ ثقہ کی قبولیت کا ایک قرینہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اضافہ کردہ چیز میں اصل متن کے منافی کوئی بات نہ ہو دیکھئے: ص ۱۰۷۔

اور یہاں پر جس چیز کی زیادتی کی گئی ہے وہ اصل متن کے منافی نہیں ہے بلکہ اس سے ہم آہنگ اور اس کا لازم ہے۔

اس کے علاوہ زیادتِ ثقہ کی قبولیت میں شواہد کو بھی پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ اور علی رضی اللہ عنہ ہی سے دیگر روایات بسند صحیح منقول ہیں جن سے علی رضی اللہ عنہ کا سینہ پر ہاتھ باندھنا ثابت ہے۔ ان شواہد کی بنا پر بھی یہاں یہ زیادتی مقبول ہو گی۔

حدیث عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہ

امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی:۳۵۴) نے کہا:

"ثنا أبو خليفة قال ثنا علی بن المدينی قال ثنا عبد الله بن سفيان بن عقبة قال سمعت جدی عقبة بن أبی عائشة يقول رأيت عبد الله بن جابر البياضی صاحب رسول الله صلی الله عليه وسلم يضع إحدی يديه علی ذراعه فی الصلاة"

"عقبہ بن ابی عائشہ کہتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہ کو دیکھا، آپ نے نماز میں اپنے ایک ہاتھ کو اپنے بازو پر رکھا۔" [الثقات لابن حبان ط االعثمانية: ۲۲۸/۵ ومن طريق ابی خليفه اخرجه الطبرانی كما فی الأحاديث المختارة :۱۳۰/۹، ومن طريق الطبرانی اخرجه ابو نعيم فی معرفة الصحابة لأبی نعيم:۱۶۱۰/۳،رقم:۴۰۵۴ وقال الامام الهيثمی فی مجمع الزوائد : ۱۰۵/۲،اسناده حسن]۔

وضاحت:

اس حدیث میں بھی دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے "ذراع" (یعنی کہنی سے بیچ کی انگلی تک کے پورے حصہ) پر رکھنے کا عمل منقول ہے، اب اگر دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے "ذراع" (یعنی کہنی سے بیچ کی انگلی تک کے پورے حصے) پر رکھیں گے تو دونوں ہاتھ خود بخود سینے پر آ جائیں گے، تجربہ کر کے دیکھ لیجئے، لہٰذا یہ حدیث بھی نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی دلیل ہے، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: ص ۵۵ تا ۵۷۔

اس کی سند صحیح ہے تفصیل ملاحظہ ہو:

❖ عقبۃ بن أبی عائشۃ

آپ ثقہ ہیں امام ابن حبان رحمہ اللہ نے آپ کو ثقات میں ذکر کرتے ہوئے کہا:

"عقبة بن أبی عائشة ثقة"

"یعنی عقبہ بن ابی عائشہ ثقہ ہیں۔" [الثقات لابن حبان ط االعثمانية:۲۲۸/۵]۔

امام ہیثمی رحمہ اللہ (المتوفی:۸۰۷) نے ان کی زیر بحث حدیث ہی کے بارے میں کہا:

''إسناده حسن''

''اس کی سند حسن ہے۔'' [مجمع الزوائد و منبع الفوائد : ۱۰۵/۲]۔

اور ناقد محدث کی طرف سے سند کی تصحیح یا تحسین سند کے رجال کی توثیق ہوتی ہے۔ دیکھئے ص:۲۴۶، ۲۴۷۔

عبداللہ بن سفیان بن عقبۃ

ہشام بن عمار السلمی (المتوفی:۲۴۵) نے کہا:

''وهو من ثقاتهم''

''یہ مدینہ کے ثقہ لوگوں میں سے ہیں۔'' [الآحاد والمثانی لابن أبی عاصم: ۲۵٤/٤ واسناده صحیح]۔

امام أبو حاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۷۷) نے کہا:

''ليس به بأس''

''آپ میں کوئی حرج نہیں ہے۔'' [الجرح والتعديل لابن أبی حاتم:٦٦/٥]۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی:۳۵۴) نے آپ کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ دیکھئے: [الثقات لابن حبان ط االعثمانية:۳۳۸/۸]۔

امام علی بن المدینی

آپ بہت بڑے محدث اور جرح وتعدیل کے بہت بڑے امام ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی:۸۵۲) نے کہا:

''ثقة ثبت إمام أعلم أهل عصره بالحديث و علله''

''آپ ثقہ وثبت اور امام تھے، اپنے زمانے میں حدیث اور علل کے سب سے زیادہ جانکار تھے۔'' [تقريب التهذيب لابن حجر:رقم:٤٧٦٠]۔

ابو خلیفہ الفضل بن الحباب بن عمرو

امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی:۳۵۴) نے انہیں ثقات میں ذکر کیا ہے۔ دیکھئے: [الثقات لابن حبان ط االعثمانية:۸/۹]۔

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۴۸) نے کہا:

”وكان محدثا ثقة“

”آپ محدث اور ثقہ تھے۔“ [تاريخ الإسلام ت بشار :۹۲/۷]۔

بعض نے آپ پر رفض کا الزام لگایا ہے لیکن یہ الزام ثابت نہیں ہے جیسا کہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے کہا:

”ما علمت فيه لينا إلا ما قال السليماني: إنه من الرافضة. فهذا لم يصح عن أبي خليفة“

میں ان کے بارے میں کوئی کمزوری نہیں جانتا ہوں۔ سوائے اس کے کہ سلیمانی نے کہا کہ یہ رافضہ میں سے تھے لیکن یہ بات ابوخلیفہ الفضل بن الحباب کے تعلق سے ثابت نہیں ہے۔[میزان الاعتدال للذهبی:۳۵۰/۳]۔

باب دوم

احناف کے دلائل

فصل اول

مرفوع روایت

احناف کی خود ساختہ حدیث

(عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب صریح مرفوع روایت)

یہ تلخ حقیقت ہے کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے سے متعلق احناف حضرات کے پاس ایک بھی **''صریح مرفوع مسند''** روایت نہیں، نہ صحیح نہ ضعیف بلکہ ماضی کے کسی کذاب نے ایسی کوئی مرفوع مسند روایت گھڑی بھی نہیں ہے۔

یاد رہے کہ صحابی کی طرف سے ''من السنة كذا'' والی روایت صریحا مرفوع نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ حکما مرفوع ہے۔ جیسا کہ جمہور اہل علم کا موقف ہے کہ صحابی کا ''من السنة كذا'' کہنا مرفوع کے حکم میں ہے۔ البتہ بعض شوافع اور ابن حزم وغیرہ اسے مرفوع کے حکم میں بھی نہیں مانتے لیکن راجح یہی ہے کہ اس صیغہ کے ساتھ صحابی کی روایت حکما مرفوع ہے، لیکن اسے ''صریح مرفوع'' نہیں کہا جاسکتا بلکہ صریح مرفوع صرف وہی روایت ہوگی جس میں صراحتا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرکے کوئی بات اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی جائے۔

الغرض یہ کہ احناف کے پاس ان کے موقف پر کوئی ایک بھی **''صریح مرفوع مسند''** روایت دنیا کے کسی بھی کونے میں موجود نہیں ہے، نہ صحیح نہ ضعیف نہ موضوع۔

اس لئے بعض احناف نے یہ کمی پوری کرنے کے لئے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے سے متعلق ایک **''صریح مرفوع''** روایت گھڑنے کی ناکام کوشش کی ہے لیکن صرف متن ہی گھڑا اس کی سند گھڑنے کی جرأت نہیں کرسکے، شاید اس لئے کہ کہیں پول نہ کھل جائے۔ کیونکہ اگر صرف متن گھڑ کر کتاب میں لکھ دو تو ہوسکتا ہے کوئی یہ حسن ظن رکھے کہ حضرت نے کہیں سے اسے نقل کیا ہوگا۔ جیسا کہ عصر حاضر کے احناف بھی شاید یہی جواب دیں۔

بہرحال ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے سے متعلق احناف کی گھڑی ہوئی یہ حدیث ملاحظہ ہو:

چنانچہ:

درھم الصرۃ کے مؤلف لکھتے ہیں:

”منھا ماذکرہ صاحب المحیط البرھانی وصاحب مجمع البحرین فی شرحہ علی المجمع قالا: (قال ابن عباس رضی اللہ عنھما: إن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من السنۃ وضع الیدین علی الشمال تحت السرۃ)“

”ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے دلائل میں ایک دلیل وہ بھی ہے جسے صاحب المحیط البرھانی اور صاحب مجمع البحرین نے مجمع کی شرح میں ذکر کیا کہ: **عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنت میں سے ہے کہ دونوں ہاتھوں کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر ناف کے نیچے رکھا جائے۔**“ [درھم الصرۃ فی وضع الیدین تحت السرۃ:ص:۳۱]۔

عرض ہے کہ دنیا کی کسی بھی کتاب میں اس حدیث کا کوئی وجود نہیں۔

اس حدیث پر نظر پڑتے ہی ہمیں لگا کہ شاید شرح مجمع البحرین کے کسی نسخہ میں غلطی سے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف مرفوعاً منسوب کردی گئی ہو اور اصل میں یہ علی رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت ہی ہوگی لیکن ہم نے شرح مجمع البحرین کے چار مخطوطات (قلمی نسخوں) کا مراجعہ کیا تو چاروں میں یہ حدیث اسی طرح ہے۔ دیکھئے: نسخہ المکتبۃ الأزہریۃ (ق ۲۷/ب)، دوسرا نسخہ المکتبۃ الأزہریۃ (ق ۴۲/أ)، نسخہ یحیٰ بن احمد بن علی (ق ۴۴/ب) اور نسخہ مکتبہ جامعہ الریاض (ق ۲۵/أ)۔

معلوم ہوا کہ یہ ناسخ کی غلطی نہیں ہے بلکہ اپنے مسلک کی تائید میں اسے گھڑا گیا ہے۔

اس روایت کی کوئی سند ذکر نہیں کی گئی ہے اور نہ ہی سند والی کسی کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے اس لئے یہ روایت مسند نہیں ہے یعنی بے سند ہے۔ اسی لئے درھم الصرہ کے مؤلف نے جب اس حدیث کو ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی دلیل کے طور پر پیش کیا تو شیخ محمد حیاۃ سندھی حنفی رحمہ اللہ نے بلا جھجک اسے **”عدیم السند“** یعنی بے سند کہہ کر رد کر دیا۔ دیکھئے: [درۃ فی اظھار غش نقد الصرہ: ص ٦٦، المطبوع مع درھم الصرۃ :ص: ٣١]۔

اس کے بے سند ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے الفاظ ہی بتارہے ہیں کہ یہ حدیث بنی بنائی ہے، چنانچہ:

☆اس روایت کے متن پر غور کیجئے اس میں کہا جارہا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''من السنۃ'' یعنی سنت میں سے یہ ہے۔ حالانکہ اس طرح کے الفاظ صحابہ یا تابعین بولتے ہیں۔

☆مزید یہ کہ اس حدیث میں کہا گیا: ''وضع الیدین علی الشمال'' یعنی دونوں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا!

اب یہ کون سی بلا ہے؟ بھلا دونوں ہاتھ بائیں ہاتھ پر کیسے رکھے جائیں گے؟ کیا انسان کے تین ہاتھ ہوتے ہیں؟

اگر یہ کہا جاتا کہ ہاتھوں کو بائیں ہاتھ پر رکھنا، تو اس کی یہ تاویل ہوسکتی تھی کہ سبھی لوگوں کے لئے تعلیم ہے کہ دائیں ہاتھوں کو بائیں پر رکھیں۔ مگر یہاں تثنیہ کے ساتھ ہے کہ دونوں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا۔ یہ انتہائی عجیب وغریب بات ہے۔

یہ تمام باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ روایت خودساختہ ہے۔

اس روایت کے من گھڑت ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے خود عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہی سے صحیح سند سے مروی ہے کہ آپ نے ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾[۱۰۸/الکوثر:۲] کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے (نماز میں) ہاتھوں کو نحر کے پاس (یعنی سینے پر) رکھنا مراد ہے[غریب الحدیث للحربی : ۴۴۳/۲ واسنادہ صحیح، واخرجه البیهقی : ج:۲، ص:۴۴ من طریق ابی رجاء به]۔

گذشتہ صفحات میں یہ روایت سند کی تحقیق کے ساتھ پیش کی جاچکی ہے دیکھئے: ص۲۰۰۔

یادرہے کہ عصر حاضر میں کچھ لوگوں نے مصنف ابن ابی شیبہ کی ایک مرفوع حدیث میں تحریف کر کے اس میں ''تحت السرۃ'' کا اضافہ کر دیا ہے۔ لہٰذا کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس بارے میں یہ صریح مرفوع حدیث ہے کیونکہ اس صریح مرفوع حدیث میں ''تحت السرۃ'' کا اضافہ خودساختہ ہے۔ ہم ان شاءاللہ اس باب کے اخیر میں اس روایت پر پوری تفصیل سے بات کریں گے۔ دیکھئے: ص۳۱۱ تا ۳۶۸۔

فصل دوم

آثار صحابہ رضی اللہ عنہم

حدیث علی رضی اللہ عنہ (من السنہ...)

امام أبوداؤد رحمہ اللہ (المتوفی:۲۷۵) نے کہا:

"حدثنا محمد بن محبوب، حدثنا حفص بن غياث، عن عبد الرحمن بن إسحاق، عن زياد بن زيد، عن أبي جحيفة، أن عليا رضى الله عنه، قال: من السنة وضع الكف على الكف فى الصلاة تحت السرة"

"سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نماز میں ہتھیلی کو ہتھیلی پر ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے۔" [سنن أبي داؤد: ۲۰۱/۱ رقم: ۷۵۶، وأخرجه ابن أبي شيبة: ۳۹۱/۱، وابن المنذر في الأوسط: ۹۴/۳ رقم: ۱۲۹۰، والدارقطني في سننه: ۳۴/۲ رقم: ۱۱۰۲، والضياء في المختارة: ۴۰۲/۱ رقم: ۷۷۲ (لكن ضعفه فى السنن والأحكام: ۳۶/۲) من طريق ابى معاويه ـ وأخرجه ايضا الطحاوى فى أحكام القرآن: ۱۸۵/۱ رقم: ۳۲۷ من طريق حفص بن غياث ـ وأخرجه ايضا الدارقطني في سننه: ۳۴/۲ رقم: ۱۱۰۲، ومن طريقه البيهقى فى سننه: ۴۸/۲ رقم: ۲۳۴۱ وعبدالله فى المسند: ۲۲۲/۲ ومن طريقه ابن الجوزى فى التحقيق فى مسائل الخلاف: ۳۳۹/۱ رقم: ۴۳۸ ـ ومن طريق ابن الجوزى اخرجه المزى فى تهذيب الكمال للمزى: ۴۷۳/۹ والضياء فى المختارة: ۴۰۱/۱ (لكن ضعفه فى السنن والأحكام: ۳۶/۲) من طريق يحيىٰ بن أبي زائدة ـ كلهم (ابومعاويه و حفص ويحيىٰ بن أبي زائدة) من طريق ابن اسحاق به وأخرجه الدارقطني: ۱۸۶/۱، ومن طريقه البيهقى: ۳۱/۲ من طريق حفص بن غياث، عن عبد الرحمن بن إسحاق، عن النعمان بن سعد (وهو مجهول)، عن علي به ـ وعزاه السيوطى للعدنى وابن شاهين فى الجامع الكبير: ج: ۱۷ ص: ۲۶۱]۔

یہ حدیث سخت ضعیف ہے۔ پوری امت کے کسی بھی عالم نے اسے صحیح نہیں کہا ہے بلکہ اس کے ضعیف ہونے پر پوری امت کا اتفاق ہے جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ کا بیان آگے آرہا ہے۔

ذیل میں ہم دس محدثین کے حوالے پیش کرتے ہیں جنہوں نے اس حدیث کو ضعیف ومردود قرار دیا ہے۔

❁ امام أبوداؤد رحمہ اللہ (المتوفی:۲۷۵) نے عبدالرحمٰن بن اسحاق کی یہ روایت اوراس کی کچھ اور روایت بیان کرنے کے بعد کہا:

"سمعت أحمد بن حنبل: يضعف عبد الرحمن بن إسحاق الكوفي"

"میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے سنا وہ عبدالرحمٰن بن اسحاق کوفی کو ضعیف قرار دیتے تھے۔" [سنن أبي داؤد: ۱/۲۰۱]۔

معلوم ہوا کہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے یہ حدیث روایت کرنے کے بعد اس کے راوی پر جرح نقل کی ہے گویا کہ خود امام ابوداؤد رحمہ اللہ بھی اس حدیث کو صحیح نہیں مانتے بلکہ ضعیف گردانتے ہیں۔

❁ امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی:۴۵۸) نے کہا:

"والذي روي عنه، تحت السرة ، لم يثبت إسناده، تفرد به عبد الرحمن بن إسحاق الواسطي، وهو متروك"

"علی رضی اللہ عنہ سے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے والی جوروایت مروی ہے اس کی سند ثابت نہیں ہے اسے بیان کرنے میں عبدالرحمٰن بن اسحاق الواسطی اکیلا ہے اور یہ متروک ہے۔" [معرفة السنن والآثار للبيهقي: ۲/۳۴۱]۔

❁ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ (المتوفی:۴۶۳) نے کہا:

"وروي ذلك عن علي وأبي هريرة والنخعي ولا يثبت ذلك عنهم"

"ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے والا قول علی رضی اللہ عنہ، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابراہیم نخعی سے مروی ہے لیکن یہ ان لوگوں سے ثابت نہیں ہے۔" [التمهيد: ۲۰/۷۵]۔

❁ ابن الجوزی رحمہ اللہ (المتوفی:۵۹۷) نے کہا:

"وهذا لا يصح قال أحمد عبد الرحمن بن إسحاق ليس بشيء وقال يحيى متروك"

"یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے کہا: عبدالرحمٰن بن اسحاق کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اور امام یحییٰ ابن معین رحمہ اللہ نے کہا: یہ متروک ہے۔" [التحقيق في مسائل الخلاف: ۱/۳۳۹]۔

امام ضیاء المقدسی رحمہ اللہ (المتوفی:۶۴۳) نے کہا:

”رواه عبد الله بن أحمد في المسند عن غير أبيه والدارقطني والبيهقي ، من رواية عبد الرحمن بن إسحاق -أبو شيبة الواسطي -قال فيه الإمام أحمد : ليس بشيء ، منكر الحديث. وقال يحيى س : ضعيف. وقال يحيى في رواية: متروك“

”اس حدیث کو عبداللہ بن احمد بن حنبل نے مسند میں اپنے والد کے واسطے کے بغیر اور دارقطنی اور بیہقی نے عبدالرحمٰن بن اسحاق ابوشیبہ الواسطی کے طریق سے روایت کیا ہے۔اور اس کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کہا: اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے اس کی حدیث میں نکارت ہوتی ہے۔ اور امام یحییٰ بن معین اور امام نسائی نے کہا: یہ ضعیف ہے۔اور امام یحییٰ بن معین نے ایک روایت کے مطابق کہا: یہ متروک ہے۔“[السنن والأحكام :۲/۳۶]۔

امام نووی رحمہ اللہ (المتوفی:۶۷۶) نے کہا:

”ضعيف متفق على تضعيفه“

”یہ روایت ضعیف ہے، اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔“[شرح النووي على مسلم :۴/۱۱۵]۔

امام ابن عبدالہادی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۴۴) نے کہا:

”وهذا لا يصح، قال أحمد: عبد الرحمن بن إسحاق ليس بشيء“

”یہ روایت صحیح نہیں ہے، امام احمد نے کہا: عبدالرحمٰن بن اسحاق کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔“[تنقيح التحقيق لابن عبد الهادي :۲/۱۴۸]۔

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۴۸) نے کہا:

”وهذا لا يصح، عبد الرحمن واه“

”یہ روایت صحیح نہیں ہے۔عبدالرحمٰن بن اسحاق سخت ضعیف راوی ہے۔“[تنقيح التحقيق للذهبي:۱/۱۴۰]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی:۸۵۲) نے کہا:

”وإسناده ضعيف“

”اس کی سند ضعیف ہے۔“[فتح الباري :۲/۲۲۴،الدراية في تخريج أحاديث الهداية:۱/۱۲۸]۔

❁ امام زرقانی (المتوفی:۱۱۲۲) نے کہا:

”وإسناده ضعيف“

”اس کی سند ضعیف ہے۔“ [شرح الزرقانی علی الموطأ: ۱/۵٤۹]۔

معلوم ہوا کہ بہت سارے محدثین نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے اور امام نووی کے بقول اس کے ضعیف ہونے پر امت کا اتفاق ہے کما مضیٰ۔

بلکہ ایک بریلی عالم اور شیخ الحدیث جناب غلام رسول سعیدی صاحب نے بھی لکھا:

”فقہاء احناف کے نزدیک نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے حالانکہ یہ سنت سنن ابوداؤد کی جس حدیث سے ثابت ہے وہ بالاتفاق ضعیف ہے۔“ [نعمة الباری :ص ۸۲۲]

اس حدیث کے سخت ضعیف ہونے کے اسباب

یہ حدیث سخت ضعیف ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے اندر کئی علتیں ہیں اور بعض شدید ہیں، تفصیل ملاحظہ ہو:

❁ **پہلی علت:**

اس حدیث کا مرکزی راوی ”عبدالرحمٰن اسحاق الواسطی الکوفی“ سخت ضعیف ومتروک ہے بلکہ بعض نے اسے متہم قرار دیا ہے۔ چنانچہ:

❁ امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی:۲۳۰) نے کہا:

”كان ضعيف الحديث“

”یہ ضعیف الحدیث تھا۔“ [الطبقات الکبری ط دار صادر: ٦/٣٦١]۔

❁ امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی:۲۳۳) نے کہا:

”عبد الرحمن بن إسحاق الكوفي ضعيف“

عبدالرحمٰن بن اسحاق الکوفی ضعیف ہے۔ [تاریخ ابن معین، روایة الدوری: ٣/٣٢٤]۔

اور ابوبشر دولابی کے بقول ابن معین نے یہ بھی کہا:

”متروک“

”یہ متروک ہے۔“ [الكامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی:٤٩٥/٥ورجاله ثقات ماعداالدولابی]۔

امام ضیاء المقدسی نے بھی ابن معین سے ”**متروک**“ کی جرح نقل کی ہے دیکھئے:ص**٢٦٦**۔

اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ امام ابن معین رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں یہ بھی کہا:

”**لیس بشیء**“

”اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔“ [تاریخ ابن معین، روایة الدوری:٤٦/٤،سؤالات ابن الجنید لابن معین: ص:٣٢٠]۔

اور **لیس بشیء.** یہ سخت قسم کی جرح ہے، جیسا کہ متعدد محدثین نے صراحت کی ہے۔ دیکھیں:

[ألفاظ وعبارات الجرح والتعديل:٣٠٧،فتح المغيث:١٢٣/٢ تدريب الراوی:٤٠٩/١۔٤١٠]۔

اورابن معین کے نزدیک بھی عام حالات میں یہ اسی معنی میں ہے، بلکہ بسا اوقات آپ نے کذاب اور وضاع راویوں پر بھی انہیں الفاظ میں جرح کی ہے، مثلاً ایک کذاب کے بارے میں فرماتے ہیں:

”**کذاب لیس بشی**“ [سؤالات ابن الجنيد:رقم:٥٢٣و أيضا أرقام:٢٩٣،٤١٧،٤٨٤]۔ اور ایک وضاع کے بارے میں فرماتے ہیں:”**لیس بشی یضع الاحادیث.**“ [تاریخه ،روایة الدوری:رقم:٤٢١٣]۔

واضح رہے کہ امام ابن معین قلیل الحدیث کے معنی میں بھی یہ جرح کرتے ہیں لیکن یہاں اس معنی کے لئے کوئی قرینہ نہیں ہے بلکہ قرینہ تو یہ ہے کہ انہوں نے یہاں شدید جرح مراد لی ہے کیونکہ ان سے اس راوی کی تضعیف بھی منقول ہے اور متروک کی جرح بھی۔

۞ امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی:٢٤١) نے کہا:

”**عبد الرحمن بن إسحاق الكوفی، متروک الحدیث**“

عبدالرحمٰن بن اسحاق الکوفی ،متروک الحدیث ہے۔[العلل لأحمد، ت الأزهری:٣١/٢]۔

۞ امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی:٢٥٦) نے کہا:

”**فیه نظر**“

”اس میں نظر ہے۔“ [التاريخ الكبير للبخاری:٢٥٩/٥، التاريخ الأوسط للبخاری:٤٣/٢]۔

نیز کہا:

”عبد الرحمن بن إسحاق الكوفي وهو ضعيف الحديث“

”عبدالرحمٰن بن اسحاق الکوفی، یہ ضعیف الحدیث ہے۔“[العلل الکبیر للترمذی:ص:۷۲]۔

۞ امام عجلی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۶۱) نے کہا:

”ضعيف جائز الحديث يكتب حديثه“

”یہ ضعیف ہے، اس سے روایت کرنا جائز ہے اس کی حدیث لکھی جائے گی۔“[تهذيب التهذيب لابن حجر:۱۳۷/۶ نقله عن العجلی]۔ نیز دیکھیں:[معرفة الثقات للعجلی:۷۲/۲ زيادة من التهذيب]۔

۞ امام أبوزرعۃ الرازی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۶۴) نے کہا:

”ليس بقوى“

”یہ قوی نہیں ہے۔“[الجرح والتعديل لابن أبي حاتم:۲۱۳/۵ واسناده صحيح]۔

۞ امام أبوحاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۷۷) نے کہا:

”ضعيف الحديث منكر الحديث يكتب حديثه ولا يحتج به“

”یہ ضعیف الحدیث ہے، اس کی حدیث میں نکارت ہوتی ہے، اس کی حدیث لکھی جائے گی مگر اس سے دلیل نہیں پکڑی جائے گی۔“[الجرح والتعديل لابن أبي حاتم:۲۱۳/۵]۔

۞ امام یعقوب بن سفیان الفسوی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۷۷) نے کہا:

”ضعيف“

”یہ ضعیف ہے۔“[تهذيب التهذيب لابن حجر:۱۳۷/۶ نقله من تاريخ يعقوب وانظر:المعرفة والتاريخ:۵۹/۳]۔

۞ امام ترمذی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۷۹) نے کہا:

”قد تكلم بعض أهل العلم في عبد الرحمن بن إسحاق هذا من قبل حفظه وهو كوفي“

”بعض اہل علم نے اس عبدالرحمٰن بن اسحاق کے بارے میں اس کے حافظہ کے لحاظ سے کلام کیا ہے اور یہ کوفی ہے۔“[سنن الترمذی ت شاکر:۶۷۳/٤]۔

واضح رہے کہ جن اہل علم نے حافظہ کے لحاظ سے جرح کی انہوں نے حافظہ پر معمولی جرح نہیں کی ہے بلکہ شدید جرح کرتے ہوئے اسے متروک تک کہا ہے۔لہٰذا امام ترمذی کے کلام میں حافظہ کی جس جرح کا ذکر ہے اس سے شدید جرح مراد ہے۔

یہ بھی یادر ہے کہ امام ترمذی نے جن بعض محدثین کے کلام کی طرف اشارہ کیا ہے ان محدثین کے خلاف کسی بھی محدث کا قول موجود نہیں ہے لہٰذا بعض محدثین کا یہ کلام متفق علیہ ہے اسی لئے امام نووی رحمہ اللہ نے اس پر ائمہ جرح وتعدیل کا اتفاق نقل کیا ہے کما سیاتی۔

۞ امام نسائی رحمہ اللہ (المتوفی:۳۰۳) نے کہا:

”ضعیف“

”یہ ضعیف ہے۔“[الضعفاء والمتروکون للنسائی:ص:٦٦]۔

۞ امام ابن خزیمۃ رحمہ اللہ (المتوفی:۳۱۱) نے کہا:

”ضعیف الحدیث“

”یہ ضعیف الحدیث ہے۔“[التوحید لابن خزیمة:٥٤٥/٢]۔

۞ امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی:۳۵۴) نے کہا:

”کان ممن یقلب الأخبار والأسانید وینفرد بالمناکیر عن المشاهیر لا یحل الاحتجاج بخبره“

”یہ ان لوگوں میں سے تھا جو احادیث اور سندوں میں الٹ پلٹ کرتے تھے اور مشہور لوگوں سے منکر روایات بیان کرتے تھے اس کی حدیث سے حجت پکڑنا جائز نہیں ہے۔“[المجروحین لابن حبان :٥٤/٢]۔

۞ امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی:۳۸۵) نے کہا:

”عبد الرحمن بن إسحاق ضعیف“

”عبدالرحمٰن بن اسحاق ضعیف ہے۔“[سنن الدارقطنی:١٢١/٢]۔

نیز امام دارقطنی نے اسے متروک بھی کہا ہے۔دیکھئے:[کتاب الضعفاء والمتروکین للدارقطنی ت الأزهری: ص:١٤٥،ایضاً مقدمه: ص:٦٣]۔

۞ امام ابراہیم بن الحسین ابن حمکان (المتوفی قبل:۳۸۵) اور امام برقانی (المتوفی:۴۲۵) نے بھی امام دارقطنی کے ساتھ اسے متروک کہا ہے۔ دیکھئے: [مقدمه كتاب الضعفاء والمتروكين للدارقطني ت الأزهري:ص:٦٣]۔

۞ امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی:۴۵۸) نے کہا:

"عبد الرحمن بن إسحاق متروك"

"عبدالرحمٰن بن اسحاق متروک ہے۔" [السنن الكبرى للبيهقي:٤٨/٢]۔

۞ محمد بن طاہر ابن القیسرانی رحمہ اللہ (المتوفی:۵۰۷) نے کہا:

"متروك الحديث"

"یہ متروک الحدیث ہے۔" [ذخيرة الحفاظ لابن القيسراني:١٣٧٤/٣]۔

۞ ابن الجوزی رحمہ اللہ (المتوفی:۵۹۷) نے کہا:

"والمتهم به عبد الرحمن بن إسحاق وهو أبو شيبة الواسطي"

"اس حدیث کو گھڑنے والا عبدالرحمٰن بن اسحاق ہے اور یہ ابوشیبہ الواسطی ہے۔" [الموضوعات لابن الجوزي، ت شكري:٥٨٤/٣]۔

۞ امام نووی رحمہ اللہ (المتوفی:٦٧٦) نے کہا:

"هو ضعيف باتفاق أئمة الجرح والتعديل"

"یہ ضعیف ہے اس پر ائمہ جرح وتعدیل کا اتفاق ہے۔" [المجموع:٢٦٠/٣]۔

۞ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۴۸) نے کہا:

"عبد الرحمن بن إسحاق كوفي ضعيف"

"عبدالرحمٰن بن اسحاق الکوفی ضعیف ہے۔" [المستدرك للحاكم مع تعليق الذهبي:٤١٥/٢]۔

نیز کہا:

"واه"

"یہ سخت ضعیف ہے۔" [تلخيص كتاب الموضوعات للذهبي :ص:٣٥٢]۔

۞ امام ابن الملقن رحمہ اللہ (المتوفی:۸۰۴) نے کہا:

''ضعیف''

''یہ ضعیف ہے۔'' [البدر المنیر لابن الملقن:۲/۰۵؎۴]۔

۞ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی:۸۵۲) نے کہا:

''کوفی ضعیف''

''یہ کوفی اور ضعیف ہے۔'' [تقریب التھذیب لابن حجر:رقم:۳۷۹۹]۔

بلکہ ایک دوسری کتاب میں زیر بحث حدیث ہی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

''وفيه عبد الرحمن بن إسحاق الواسطى، وهو متروك''

''اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن اسحاق الواسطی ہے اور یہ متروک ہے۔'' [تلخيص الحبير لابن حجر:۱/۴۹۰]۔

☆ علامہ نیموی حنفی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''وفيه عبد الرحمن بن إسحاق الواسطى، وهو ضعيف''

''اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن اسحاق الواسطی ہے اور یہ ضعیف ہے۔'' [آثار السنن: ص ۱۱۱، کراچی]۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ راوی بالاتفاق ضعیف ہے اور اس کا ضعف شدید ہے کیونکہ امام بخاری نے اس کے بارے میں فیہ نظر کہا ہے۔امام بخاری جس کے بارے میں یہ جرح کریں وہ امام بخاری کے نزدیک سخت ضعیف و متروک ہوتا ہے۔چنانچہ:

☆ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۴۸) نے کہا:

''وقد قال البخارى: فيه نظر، ولا يقول هذا إلا فيمن يتهمه غالبا''

''امام بخاری نے کہا: ''فيه نظر.'' اور امام بخاری عام طور سے ایسا اسی راوی کو کہتے ہیں جو ان کے نزدیک متہم ہوتا ہے۔'' [الكاشف للذهبي:۱/۶۸]۔

☆ امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی:۷۷۴) نے کہا:

''أن البخارى إذا قال، فى الرجل:'' سكتوا عنه''، أو'' فيه نظر''، فإنه يكون فى أدنى المنازل وأردئها عنده''

''امام بخاری جب کسی راوی کے بارے میں'' سكتوا عنه'' یا'' فيه نظر'' کہتے ہیں تو وہ ان

کے نزدیک سب سے کم تر اور سب سے بدتر درجہ کا ہوتا ہے۔‘‘[الباعث الحثيث إلى اختصار علوم الحديث : ص:١٠٦]۔

☆امام زین الدین العراقی رحمہ اللہ (المتوفی:٨٠٦) نے کہا:

”وفيه نظر وسكتوا عنه وهاتان العبارتان يقولهما البخارى فيمن تركوا حديثه“

”**فيه نظر** اور **سكتوا عنه**“ یہ دونوں عبارتیں امام بخاری اس راوی کے بارے میں کہتے ہیں جو متروک ہوتا ہے۔‘‘[التقييد والإيضاح :ص:١٦٣]۔

☆حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی:٨٥٢) نے کہا:

”قال البخارى فيه نظر وهذه العبارة يقولها البخارى فى من هو متروك“

”اس کے بارے میں امام بخاری نے کہا: ”**فيه نظر**“ اور یہ عبارت امام بخاری اس راوی کے بارے میں کہتے ہیں جو متروک ہوتا ہے۔‘‘[القول المسدد :ص:١٠]۔

☆امام سیوطی رحمہ اللہ (المتوفی:٩١١) نے کہا:

”البخارى يطلق فيه نظر وسكتوا عنه فيمن تركوا حديثه“

”امام بخاری ” **فيه نظر**“ اور ”**سكتوا عنه** “ کا اطلاق اس راوی پر کرتے ہیں جو متروک ہوتا ہے۔‘‘[تدريب الراوى:١/٣٤٩]۔

☆مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ (المتوفی:١٣٠٤) نے کہا:

”قول البخارى فى حق احد من الرواة فيه نظر يدل على انه متهم عنده“

”امام بخاری کا کسی راوی کے بارے میں ”**فيه نظر**“ کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ان کے نزدیک متہم ہے۔‘‘[الرفع والتكميل :ص:٣٨٨]۔

☆علامہ المعلمی الیمانی (المتوفی:١٣٨٦) نے کہا:

”وقال البخارى” فيه نظر“ معدودة من أشد الجرح فى اصطلاح البخارى“

”اور امام بخاری نے کہا:”**فيه نظر**“ اور یہ امام بخاری کی اصطلاح میں شدید جرح شمار ہوتی ہے۔‘‘[التنكيل بما فى تأنيب الكوثرى من الأباطيل :٢/٤٩٥]۔

☆مولانا ظفر أحمد التھانوی حنفی (المتوفی:۱۳۹۴) نے کہا:

”البخاری یطلق فیه نظر وسکتوا عنه فیمن ترکوا حدیثه“

”امام بخاری ” **فیه نظر** “ اور ” **سکتوا عنه** “ کا اطلاق اس راوی پر کرتے ہیں جو متروک ہوتا ہے۔“ [قواعد فی علوم الحدیث :ص:۲۵٤]۔

ان محدثین اور اہل علم کے خلاف عصر حاضر کے بعض لوگوں کا امام بخاری کی اس جرح کی کوئی اور تفسیر پیش کرنا غیر مقبول ہے۔

معلوم ہوا کہ امام بخاری کے نزدیک یہ راوی سخت ضعیف اور متروک ہے۔

امام بخاری کے علاوہ امام أحمد بن حنبل، امام دارقطنی ، امام ابن حمکان، امام برقانی، امام بیہقی محمد بن طاہر ابن القیسر انی اور حافظ ابن حجر رحمھم اللہ نے اسے متروک قرار دیا ہے۔ بلکہ ابو بشر الدولابی کی روایت کے مطابق امام معین رحمہ اللہ نے بھی اسے متروک کہا ہے۔امام ضیاء المقدسی نے بھی ابن معین سے ”متروک“ کی جرح نقل کی ہے دیکھئے:۲٦٦۔

اور امام ابوحاتم نے اسے منکر الحدیث کہا ہے بلکہ ابن الجوزی نے تو اسے متہم کہا ہے۔لہٰذا ایسا راوی سخت ضعیف اور اس کی روایت حسن لغیرہ کے باب میں بھی نا قابل قبول ہے۔

❁ تنبیه:

درج بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس راوی کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے جیسا کہ امام نووی نے بھی اس کی صراحت کی ہے امام نووی کی اسی صراحت کو زیلعی حنفی نے نصب الرایہ میں نقل کیا اور کوئی تعاقب نہیں کیا لیکن نصب الرایہ کے محشی نے انتہائی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے امام نووی کے کلام پر حاشیہ لگاتے ہوئے کہا:

”هذا تهور منه كما هو دأبه فی أمثال هذه المواقع وإلا فقد قال الحافظ ابن حجر فی ” القول المسدد“ص: ۳۵ وحسن له الترمذی حدیثا مع قوله: إنه تكلم فيه من قبل حفظه وصحح الحاكم من طريقه حديثا وأخرج له ابن خزيمة من صحيحه آخر ولكن قال: وفی القلب من عبد الرحمن شیء“

”انہوں (امام نووی) نے غور وفکر کے بغیر یہ بات کہہ دی ہے جیسا کہ ایسے مواقع پر ان کا معمول

ہے ورنہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے القول المسدد: ص: ۳۵ پر کہا کہ: امام ترمذی نے اس کی حدیث کو حسن کہا ہے باوجود اس کے کہ انہوں نے اس راوی کے بارے میں کہا: اس کے حافظہ کے لحاظ سے اہل علم نے اس پر کلام کیا ہے، اور امام حاکم نے اس کے طریق سے ایک حدیث کو صحیح کہا ہے اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اس کی حدیث نقل کی ہے لیکن کہا: عبدالرحمان بن اسحاق کے بارے میں دل میں کھٹکا ہے۔'' [نصب الراية ۲۵۱/۱ حاشيه:۵]۔

عرض ہے کہ سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس راوی کو ضعیف اور متروک کہا ہے اور اس کی زیر بحث حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے جیسا کہ حوالے پیش کئے جا چکے ہیں۔

اس کے بعد عرض ہے کہ یہاں پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی کسی امام سے صریح توثیق پیش نہیں کی ہے بلکہ صرف امام ترمذی کی تحسین پیش کی ہے اور ساتھ میں ان کی جرح بھی نقل کی ہے۔ اسی طرح امام حاکم کی تصحیح پیش کی ہے۔ اور امام ابن خزیمہ کی صرف تخریج کا حوالہ دیا کیونکہ اس روایت پر ان کی جرح بھی نقل ہے۔

مزید عرض ہے کہ جہاں تک امام ترمذی کی تحسین کی بات ہے تو اول تو امام ترمذی متساہل ہیں اور دوسرے یہ کہ خود امام ترمذی نے اس راوی کو مجروح قرار دیا ہے۔ لہٰذا ان کی تحسین یا تو تساہل پر مبنی ہے یا دیگر ایسے شواہد یا متابعات کی روشنی میں ہے جو امام ترمذی کے نزدیک حسن درجے میں ہیں نہ کہ ضعیف۔ کیونکہ اس راوی کے سخت ضعیف ہونے کے سبب اس کے لئے ضعیف شاہد یا متابع کافی نہیں ہے۔

رہی امام حاکم کی تصحیح تو امام حاکم کی یہ تصحیح مستدرک میں ہے اور مستدرک میں ان کا تساہل بہت معروف ہے اسی لئے کئی مقامات پر جہاں امام حاکم نے اس راوی کی روایت کی تصحیح کی ہے وہیں پر امام ذہبی رحمہ اللہ نے امام حاکم پر تعاقب کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اس میں عبدالرحمٰن بن اسحاق ضعیف ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر کہا:

''بل عبد الرحمن لم يرو له مسلم ولا لخاله النعمان وضعفوه''

''بلکہ عبدالرحمٰن (بن اسحاق) سے امام مسلم نے روایت نہیں لی اور نہ ہی اس کے ماموں نعمان سے اور محدثین نے اسے ضعیف کہا ہے۔'' [المستدرك للحاكم مع تعليق الذهبي: ۴۰۹/۲]۔

ایک اور مقام پر کہا:

''ابن إسحاق ضعيف''

''ابن اسحاق ضعیف ہے۔'' [المستدرك للحاكم مع تعليق الذهبي: ٢/٤٦٦]۔

معلوم ہوا کہ اس راوی کی روایت کو صحیح کہنا امام حاکم کا تساہل ہے لہٰذا مبنی بر تساہل تصحیح سے دیگر محدثین کے متفقہ فیصلہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

رہی بات امام ابن خزیمہ کی تخریج کی تو امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس کی روایت کی تخریج تو کی ہے مگر اس کی تصحیح نہیں کی بلکہ تصحیح سے یہ کہتے ہوئے انکار کردیا ہے:

''إن صح الخبر؛ فإن في القلب من عبد الرحمن بن إسحاق أبي شيبة الكوفي (شيء)''

''اگر یہ حدیث صحیح ہو تو، کیونکہ عبدالرحمٰن بن اسحاق ابوشیبہ الکوفی کے تعلق سے دل میں کچھ کھٹکا ہے۔'' [صحيح ابن خزيمة، ت الأعظمي: ٣/٣٠٦، القول المسدد لابن حجر: ص: ٣٤ و مابين القوسين زيادة من نقل الحافظ]۔

اور ایک دوسری کتاب میں واضح طور پر اسے ضعیف قرار دیتے ہوئے کہا:

''ضعيف الحديث''

''یہ ضعیف الحدیث ہے۔'' [التوحيد لابن خزيمة: ٢/٥٤٥]۔

معلوم ہوا کہ امام ابن خزیمہ کے نزدیک بھی یہ راوی ضعیف ہی ہے اور انہوں نے اس کی حدیث کی تصحیح نہیں کی ہے بلکہ تصحیح سے انکار کیا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام نووی کا اس راوی کے ضعیف ہونے پر ائمہ جرح وتعدیل کا اتفاق نقل کرنا بالکل صحیح ہے۔ اور نصب الرایہ کے محشی کا اس پر واویلا مچانا ہٹ دھرمی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

یاد رہے کہ ایک دو محدث سے اگر اس کی توثیق مل بھی جائے تو بھی یہ راوی ضعیف ہی رہے گا کیونکہ محدثین کی بڑی تعداد نے اسے ضعیف کہا ہے اور بعض نے سخت جرح کی ہے اور بعض نے مفسر جرح کی ہے لہٰذا اس قدر جروح کے ہوتے ہوئے ایک دو کی توثیق اسے ثقہ نہیں بنا سکتی۔ اسی لئے نصب الرایۃ

کے متعصب محشی نے بھی اس کی تضعیف میں صرف اختلاف ثابت کرنے کی لا حاصل کوشش کی ہے اور اسے ثقہ ثابت کرنے کا حوصلہ بالکل نہیں دکھا سکے۔

دوسری علت:

اس کی سند میں ایک دوسرا راوی ''زیاد بن زید'' مجہول ہے۔کسی بھی امام نے اسے ثقہ نہیں کہا ہے۔ بلکہ:

امام أبوحاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۷۷) نے کہا:

''مجهول''

''یہ مجہول ہے۔'' [الجرح والتعديل لابن أبي حاتم، ت المعلمي:۵۳۲/۳]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی:۸۵۲) نے کہا:

''مجهول''

''یہ مجہول ہے۔'' [تقريب التهذيب لابن حجر:رقم:۲۰۷۸]۔

تیسری علت:

اس حدیث میں تیسری علت یہ ہے کہ اس حدیث کو بیان کرنے میں ''عبدالرحمٰن بن اسحاق'' اضطراب کا شکار ہوا ہے تفصیل ملاحظہ ہو:

سند میں اضطراب:

عبدالرحمٰن بن اسحاق اس روایت کی سند بیان کرنے میں شدید اضطراب کا شکار ہوا ہے چنانچہ کبھی تو اس نے اس حدیث کو زیاد بن زید، عن أبي جحيفة کے واسطہ سے علی رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ جیسا کہ گذشتہ سطور میں اس کی سند پیش کی گئی ہے۔دیکھئے: [سنن أبي داؤد : ۲۰۱/۱ رقم:۷۵٦]۔

اور کبھی اس نے نعمان بن سعد کے واسطے سے علی رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بیان کی ہے چنانچہ:

امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی:۳۸۵) نے کہا:

''حدثنا محمد بن القاسم، ثنا أبو كريب، ثنا حفص بن غياث ، عن عبد الرحمن

بن إسحاق ، عن النعمان بن سعد، عن علی، أنه کان یقول: إن من سنة الصلاة وضع الیمین علی الشمال تحت السرة"[سنن الدارقطنی:۲/ ۳۵ومن طریقه البیهقی: ۲/ ۳۱]۔

صرف یہی نہیں بلکہ کبھی اس نے روایت کو علی رضی اللہ عنہ کے بجائے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا ہے چنانچہ:

امام أبوداؤد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۵) نے کہا:

"**حدثنا مسدد، حدثنا عبد الواحد بن زیاد، عن عبد الرحمن بن إسحاق الکوفی، عن سیار أبی الحکم، عن أبی وائل، قال: قال أبو ھریرة: أخذ الأکف علی الأکف فی الصلاة تحت السرة، قال أبو داؤد: سمعت أحمد بن حنبل: یضعف عبد الرحمن بن إسحاق الکوفی**"

"سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نماز میں ہتھیلی کو ہتھیلی پر ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ: میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے سنا وہ عبدالرحمٰن بن اسحاق کوفی کو ضعیف قرار دیتے تھے۔"[سنن أبی داؤد ۱/ ۲۰۱ ومن طریقه اخرجه الدارقطنی فی سننه:۲/ ۳۱ رقم:۱۰۹۸،وابن المنذرفی الأوسط فی السنن والإجماع :۳/ ۹۴ رقم:۱۲۹۱ به]۔

ان تمام سندوں میں مرکزی راوی عبدالرحمٰن بن اسحاق الواسطی الکوفی ہی ہے اور یہ اپنے سے اوپر روایت کی سند بیان کرنے میں شدید اضطراب کا شکار ہوا ہے لہٰذا اس روایت کے ضعیف ہونے کی یہ بھی ایک علت ہے، جیسا کہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے کہا ہے دیکھیں:[ضعیف أبی داود:۱/ ۲۹۲]۔

❁ متن میں اضطراب:

بلکہ زیدی شیعوں کی ایک کتاب سے پتہ چلتا ہے کہ عبدالرحمان بن اسحاق الواسطی الکوفی اس روایت کے متن کو بیان کرنے میں بھی اضطراب کا شکار ہوا ہے چنانچہ گذشتہ سطور میں اس روایت کا ایک سیاق گذر چکا ہے۔ لیکن زیدی شیعوں ہی کی ایک دوسری کتاب رأب الصدع میں یہ روایت عبدالرحمان بن اسحاق الواسطی الکوفی ہی کی سند سے موجود ہے چنانچہ:

أبوجعفر محمد بن منصور بن یزید المرادی الکوفی نے کہا:

”حدثنا علی بن منذر، عن ابن فضیل، قال: حدثنا عبدالرحمن بن إسحاق، عن النعمان بن سعد، عن علی -علیه السلام -قال: ثلاث من أخلاق الأنبیاء : تعجیل الإفطار، وتأخیر السحور، ووضع الأکف علی الأکف تحت السرة“

”صحابی رسول علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: تین چیزیں انبیاء علیہم السلام کے اخلاق میں سے ہیں افطار میں جلدی کرنا، سحری میں تاخیر کرنا اور نماز میں ہتھیلی کو ہتھیلی پر رکھ کر ناف کے نیچے رکھنا۔“ [رأب الصدع :ج:١ص:٣١٩]۔

امام سیوطی نے انہیں الفاظ کے ساتھ اس روایت کے لئے اہل سنت کی کتابوں میں ابن شاہین، ابومحمد عبداللہ بن عطاء الابراہیمی اور ابوالقاسم ابن مندہ کی کتابوں کے حوالے دیئے ہیں دیکھئے:ص ٢٩٢۔

ممکن ہے ان کتابوں میں بھی اس روایت کی سند یہی ہو اگر ایسا ہے یا شیعوں کی اس کتاب میں أبوجعفر محمد بن منصور بن یزید المرادی الکوفی نے سند درست نقل کی ہے تو اس روایت میں اس نے اس کا متن الگ سیاق میں بیان کیا ہے یہ بھی اس کا اضطراب ہے جو اس روایت کے ضعیف ہونے کی دلیل ہے۔

الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے۔ بلکہ علی رضی اللہ عنہ سے ثابت شدہ عمل کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔ کیونکہ علی رضی اللہ عنہ سے نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا ہی ثابت ہے چنانچہ:

امام أبوداؤد رحمہ اللہ (المتوفی:٢٧٥) نے کہا:

”حدثنا محمد بن قدامة یعنی ابن أعین، عن أبی بدر، عن أبی طالوت عبد السلام، عن ابن جریر الضبی، عن أبیه، قال: رأیت علیا، رضی الله عنه یمسک شماله بیمینه علی الرسغ فوق السرة“

”جناب ابن جریر الضبی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے پہنچے (کلائی) کے پاس سے (یعنی جوڑ

کے پاس) سے پکڑ رکھا تھا اور وہ ناف سے اوپر تھے۔'' [سنن أبی داؤد: ۱/۲۰۱ رقم: ۷۵۷ و اسناده حسن]۔ دیکھئے: ص ۲۴۴۔

اس ثابت شدہ روایت سے معلوم ہوا کہ علی رضی اللہ عنہ نماز میں ناف کے اوپر ہاتھ باندھتے تھے اور ناف کے اوپر سے مراد سینہ ہی ہے جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ کی تفسیری روایت سے معلوم ہوتا ہے چنانچہ علی رضی اللہ عنہ ہی سے ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ [۱۰۸/الکوثر: ۲] کی تفسیر میں یہ قول صحیح سند سے مروی ہے کہ: اس سے (نماز میں) اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ کے بازو (کہنی سے ہتھیلی تک کے حصہ) کے درمیان رکھ کر پھر انہیں اپنے سینے پر رکھنا مراد ہے۔ جیسا کہ گذشتہ صفحات میں یہ روایت سند کی تحقیق کے ساتھ پیش کی جا چکی ہے۔ دیکھئے: ص ۲۲۰۔

حدیث انس رضی اللہ عنہ (من أخلاق النبوة...)

امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی:۴۵۸) نے کہا:

"أخبرنا ابو الحسین بن الفضل ببغداد،أنباأبوعمر ابن السماک،ثنا محمدبن عبیداللہ بن المنادی،ثناأبو حذیفه ثناسعیدبن زربی عن ثابت عن أنس قال: من أخلاق النبوة تعجیل الافطار وتاخیر السحور ووضعک یمینک علی شمالک فی الصلاة تحت السرة"

"صحابیِ رسول انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: نبوت کے اخلاق میں سے ہے افطار میں جلدی کرنا اور سحری میں تاخیر کرنا اور نماز میں تمہارے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر زیر ناف رکھنا۔" [خلافیات البیهقی:۳۷/ب۔ مکتبه ظاهریه ، مختصر خلافیات البیهقی:۲/ ٣٤مکتبة الرشد ، المحلی لابن حزم:۳/ ٣٠بدون سند]۔ نیز دیکھیں: بریلوی کتاب: [نصرت الحق: ج:۱،ص:۳۷۶]

یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔

اس کی سند میں ایک راوی "سعید بن زربی" ہے۔ یہ متروک اور شدید مجروح ہے بلکہ محدثین نے اسے موضوع اور من گھڑت احادیث بیان کرنے والا بتلایا ہے۔ ذیل میں اس کے بارے میں محدثین کے اقوال ملاحظہ ہوں:

۞ امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی:۲۳۳) نے کہا:

"سعید بن زربی لیس بشیء"

"سعید بن زربی کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔" [تاریخ ابن معین، روایة الدوری:٤/ ٨٨]۔

۞ امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی:۲۵۶) نے کہا:

"لیس بقوی"

"یہ قوی نہیں ہے۔" [التاریخ الکبیر للبخاری:٣/ ٣٦٩]۔

نیز کہا:

”صاحب عجائب“

”یہ عجیب وغریب روایات والا ہے۔“[التاریخ الکبیر للبخاری:۴۷۳/۳]۔

۞ امام مسلم رحمہ اللہ (المتوفی:۲۶۱) نے کہا:

”صاحب عجائب“

”یہ عجیب وغریب روایات والا ہے۔“[الکنی والأسماء للإمام مسلم:۷۵۸/۲]۔

۞ امام أبوداؤد رحمہ اللہ (المتوفی:۲۷۵) نے کہا:

”ضعیف“

”یہ ضعیف ہے۔“[سؤالات أبی عبید الآجری أبا داؤد:ص:۳۱۰]۔

۞ امام أبوحاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۷۷) نے کہا:

”سعید بن زربی ضعیف الحدیث منکر الحدیث عندہ عجائب من المناکیر“

”سعید بن زربی ضعیف اور منکر الحدیث ہے، اس کے پاس عجیب وغریب منکر روایات ہیں۔“[الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم:۲۳/۴]۔

۞ امام یعقوب بن سفیان الفسوی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۷۷) نے کہا:

”سعید بن زربی ، ضعیف“

”سعید بن زربی ضعیف ہے۔“[المعرفة والتاریخ للفسوی:۶۶۰/۲]۔

۞ امام نسائی رحمہ اللہ (المتوفی:۳۰۳) نے کہا:

”سعید بن زربی أبو معاویة لیس بثقة“

”سعید بن زربی ابومعاویہ، یہ ثقہ نہیں ہے۔“[الضعفاء والمتروکون للنسائی:ص:۵۳]۔

۞ امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی:۳۵۴) نے کہا:

”کان ممن یروی الموضوعات عن الأثبات علی قلة روایته“

”یہ قلیل الروایہ ہونے کے ساتھ ساتھ ثقہ راویوں سے موضوع اور من گھڑت روایات بیان کرتا تھا۔“[المجروحین لابن حبان:۳۱۸/۱]۔

۞ امام ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۶۵) نے کہا:

”هو يأتي عن كل ما يروى عنه بأشياء لا يتابعه عليه أحد وعامة حديثه على ذلك“

”یہ ہرایک سے ایسی روایات بیان کرتا ہے جس کی متابعت کوئی نہیں کرتا اس کی اکثر حدیثیں اسی طرح ہیں۔“[الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدى:٤/٤١٢]۔

۞ امام أبوأحمد الحاکم رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۷۸) نے کہا:

”منكر الحديث جدا“

”یہ سخت منکر الحدیث ہے“[تهذيب لابن حجر:٤/٢٨ نقله من الكنى]۔

۞ امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۵) نے کہا:

”متروك“

”یہ محدثین کے نزدیک ترک کیا گیا ہے۔“[الضعفاء والمتروكون للدارقطنی:٢/١٥٦]۔

امام ابن حمکان (المتوفی قبل: ۳۸۵) اور امام برقانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۲۵) بھی امام دارقطنی کی اس بات سے متفق ہیں دیکھئے:[مقدمه كتاب الضعفاء والمتروكين للدارقطنى ت الأزهرى:ص:٦٣]۔

۞ امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۵۸) نے کہا:

”ضعيف“

”یہ ضعیف ہے۔“[السنن الكبرى للبيهقى:١/٥٦٣]۔

نیز دوسری کتاب میں کہا:

”سعيد بن زربى من الضعفاء“

”سعید بن زربی ضعفاء میں سے ہیں۔“[شعب الإيمان للبيهقى:٤/٣٢٤]۔

۞ تنبیہ:

امام بیہقی رحمہ اللہ نے خلافیات ہی میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فوراً کہا:

”وذربى ليس بالقوى“

[خلافيات البيهقى:٣٧/ب۔ مكتبه ظاهريه ، مختصر خلافيات البيهقى:٢/٣٤ مكتبة الرشد]۔

نیز دیکھیں: بریلوی کتاب: [نصرت الحق: ج: ١ ص: ٣٧٦]۔

لیکن اس سند میں ذربی نہیں ہے بلکہ سعید بن زربی ہے، غالبًا امام بیہقی نے سبقت قلم سے ایسا لکھ دیا یا ناسخ کی غلطی ہے۔

نصرت الحق کے بریلوی مصنف نے امام بیہقی کی اس جرح لیس بالقوی کا جواب دیتے ہوئے شیخ ارشادالحق اثری حفظہ اللہ کا کلام نقل کیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ لیس بالقوی سے ضعیف کی جرح مراد نہیں ہوتی ہے۔ دیکھئے: [نصرت الحق: ج: ١ ص: ٣٧٦]۔

عرض ہے کہ عمومی طور پر یہ بات بالکل درست ہے کہ لیس بالقوی سے ضعیف کی جرح مراد نہیں ہوتی ہے لیکن یہاں پر ایسا معاملہ نہیں ہے کیونکہ امام بیہقی رحمہ اللہ ہی کی دیگر صراحتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہاں ضعیف ہی کے معنی میں لیس بالقوی کہا ہے۔

چنانچہ خود امام بیہقی رحمہ اللہ نے دوسرے مقام پر اسے لیس بقوی کہا ہے اور اس سے راوی کی تضعیف مراد ہوتی ہے۔ چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے کہا:

”زياد النميری ويزيد الرقاشی، **وسعيد بن زربی** ليسوا بأقوياء“

”زیاد نمیری، یزید رقاشی اور سعید بن زربی، یہ سب لیس بقوی ہیں۔“ [التخويف من النار: ص: ٢٣٤، استدراكات البعث والنشور: ص: ١٢٤]۔

بلکہ ایک دوسرے مقام پر صراحت کے ساتھ اسے ضعیف کہتے ہوئے کہا:

”ضعيف“

”یہ ضعیف ہے۔“ [السنن الكبری للبيهقی: ٥٦٣/١]۔

بالفرض اگر تسلیم بھی کرلیں کہ امام بیہقی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ راوی ضعیف نہیں ہے تو بھی دیگر محدثین نے اس پر سخت، اور شدید جرح کی ہے نیز بعض نے مفسر جرح بھی کی ہے اس لئے امام بیہقی کی رائے غیر مسموع ہے۔ لیکن صحیح بات یہی ہے کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی اسے ضعیف ہی کہا ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۴۸) نے کہا:

”ضعفوہ“

”محدثین نے اسے ضعیف کہا ہے۔“[الكاشف للذهبي:۱/ ۴۳۵]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی:۸۵۲) نے کہا:

”منکر الحدیث“

”یہ منکر الحدیث ہے۔“[تقريب التهذيب لابن حجر:رقم:۲۳۰۴]۔

سعید بن زربی کے علاوہ اس سند میں ابوحذیفہ بھی ہے۔
اس کے بارے میں کتب رجال میں ہمیں کچھ بھی نہیں ملا۔

تنبیہ:

اسی روایت کو کچھ لوگ محلی لابن حزم سے پیش کرتے ہیں۔عرض ہے کہ محلی میں اس روایت کی سند ہی مذکور نہیں۔[المحلى لابن حزم:۳/ ۳۰]۔
لہٰذا یہ حوالہ غیر مستند ہے۔

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔
اس کے راوی سعید بن زربی پر جہاں بہت ساری جرح کی گئی ہے وہیں اسے متروک اور موضوع احادیث بیان کرنے والا بھی بتلایا گیا ہے اس لئے یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔کیونکہ یہ صحیح احادیث کے خلاف ہے۔
اس روایت کے باطل ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ تحت السرۃ (زیرناف) کی زیادتی کے بغیر انہیں الفاظ کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ نے اسی حدیث کو مرفوعاً روایت کیا ہے لیکن ان کی روایت میں تحت السرۃ کے الفاظ نہیں ہیں۔اوران کی سند صحیح ہے۔دیکھئے: [صحيح ابن حبان:۵/ ۶۷رقم:۱۷۷۰عن ابن عباس واسناده صحيح على شرط مسلم]۔

غور کریں کہ جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی حدیث تحت السرۃ (زیرناف) کی زیادتی کے بغیر صحیح سند سے ثابت ہے تو انس رضی اللہ عنہ اس میں تحت السرۃ (زیرناف) کی زیادتی کیسے کر سکتے ہیں؟ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے اس حدیث میں تحت السرۃ (زیرناف) کا اضافہ غلط و باطل ہے۔

بلکہ بعض جگہ انس رضی اللہ عنہ ہی سے یہی روایت تحت السرۃ کی زیادتی کے بغیر مروی ہے چنانچہ:

أبو محمد الحسن بن علی بن محمد، الجوہری (المتوفی:۴۵۴) نے کہا:

"أخبرناه أبو عمر بن حيوة قراء ة عليه وأنا حاضر أسمع ، قثنا أبو عبيد الصوفى محمد بن أحمد ، قثنا أبى ، قثنا بشر هو ابن محمد السكرى ، قثنا عبد الحكم ، عن أنس بن مالك ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :" من أخلاق النبوة تعجيل الإفطار وتأخير السحور ووضع اليمين الأيدى على الأيدى فى الصلاة ."

"صحابی رسول انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: نبوت کے اخلاق میں سے ہے افطار میں جلدی کرنا اور سحری میں تاخیر کرنا اور نماز میں تمہارا دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا۔" [السابع و الحادى عشر من أمالى لجوهرى: ق ۹/ب، ق ۱۰/أ]۔

لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔

تاہم ممکن ہے کہ انس رضی اللہ عنہ نے بھی یہی روایت اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ کے بغیر انہیں الفاظ کے ساتھ بیان کی ہو جن الفاظ کے ساتھ دیگر صحابہ نے اسے مرفوعاً بیان کیا ہے اور انس رضی اللہ عنہ نے بھی دیگر صحابہ کی طرح تحت السرۃ کی زیادتی کے بغیر ہی اسے بیان کیا ہو لیکن متروک راوی نے اس میں تحت السرۃ کا اضافہ کر دیا۔

اس اضافہ کے باطل اور جھوٹ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ انس رضی اللہ عنہ نے ہی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾[۱۰۸/الکوثر:۲] کی تفسیر میں یہ نقل کیا کہ: اس سے (نماز میں) اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ کے بازو (کہنی سے ہتھیلی تک کے حصہ) کے درمیان رکھ کر پھر انہیں اپنے سینے پر رکھنا مراد ہے۔ جیسا کہ گذشتہ صفحات میں یہ روایت سند کی تحقیق کے ساتھ پیش کی جا چکی ہے۔ دیکھئے: ص ۱۹۱۔

حدیث علی رضی اللہ عنہ (مسند زید)

ابوخالد عمرو بن خالد الواسطی (المتوفی بعد:۱۲۰ھ) کذاب نے کہا:

"(حدثنی) زید بن علی عن أبیه عن جده عن علی رضی الله عنهم قال: ثلاث من أخلاق الانبیاء صلاة الله وسلامه علیهم ،تعجیل الافطار و تاخیر السحور، ووضع الکف علی الکف تحت السره"

"صحابئ رسول علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: تین چیزیں انبیاء علیہم السلام کے اخلاق میں سے ہیں افطار میں جلدی کرنا اور سحری میں تاخیر کرنا اور دائیں ہتھیلی کو بائیں ہتھیلی پر رکھ کرزیرناف رکھنا۔" [مسند زید بن علی: ص:۱۸۳ دار الکتب العلمیة]۔

یہ روایت باطل اور جھوٹ ہے کیونکہ یہ ایسی کتاب سے نقل کی گئی ہے جو خودساختہ اور من گھڑت ہے۔

چنانچہ مسند زید بن علی کے نام سے یہ کتاب "زید بن علی بن الحسین بن علی بن أبی طالب القرشی الھاشمی (المتوفی:۱۲۲ھ)" کی طرف منسوب ہے جس میں زید بن علی کو اپنے آباء واجداد (**عن أبیه عن جده عن أمیر المؤمنین علی**) کی سند سے احادیث بیان کرتے ہوئے ظاہر کیا گیا ہے۔

لیکن یہ جھوٹی نسبت ہے کیونکہ کسی بھی ذریعہ سے یہ ثابت نہیں ہے کہ زید بن علی رحمہ اللہ نے ایسی کوئی کتاب لکھی ہے۔

مسند زید بن علی کا جو موجودہ نسخہ ہے اس میں دوجگہ اس کتاب کی سند درج ہے جو اس طرح ہے:

"حدثنی عبد العزیز بن إسحاق بن جعفر بن الهیثم القاضی البغدادی قال: حدثنا أبو القاسم علی بن محمد النخعی الکوفی. قال: حدثنا سلیمان بن إبراهیم بن عبید المحاربی. قال: حدثنی نصر بن مزاحم المنقری العطار قال: حدثنی إبراهیم بن الزبرقان التیمی قال: حدثنی أبو خالد الواسطی رحمهم اللّٰه تعالی قال: حدثنی زیدبن علی ......" [مسندزید بن علی:ص:٤٨، ایضا :ص:٣٨٧]۔

اس سند کا ہر راوی متکلم فیہ ہے بلکہ بعض متروک اور خبیث مذہب والے ہیں لیکن سب کی تفصیل پیش کرنے کے بجائے ابوخالد عمرو بن خالد الواسطی ہی کی حقیقت بیان کردینا کافی ہے کیونکہ یہی وہ شخص

ہے جس نے اس مجموعہ کو اپنی طرف سے گھڑا ہے اور اسے زید بن علی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔
یعنی ابو خالد عمرو بن خالد الواسطی نے زید بن علی رحمہ اللہ کی کتاب روایت نہیں کی ہے بلکہ خود ہی یہ کتاب مرتب کی ہے۔

یاد رہے کہ زید بن علی رحمہ اللہ کا اپنی مسند مرتب کرنا ثابت نہیں ہے اور نہ ہی محدثین نے انہیں کسی مسند کا مصنف کہا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس مجموعہ کو مرتب کرنے والا یہی ابو خالد عمرو بن خالد الواسطی ہے۔ اور اس نے اپنی طرف سے جھوٹ اور کذب بیانی سے کام لیتے ہوئے اس مجموعہ کو مرتب کر کے زید بن علی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر دیا۔ چنانچہ:

❁ امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی:۲۴۱) نے کہا:

"كذاب ، يروى عن زيد بن علي ، عن آبائه ، أحاديث موضوعة ، يكذب"

"یہ بہت بڑا جھوٹا ہے، یہ زید بن علی سے ان کے آباء واجداد (**عن أبيه عن جده عن أمير المؤمنين علي**) کے طریق سے من گھڑت احادیث بیان کرتا ہے اور جھوٹ بولتا ہے۔" [تهذيب الكمال للمزي: ۶۰۵/۲۱ نقله عن كتاب الاثرم وايضا الضعفاء الكبير للعقيلي:۲۶۸/۳ واسناده صحيح]۔

امام احمد رحمہ اللہ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ ابو خالد عمرو بن خالد الواسطی کا مرتب کیا ہوا مسند زید بن علی کے نام سے یہ پورا مجموعہ موضوع اور خود ساختہ ہے جسے ابو خالد عمرو بن خالد الواسطی نے گھڑا ہے۔

❁ یہی بات امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی:۲۳۳) نے بھی کہی ہے چنانچہ آپ نے کہا:

"شيخ كوفي كذاب يروى عن زيد بن علي عن آبائه عن علي"

یہ کوفی شیخ اور بہت بڑا جھوٹا ہے۔ یہ زید بن علی سے ان کے آبا واجداد (**عن أبيه عن جده عن أمير المؤمنين علي**) کے طریق سے علی رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتا ہے۔ [تاريخ ابن معين، رواية الدارمي:ص:۱۶۰]۔

معلوم ہوا کہ ابن معین رحمہ اللہ نے بھی زید بن علی سے ان کے آباء واجداد کے طریق سے ابو خالد عمرو بن خالد الواسطی کی روایات کو جھوٹی اور من گھڑت قرار دیا ہے۔

یادر ہے کہ ابوخالد عمرو بن خالد الواسطی نے یہ پورا مجموعہ ''زید بن علی'' سے ان کے آباء واجداد (عن أبيه عن جده عن أمير المؤمنين علي) کے طریق سے بیان کیا ہے اور اس طریق سے زید بن علی سے ''ابوخالد عمرو بن خالد الواسطی'' کی روایات کو امام احمد اور امام ابن معین رحمہما اللہ نے خصوصی طور پر موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مسند زید بن علی کے نام سے ابوخالد عمرو بن خالد الواسطی کا مرتب کیا ہوا یہ پورا مجموعہ ہی موضوع اور من گھڑت ہے جسے ابوخالد عمرو بن خالد الواسطی نے گھڑا ہے۔

ابوخالد عمرو بن خالد الواسطی کی اس مجموعہ روایات پر خصوصی جرح کے ساتھ ساتھ اور بھی کئی دلائل ہیں جن سے اس مجموعہ کا موضوع اور من گھڑت ہونا ثابت ہوتا ہے مثلاً:

❁ زید بن علی رحمہ اللہ، جن کے نام سے یہ مجموعہ گھڑا گیا ہے ان کی اولاد میں حسین بن زید یا عیسیٰ بن زید یا روئے زمین کے کسی بھی فرد نے اس مجموعہ کی کوئی ایک بھی روایت اسی سند سے زید بن علی سے بیان نہیں کی ہے۔ پھر پوری دنیا میں تنہا ابوخالد عمرو بن خالد الواسطی ہی کو یہ مجموعہ کہاں سے مل گیا؟

❁ اسی طرح اس سے اوپر کے طبقہ میں دیکھیں کہ امام محمد باقر رحمہ اللہ یہ زید بن علی ہی کے بھائی ہیں یعنی یہ بھی علی بن الحسین کے بیٹے ہیں جن سے زید بن علی نے یہ روایات بیان کیں۔ لیکن امام باقر نے اس مجموعہ کی کوئی ایک بھی روایت اپنے والد سے بیان نہیں کی ہے۔ یعنی انہوں نے کسی بھی روایت میں زید بن علی کی متابعت نہیں کی ہے حالانکہ یہ عمر میں زید بن علی سے پچیس (۲۵) سال بڑے ہیں۔

اگر واقعتاً زید بن علی اور ان کے آباء واجداد سے یہ احادیث مروی ہوتیں تو ان کے بڑے بھائی امام باقر بھی اپنے والد علی بن الحسین سے ان احادیث میں سے کچھ نہ کچھ ضرور بیان کرتے مگر انہوں نے اپنے والد علی بن الحسین سے اس مجموعہ کی ایک بھی روایت بیان نہیں کی ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ روایات نہ تو امام باقر کے بھائی علی بن زید کے پاس تھیں اور نہ ہی ان کے والد علی بن الحسین کے پاس، بلکہ یہ سب ابوخالد عمرو بن خالد الواسطی ہی کی خود ساختہ ہیں۔

یہی حال سند کے اوپر کے طبقہ میں بھی ہے۔ اوپر کے طبقہ میں بھی نہ تو اہل بیت کے دیگر افراد کی متابعت ملتی ہے اور نہ ہی روئے زمین کے کسی فرد کی متابعت ملتی ہے۔

اور یہ بھی کیا عجیب تماشا ہے کہ کتاب کی تمام احادیث جن کی تعداد چھ (٦٠٠) سو ہے یہ سب ایک ہی سند سے مروی ہیں جو یہ ہے:

"حدثني زيد بن علي عن أبيه عن جده عن أمير المؤمنين علي (موقوفا أو مرفوعا)"

غور کریں ایک ہی کتاب کی ساری کی ساری احادیث ایک ہی سند سے مروی ہیں جس کے تمام طبقات یکساں ہیں! کیا یہ سخت تعجب انگیز بات نہیں ہے؟

اور تعجب بالائے تعجب یہ کہ اس پوری کتاب کی کسی ایک بھی حدیث میں اس طریق کی متابعت پوری دنیا کے کسی فرد سے نہیں ملتی!

کیا پوری دنیا سے حدیث کی کوئی ایک بھی کتاب ایسی دکھائی جاسکتی ہے جو ایک ہی سند سے تمام طبقات میں یکسانیت کے ساتھ مروی ہو؟ اور جس کی کسی ایک بھی حدیث کی روایت میں اس کے طریق کی متابعت پوری دنیا میں کسی بھی فرد سے نہ ملے؟

علم رجال کا معمولی طالب علم بھی کسی کتاب کی سندوں کی یہ کیفیت دیکھتے ہی پکار اٹھے گا کہ اس کا مصنف کذاب اور بہت بڑا جھوٹا ہے یہی وجہ ہے کہ بہت سارے محدثین نے اس کتاب کے مصنف "ابوخالد عمرو بن خالد الواسطی" کو متفق اللسان ہو کر حدیث گھڑنے والا اور کذاب یعنی بہت بڑا جھوٹا قرار دیا ہے۔ امام احمد اور امام ابن معین رحمہما اللہ کا حوالہ گذر چکا ہے مزید حوالے ملاحظہ ہوں:

۞ امام وکیع رحمہ اللہ (المتوفی: ١٩٦) نے کہا:

"كان كذابا"

"یہ بہت بڑا جھوٹا تھا" [المعرفة والتاريخ: ٧٠٠/١ واسناده صحيح]

۞ امام اِسحاق بن راہَوَیہ رحمہ اللہ (المتوفی: ٢٣٧) نے کہا:

"يضع الحديث"

"یہ حدیث گھڑتا ہے۔" [الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: ٢٣٠/٦ واسناده صحيح]۔

۞ امام اَبوزرعۃ الرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ٢٦٤) نے کہا:

"كان يضع الحديث"

"یہ حدیث گھڑتا ہے۔" [الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: ٢٣٠/٦ واسناده صحيح]۔

۞ امام أبوداؤد رحمہ اللہ (المتوفی:۲۷۵) نے کہا:

"هذا كذاب"

"یہ بہت بڑا جھوٹا ہے۔" [تهذيب الكمال للمزى: ٦٠٦/٢١ نقله من الاجرى]۔

۞ امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی:۳۸۵) نے کہا:

"عمرو بن خالد، أبو خالد، الواسطى. كَذَّاب"

"عمرو بن خالد، ابوخالد الواسطی یہ بہت بڑا جھوٹا ہے۔" [كتاب الضعفاء والمتروكين للدارقطنى ت الأزهرى: ص: ١٥٩]۔

۞ امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی:۴۵۸) نے کہا:

"عمرو بن خالد الواسطى معروف بوضع الحديث"

"عمرو بن خالد الواسطی یہ حدیث گھڑنے میں معروف ہے۔" [السنن الكبرى للبيهقى: ٣٤٩/١]۔

۞ محمد بن طاہر ابن القیسرانی رحمہ اللہ (المتوفی:۵۰۷) نے کہا:

"عمرو بن خالد كذاب"

"عمرو بن خالد، یہ بہت بڑا جھوٹا ہے۔" [ذخيرة الحفاظ لابن القيسرانى: ٨٩٢/٢]۔

۞ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۴۸) نے کہا:

"كذبوه"

"محدثین نے اسے جھوٹا قرار دیا ہے۔" [الكاشف للذهبى: ٧٥/٢]۔

۞ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی:۸۵۲) نے کہا:

"عمرو بن خالد الواسطى وهو كذاب"

"عمرو بن خالد الواسطی، یہ بہت بڑا جھوٹا ہے۔" [تلخيص الحبير لابن حجر: ٢٥٩/١]۔

مزید تفصیل اور دیگر اقوال کے لئے عام کتب رجال دیکھیں۔

معلوم ہوا کہ یہ روایت جھوٹی اور من گھڑت ہے جسے عمرو بن خالد الواسطی نے گھڑا ہے۔

❁ تنبیہ:

امام سیوطی رحمہ اللہ (المتوفی:۹۱۱) نے کہا:

"عن علی قال: ثلاثة من أخلاق الانبياء: تعجيل الافطار، وتأخير السحور، و وضع الاكف على الاكف تحت السرة فى الصلاة (ابن شاهين، وأبو محمد الإبراهيمي فى كتاب الصلاة، وأبو القاسم بن منده فى الخشوع.)"

"صحابی رسول علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: تین چیزیں انبیاء علیہم السلام کے اخلاق میں سے ہیں افطار میں جلدی کرنا، سحری میں تاخیر کرنا اور نماز میں ہتھیلی کو ہتھیلی پر رکھ کر ناف کے نیچے رکھنا۔" [الجامع الکبیر للسیوطی: ج:۱۷، ص:۶۰۳، رقم:۷۸۲ مسند علی، مطبوعہ دارالسعادہ]۔

اور امام سیوطی کی اسی کتاب سے یہ روایت نقل کرکے علاء الدین متقی الہندی (المتوفی:۹۷۵) نے کنز العمال میں درج کیا۔ دیکھئے: [کنز العمال: ۲۳۰/۱٦، رقم: ٤٤٢٧١]۔ نیز دیکھیں: [کنز العمال مترجم: ج:۱٦، ص: ٤٩٩]۔

عرض ہے کہ امام سیوطی نے اس کی سند ذکر نہیں کی ہے اور بے سند باتیں حجت نہیں ہوتیں۔ امام سیوطی نے ابن شاہین، ابو محمد عبداللہ بن عطاء الابراہیمی اور ابوالقاسم ابن مندہ کی کتابوں کے حوالے دیئے ہیں لیکن یہ کتابیں دستیاب نہیں ہے۔

بہت ممکن ہے کہ ان کتابوں میں بھی یہ روایت عمرو بن خالد الواسطی الکوفی کذاب اور جھوٹے ہی کی سند سے ہو جیسا کہ اس نے اپنی من گھڑت کتاب مسند زید میں اسے زید بن علی اوران کے آباء کی سند سے ذکر کیا ہے۔ جس کی حقیقت گذشتہ سطور میں بتائی جاچکی ہے۔

یادرہے کہ اہل سنت کی کتابوں میں بھی زید بن علی اوران کے آباء واجداد کی سند سے عمرو بن خالد الواسطی الکوفی کذاب کی روایت موجود ہے چنانچہ:

امام ابن ماجۃ رحمہ اللہ (المتوفی:۲۷۳) نے کہا:

"حدثنا محمد بن أبان البلخي قال: حدثنا عبد الرزاق قال: أنبأنا إسرائيل، عن عمرو بن خالد، عن زيد بن علي، عن أبيه، عن جده، عن علي بن أبي طالب، قال:

انکسرت إحدی زندی، فسألت النبی صلی الله علیه وسلم، فأمرنی أن أمسح علی الجبائر"[سنن ابن ماجه: ۱/۲۱۵،رقم: ۶۵۷]۔

معلوم ہوا کہ اہل سنت نے بھی اسی سند سے عمرو بن خالد الواسطی الکوفی کذاب کی روایت نقل کی ہے اس لئے بعید نہیں امام سیوطی کی ذکر کردہ کتابوں میں بھی یہ روایت اسی سند سے ہو۔

یا یہ بھی ممکن ہے کہ یہ روایت اُسی عبدالرحمٰن بن اسحاق الواسطی الکوفی بالاتفاق ضعیف اور متروک کی سند سے ہو جس نے علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے زیر ناف ہاتھ باندھنے کو سنت کہا ہے جیسا کہ تفصیل گذر چکی ہے۔

چنانچہ زیدی شیعوں ہی کی ایک دوسری کتاب ''رأب الصدع'' میں یہ روایت عبدالرحمان بن اسحاق الواسطی الکوفی ہی کی سند سے موجود ہے چنانچہ:

أبوجعفر محمد بن منصور بن یزید المرادی الکوفی نے کہا:

"حدثنا علی بن منذر، عن ابن فضیل، قال: حدثنا عبدالرحمن بن إسحاق، عن النعمان بن سعد، عن علی قال: ثلاث من أخلاق الأنبیاء: تعجیل الإفطار، وتأخیر السحور، ووضع الأکف علی الأکف تحت السرة"

''صحابی رسول علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: تین چیزیں انبیاء علیہم السلام کے اخلاق میں سے ہیں افطار میں جلدی کرنا، سحری میں تاخیر کرنا اور نماز میں ہتھیلی کو ہتھیلی پر رکھ کر ناف کے نیچے رکھنا۔''[رأب الصدع :ج:۱،ص:۳۱۹]۔

اسی سند سے اہل سنت کی کتابوں میں بھی روایات موجود ہیں مثلاً:

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (المتوفی:۳۱۱) نے کہا:

"فإن ابن المنذر، حدثنا قال: حدثنا ابن فضیل، حدثنا عبد الرحمن بن إسحاق، عن النعمان بن سعد، عن علی قال: قال رسول الله ﷺ: إن فی الجنة لغرفا، یری ظهورها من بطونها ... الخ"[صحیح ابن خزیمة، ت الأعظمی:۳/۳۰۶]۔

یادر ہے کہ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کی عمومی تصحیح سے یہ حدیث مستثنیٰ ہے کیونکہ امام ابن خزیمہ نے اس حدیث کو درج کرنے سے پہلے ہی عبدالرحمٰن بن اسحاق الکوفی کی وجہ سے اس کی تصحیح سے انکار کردیا ہے اور کہا:

”إن صح الخبر؛ فإن فی القلب من عبد الرحمن بن إسحاق أبی شیبة الکوفی“

”اگر یہ حدیث صحیح ہوتو کیونکہ عبدالرحمٰن بن اسحاق ابوشیبہ الکوفی پر دل مطمئن نہیں ہے۔“ [صحیح ابن خزیمة، ت الأعظمی: ۳/۳۰۶]۔

نیز ایک دوسرے مقام پر امام ابن خزیمہ اس کے راوی ”عبدالرحمٰن بن اِسحاق الکوفی“ کو پوری صراحت کے ساتھ ضعیف قرار دیا ہے دیکھیے: ص ۲۷۰۔

امام اُبوعلی ابن منصور الطّوسِی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۲) نے کہا:

”حدثنا علی بن منذر الکوفی، قال: حدثنا ابن فضیل، قال: حدثنا عبد الرحمن بن إسحاق عن النعمان بن سعد عن علی قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: إن فی الجنة لغرفا ...الخ“[مستخرج الطوسی علی جامع الترمذی: ۶/۳۵۲]۔

معلوم ہوا کہ اہل سنت نے بھی اس سند سے روایت نقل کی ہے اس لئے بعید نہیں امام سیوطی کی ذکر کردہ کتابوں میں بھی یہ روایت اسی سند سے ہو۔

بہر حال معاملہ کچھ بھی ہو بہر صورت یہ روایت مردود ہے کیونکہ امام سیوطی کی کتاب میں اس کی سند ذکر نہیں ہے اور جن کتابوں میں اس کی سند ملتی ہے اس کی رو سے یہ روایت سخت ضعیف ومردود بلکہ باطل ہے۔

اس روایت کے باطل ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ تحت السرۃ (زیرناف) کی زیادتی کے بغیر انہیں الفاظ کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ نے اسی حدیث کو مرفوعاً روایت کیا ہے لیکن ان کی روایت میں تحت السرۃ کے الفاظ نہیں ہیں۔ اوران کی سند صحیح ہے۔ دیکھئے: [صحیح ابن حبان: ۵/۶۷، رقم: ۱۷۷۰، عن ابن عباس واسنادہ صحیح علی شرط مسلم]۔

غور کریں کہ جب اللہ کے نبی ﷺ سے یہی حدیث تحت السرۃ (زیرناف) کی زیادتی کے بغیر صحیح سند سے ثابت ہے تو علی رضی اللہ عنہ اس میں تحت السرۃ (زیرناف) کی زیادتی کیسے کرسکتے ہیں؟ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے اس حدیث میں تحت السرۃ (زیرناف) کا اضافہ غلط وباطل ہے۔

بلکہ بعض جگہ علی رضی اللہ عنہ ہی سے یہی روایت تحت السرۃ کی زیادتی کے بغیر مروی ہے چنانچہ:

أبومحمد الحسن بن محمد بن الحسن بن علی البغدادی الخلّال (المتوفی:۴۳۹) نے کہا:

”ثنا أبو الحسين عبيد الله بن أحمد بن يعقوب المقرء، ثنا يحيى بن محمد بن صاعد، ثنا محمد بن عبد الرحمن المقرء، ثنا مروان الفزاری، ثنا سعد بن طريف، عن الأصبغ بن نباتة، قال: أتينا علی بن أبی طالب عليه السلام وهو فی قری أبی موسی الأشعری وقد تسحرنا بالكوفة فسرنا إليه أربعة فراسخ، فوجدناه يغسل يده من السحور فقال: يا همدان، أقم الصلاة للصيام من هذه الساعة إلى الليل، **من أخلاق الأنبياء عليهم السلام: تعجيل الإفطار، وتأخير السحور، ووضع اليد على اليد فی الصلاة** فلما أمسی... الخ“

”اس روایت میں علی رضی اللہ عنہ نے کہا: تین چیزیں انبیاء علیہم السلام کے اخلاق میں سے ہیں افطار میں جلدی کرنا، سحری میں تاخیر کرنا اور نماز میں ہاتھ کو ہاتھ پر رکھنا۔“[المجالس العشرة الأمالی للحسن الخلال :ص:۴۴،رقم:۴۴]۔

لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔

تاہم ممکن ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے بھی یہی روایت اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ کے بغیر انہیں الفاظ کے ساتھ بیان کی ہو جن الفاظ کے ساتھ دیگر صحابہ نے اسے مرفوعاً بیان کیا ہے اور علی رضی اللہ عنہ نے بھی دیگر صحابہ کی طرح تحت السرۃ کی زیادتی کے بغیر ہی اسے بیان کیا ہو لیکن متروک اور کذاب راویوں نے اس میں تحت السرۃ کا اضافہ کر دیا۔

اس اضافہ کے باطل اور جھوٹ ہونے کی ایک مزید دلیل یہ بھی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ ہی سے ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ [۱۰۸/الکوثر:۲] کی تفسیر میں یہ قول صحیح سند سے مروی ہے کہ: اس سے (نماز میں) اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ کے بازو (کہنی سے ہتھیلی تک کے حصہ) کے درمیان رکھ کر پھر انہیں اپنے سینے پر رکھنا مراد ہے۔ جیسا کہ گذشتہ صفحات میں یہ روایت سند کی تحقیق کے ساتھ پیش کی جا چکی ہے۔ دیکھئے: ص۲۲۰۔

حدیث علی، تفسیر ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ تحریف شدہ روایت

”ذکر الأثرم قال حدثنا أبو الولید الطیالسی قال حدثنا حماد بن سلمة عن عاصم الجحدری عن عقبة بن صهبان سمع علیا یقول فی قول اللہ عز وجل ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾ قال وضع الیمنی علی الیسری تحت السرة“

”صحابیِ رسول علی رضی اللہ عنہ نے اللہ عزوجل کے قول ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾ [۱۰۸/الکوثر:۲]۔ کی تفسیر میں فرمایا کہ: اس سے (نماز میں) دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر ناف کے نیچے رکھنا مراد ہے۔“ [التمهید لما فی الموطأ من المعانی والأسانید: ۷۸/۲۰]۔

عرض ہے کہ تمہید کے اس نسخہ میں السرۃ (ناف) کا لفظ کتاب کے محقق نے اپنی طرف سے بنادیا ہے۔ اور اصل قلمی نسخہ جس سے نقل کر کے یہ کتاب چھاپی گئی ہے اس میں اس روایت کے اخیر میں السرة (ناف) کا لفظ ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ الثندوة (چھاتی) کا لفظ ہے۔

”الثندوة“ کے معانی چھاتی کے ہوتے ہیں۔ لسان العرب میں ہے:

”والثندوة للرجل: بمنزلة الثدی للمرأة“

”ثندوہ“، مرد کی چھاتی کو کہا جاتا ہے جس طرح عورت کی چھاتی کو ”ثدی“ کہا جاتا ہے۔“ [لسان العرب: ۴۱/۱]۔

دیوبندیوں کی ڈکشنری القاموس الوحید میں ہے:

”الثندوة . مرد کا پستان۔“ (القاموس الوحید: ۲۲۴)۔

اور ”تحت الثندوة“ کا مطلب چھاتی کے نیچے ہوتا ہے۔

اور چھاتی کے نیچے سینہ ہی ہوتا ہے چنانچہ احناف، عورت کے لئے نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کا حکم دیتے ہیں اور ان کی مشہور کتاب الدر المختار میں ہے:

”تضع المرأة والخنثی الکف علی الکف تحت ثدیها“

”اور عورت اور مخنث ہتھیلی کو ہتھیلی پر رکھ کر اپنی چھاتی کے نیچے رکھے گی۔“ [الدر المختار وحاشیة ابن عابدین: ۴۸۷/۱]۔

اسی طرح احناف کی ایک اور کتاب میں ہے:

”وتضع يمينها على شمالها تحت ثدييها“

”عورت اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر اپنی چھاتیوں کے نیچے رکھے گی۔“[البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ۱/۳۳۹]۔

احناف کی درج بالا کتابوں میں عورت کے لئے یہ کہا گیا ہے کہ وہ اپنی چھاتی کے نیچے ہاتھ باندھے جبکہ احناف کی بعض کتابوں میں یوں کہا گیا ہے کہ عورت اپنے سینے پر ہاتھ باندھے چنانچہ:

احناف کی مشہور کتاب البحر الرائق میں ہے

”فإنها تضع على صدرها“

”کیونکہ عورت اپنے سینے پر ہاتھ باندھے گی۔“[البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ۱/۳۲۰]۔

اسی طرح احناف کی ایک اور کتاب میں ہے:

”وإذا كبر وضع يمينه على يساره تحت سرته والمرأة تضع على صدرها“

”اور (مرد) تکبیر کہنے کے بعد اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھ کر اپنے ناف کے نیچے رکھے گا اور عورت اپنے سینے پر رکھے گی۔“[تحفة الملوك: ص:۶۹]۔ **نیز دیکھیں:**[تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق: ۱/۱۰۷، البناية شرح الهداية: ۲/۱۸۳]۔

احناف کی ان کتابوں میں یہ کہا گیا ہے کہ عورت اپنے سینے پر ہاتھ باندھے، جب کہ اس سے قبل مذکورہ کتابوں میں یہ کہا گیا ہے کہ عورت اپنی چھاتی کے نیچے ہاتھ باندھے۔

ظاہر ہے کہ احناف یہی کہیں گے کہ ان دنوں الفاظ میں معنوی طور پر ایک ہی بات ہے یعنی دونوں کا مطلب یہی ہے کہ عورت اپنے سینے پر ہاتھ باندھے۔

ہم بھی یہاں پر یہی کہتے ہیں کہ اس روایت میں جو چھاتی کے نیچے ہاتھ باندھنے کے الفاظ ہیں اور دوسری روایات میں جو سینے پر ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے ان دونوں میں معنوی طور پر ایک ہی بات ہے یعنی دونوں کا مطلب سینے پر ہاتھ باندھنا ہی ہے۔

الغرض یہ کہ علی رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بھی ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی دلیل نہیں ہے بلکہ سینے

پر ہاتھ باندھنے کی دلیل ہے کیونکہ اس روایت کے اخیر میں ''السرۃ'' (ناف) کا لفظ موجود ہی نہیں ہے بلکہ صحیح لفظ ''الثندوۃ'' (چھاتی) ہی ہے۔اس بات پر دس دلائل ملاحظہ ہوں:

❁ پہلی دلیل: محقق کا اعتراف

التمھید کے محقق نے حاشیہ میں خود اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اس روایت کے اخیر میں ''السرۃ'' (ناف) کا لفظ اسی نے بنایا ہے۔اور اصل قلمی نسخے میں یہاں پر ''السرۃ'' (ناف) کا لفظ نہیں ہے بلکہ اس کی جگہ ''التندوۃ'' کا لفظ ہے:

چنانچہ جس صفحہ پر یہ روایت ہے اسی صفحہ پر اس لفظ کے آگے (42) لکھ کر حاشیہ میں محقق لکھتا ہے:

(42) التندوۃ: ا - ق ولعلل الصواب ما أثبتہ کما ھی الروایۃ.

التندوۃ: نسخہ استنبول میں ایسا ہے اور نسخہ اوقاف میں ناقص ہے۔اور شاید صحیح وہی ہے جو میں نے بنایا ہے جیسا کہ اس طرح کی روایت ہے(ا)۔[التمهيد : ۷۸/۲۰ حاشيه نمبر:٤٢]۔

(ا) حاشیہ کے ترجمہ میں ہم نے رموز کے مفہوم کا بھی ترجمہ کردیا ہے۔یادرے کہ محقق نے جلد اول کے مقدمہ میں اپنے رموز کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

''واذا کانت الکلمۃ موجودۃ فی النسخہ الأولی ناقصۃ فی الأخری فانانکتب ذلک ھکذامثلا.

وسلم : أ - ب. معناہ أن کلمۃ ''وسلم'' موجودۃ فی نسخہ (أ) ناقصۃ فی نسخۃ (ب)''

''اگر پہلے نسخہ میں ایک لفظ موجود ہوگا اور دوسرے میں ناقص ہوگا تو ہم اسے بطور مثال یوں لکھیں گے:

وسلم : أ - ب. اس کا مطلب ہوگا کہ لفظ ''وسلم'' نسخہ (أ) میں موجود ہے اور نسخہ (ب) میں ناقص ہے'' [التمهيد : ج ا مقدمه ، ص : (ح)]۔

اور جس جلد میں یہ حدیث ہے، محقق نے اس جلد کی تحقیق صرف دو نسخوں سے کی ہے، ایک (أ) یعنی ''نسخہ استنبول''۔ اور دوسرا (ق) یعنی ''نسخہ اوقاف''۔جیسا کہ محقق نے اس جلد کے شروع میں صفحہ نمبر ۳ پر وضاحت کی ہے۔اور کہا ہے کہ ان نسخوں کا تعارف گذشتہ جلدوں میں کرایا جاچکا ہے۔چنانچہ زیر بحث لفظ، محقق کے رموز کے مطابق صرف نسخہ استنبول میں ہے اور اس نسخہ کا تعارف محقق نے جلد نمبر ۴ صفحہ (د) میں کرایا ہے۔اور محقق ہی کے بیان کے مطابق اس نسخہ کے بعض حروف کے نشانات مٹے ہوئے اور بعض حروف پڑھنے کے قابل نہیں ہیں۔

”التمھید“ کا وہ صفحہ جس میں محقق نے ’’السرۃ‘‘ اپنی طرف سے بنایا اور حاشیہ میں اس کی وضاحت

ورواه حماد بن سلمة عن عاصم الجحدري، عن عقبة بن صهبان، عن علي مثله سواء.

ذكر الأثرم قال حدثنا أبو الوليد الطيالسي، قال حدثنا حماد بن سلمة، عن عاصم الجحدري، عن عقبة بن صهبان، سمع عليا يقول في قول الله عز وجل : ﴿فصل لربك وانحر﴾ قال : وضع اليمنى على اليسرى تحت السرة[42].

قال : وحدثنا العباس بن الوليد، قال حدثنا أبو رجاء الكفي، قال حدثني عمرو بن مالك، عن أبي الجوزاء، عن عبد الله بن عباس : ﴿فصل لربك وانحر﴾ قال : وضع اليمنى على الشمال في الصلاة.

وروى طلحة بن عمرو عن عطاء، عن ابن عباس، أنه قال : إن من سنن المرسلين وضع اليمين على الشمال، وتعجيل الفطر، والاستيناء بالسحور.

وأكثر أحاديث هذا الباب في وضع اليد على اليد لينة لا تقوم بها حجة ـ أعني الأحاديث عن التابعين في ذلك، وقد قدمنا في أول هذا الباب آثارا صحاحا مرفوعة ـ والحمد لله.

أخبرنا عبد الله بن محمد، قال حدثنا محمد بن بكر، قال حدثنا أبو داود، قال حدثنا مسدد، قال حدثنا عبد الواحد، عن عبد الرحمان بن إسحاق الكوفي، عن سيار أبي الحكم،عن أبي وائل، عن أبي هريرة، قال : أخذ الأكف على الأكف في الصلاة تحت السرة[43].

قال أبو داود : سمعت أحمد بن حنبل يضعف عبد الرحمان بن إسحاق الكوفي وقال : هو يروي عن أبي هريرة، وعن علي ـ في أخذ اليسرى باليمنى في الصلاة تحت السرة[44].

(42) التندوة : أ ـ ق، ولعل الصواب ما أثبته كما هي الرواية.

(43) انظر سنن أبي داود 175/1.

(44) نفس المصدر.

ہمارے خیال سے محقق صاحب اصل مخطوطہ یعنی قلمی نسخہ میں موجود اس لفظ کو صحیح طور سے پڑھ ہی نہیں سکے۔ دراصل یہ لفظ ''الثندوۃ'' (ثاء مثلثہ کے ساتھ) ہے جیسا کہ خطیب بغدادی کی روایت آگے آرہی ہے اور ''الثندوۃ'' کے معنی چھاتی کے ہوتے ہیں، کما مضٰی۔

اور چونکہ مخطوطات اور قلمی نسخوں میں بہت سارے حروف پر نقطے لکھے ہی نہیں جاتے تھے یا لکھے بھی جاتے تھے تو تین نقطے اور دو نقطے کبھی اس طرح لکھ جاتے کہ دیکھنے میں دونوں ایک جیسے معلوم ہوتے ہیں۔ اب اصل قلمی نسخہ میں ''الثندوۃ'' کے ثاء پر تین نقطہ واضح نہیں رہا ہوگا اس لئے محقق نے اس حرف پر صرف دو ہی نقطہ سمجھا اور اس بنیاد پر اس نے اس لفظ کو ''التندوۃ'' (یعنی تاء کے ساتھ پڑھا)۔

واضح رہے کہ اس جلد کی تحقیق میں محقق کے سامنے صرف دو ہی نسخے تھے ایک مکتبہ استنبول، کا نسخہ جس کے لئے محقق نے (أ) کی علامت استعمال کی ہے اور دوسرا وزارۃ الاوقاف کا جس کے لئے محقق نے (ق) کی علامت استعمال کی ہے۔

اور ان دو نسخوں میں سے صرف ایک نسخہ میں یہ لفظ موجود ہے جیسا کہ حاشیہ میں انہوں نے اشارہ کیا ہے۔ اور جس نسخہ میں یہ لفظ ہے وہ مکتبہ استنبول ترکی کا نسخہ ہے جس میں بعض حروف کے نشانات مٹے ہوئے ہیں اور پڑھے جانے کے قابل نہیں ہیں جیسا کہ خود محقق نے لکھا:

''انحمت بعض معالم حروفه ،وفی بعض الاجزاء لا یکاد یقراء''

''اس میں حروف کے بعض نشانات مٹ گئے ہیں اور بعض اجزاء میں یہ پورے طور سے پڑھے جانے کے قابل بھی نہیں۔'' [التمھید: ج۴ مقدمہ ص (د)]

محقق کی اس وضاحت کے بعد یہی لگتا ہے کہ یہاں بھی لفظ بہت زیادہ واضح نہیں تھا جس کے سبب محقق صاحب اسے پوری طرح پڑھ ہی نہیں پائے اور ''الثندوۃ'' (ثاء کے ساتھ) کو ''التندوۃ'' (تاء کے ساتھ) پڑھ لیا اور اور چونکہ ''التندوۃ'' (تا کے ساتھ) کا کوئی معنی نہیں ہوتا اس لئے محقق نے اس لفظ کو بامعنی بنانے کے لئے اسے بدل کر ''السرۃ'' بنا دیا۔

عرض ہے کہ اگر محقق کو یہ لفظ ''التندوہ'' (تا کے ساتھ) ہی نظر آیا تھا تو اس کی درست تصحیح یہ ہے کہ حروف میں کوئی تبدیلی کئے بغیر صرف حرف تاء پر ایک نقطہ بڑھا دیا جائے اور اسے الثندوۃ کر دیا جائے

اس کے علاوہ اس میں کسی اور تبدیلی کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ:

(الف) ’’التندوۃ‘‘ کے تاء پر صرف ایک نقطہ بڑھانے سے یہ لفظ بامعنیٰ بن جاتا ہے۔لہٰذا اصل لفظ میں مزید تصرف کا کوئی جواز نہیں ہے۔

(ب) صرف ایک نقطہ کے اضافہ کے بعد اصل حروف میں کسی تبدیلی کے بغیر یہ لفظ بامعنیٰ ہوجاتا ہے۔لہٰذا حروف بدلنے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔

(ج) اور ایک نقطہ کے اضافہ کے بعد معنیٰ بھی اس روایت کے دیگر طرق میں وارد لفظ کے موافق ہوجاتا ہے جیسا کہ وضاحت کی جاچکی ہے۔

(د) بلکہ خطیب بغدادی کی کتاب موضح أوہام الجمع والتفریق میں یہ روایت ٹھیک اسی سند ومتن کے ساتھ ہے اور اس میں واضح طور پر ’’الشندوۃ‘‘ کا لفظ موجود ہے۔یہ بڑی زبردست دلیل ہے کہ اس روایت میں اصلاً یہی لفظ ہے۔یہ روایت آگے آرہی ہے۔

(ھ) لغوی اعتبار سے ﴿وَانْحَرْ﴾ کی تفسیر میں ’’الشندوۃ‘‘ کا لفظ معنوی طور پر مناسب ہے لیکن لغوی اعتبار سے السرۃ (ناف) کا ﴿وَانْحَرْ﴾ سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں ہے۔بلکہ ﴿وَانْحَرْ﴾ کی تفسیر میں السرۃ (ناف) کا لفظ لانا حد درجہ مضحکہ خیز ہے۔

محقق نے آگے یہ کہا ہے کہ ’’جیسا کہ روایت ہے‘‘۔اس سے غالباً محقق کی مراد ابوداؤد وغیرہ کی عبدالرحمٰن بن اسحاق کوفی بالاتفاق ضعیف شخص کی روایت ہے۔نہ کہ تفسیر والی کوئی اور روایت۔کیونکہ علی رضی اللہ عنہ کی تفسیر والی ایسی کوئی روایت کسی بھی کتاب میں سرے سے موجود ہی نہیں۔دنیا کے تمام احناف مل کے بھی دنیا کے کسی بھی کونے سے علی رضی اللہ عنہ کی ایسی تفسیری روایت ہرگز ہرگز نہیں دکھلا سکتے۔

اگر محقق نے تفسیری روایت مراد لی ہے تو ایسی تفسیری روایت کہیں موجود ہی نہیں ہے،اور نہ ہی محقق نے کوئی حوالہ دیا ہے۔

اور اگر محقق کی مراد ابوداؤد میں عبدالرحمان بن اسحاق الکوفی بالاتفاق ضعیف شخص کی روایت ہے تو عرض ہے کہ یہ روایت بالاتفاق ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ تفسیری روایت بھی نہیں ہے نیز اس کی سند بھی الگ تھلگ ہے اس کے رواۃ بھی دوسرے ہیں۔دیکھئے:ص ۲۶۴۔

لہٰذا اس الگ سیاق اور الگ روایت وہ بھی بالاتفاق ضعیف روایت کی بنیاد پر اس تفسیری روایت میں تبدیلی کرنا بہت بڑا عجوبہ ہے۔

کیونکہ کسی روایت کے الفاظ وغیرہ کی تصحیح کے لئے عین اسی روایت کو اسی سیاق میں اسی سند سے دیگر کتب میں تلاش کیا جاتا ہے پھر کوئی تصحیح کی جاتی ہے۔ اس اصول کے تحت محقق کو چاہئے تھا کہ اس تفسیری روایت کو اسی سیاق اور اسی سند کے ساتھ دوسری کتاب میں تلاش کرتے۔ ایسا کرنے پر انہیں بخوبی معلوم ہوجاتا کہ اس روایت کے دیگر بہت سارے طرق میں صریح طور پر سینے پر ہاتھ باندھنے کی صراحت ہے، اس لئے محقق کو اگر لفظ کی تصحیح ہی کرنی تھی تو موصوف اس لفظ کے تاء پر صرف ایک نقطہ اور بڑھا کر اسے ''الشندوۃ'' کردیتے کیونکہ ایسا کرنے سے معنوی طور پر یہ لفظ اس روایت کے دیگر طرق میں وارد لفظ کے موافق ہوجاتا ہے۔

بلکہ خطیب بغدادی میں یہ روایت اسی سند و متن کے ساتھ ہے اور اس میں واضح طور پر ''الشندوۃ'' کا لفظ موجود ہے۔ کما سیاتی۔

مزید یہ کہ اس روایت میں قرآنی لفظ ﴿ وَانْحَرْ ﴾ کی تفسیر ہے اور لغوی اعتبار سے '' ثندوۃ'' (چھاتی کے نیچے یعنی سینہ) کا مفہوم ''نحر'' (گلے سے نیچے کا حصہ) سے مناسبت رکھتا ہے۔ لیکن ایک پل کے لئے غور کیجئے کہ ''السرۃ'' (ناف) کا ''نحر'' سے کیا تعلق ہے؟ کہاں ''نحر'' جو جسم کے اوپری حصہ میں ہے اور کہاں ''السرۃ'' (ناف) جو جسم کے نچلے حصہ میں ہے۔ بھلا ان دونوں میں کیا مناسبت ہے؟ ان دونوں میں اس قدر بعد المشرقین کے باوجود نا معلوم کس عقل و منطق سے محقق صاحب ﴿ وَانْحَرْ ﴾ کی تفسیر میں ''السرۃ'' (ناف) کا لفظ لے آئے۔

بہر حال اول تو محقق صاحب اس لفظ کو صحیح طور سے پڑھ نہیں پائے دوسرے یہ کہ اگر انہوں نے غلط ہی پڑھا تھا تو بھی تصحیح کرتے ہوئے انہیں اس لفظ کو ''الشندوۃ'' ہی بنانا چاہئے تھا۔ چنانچہ ان کی تحقیق کے بعد اسی کتاب کی ایک دوسرے محقق دکتور عبداللہ بن المحسن الترکی نے بھی تحقیق کی ہے اور انہوں نے اپنے محقق نسخہ میں یہاں ''الشندوہ'' ہی لکھا ہے۔ اور حاشیہ میں تنبیہ بھی کی ہے ان سے پہلے کے محقق نے اپنے نسخہ میں اسے ''السرۃ'' لکھ دیا ہے۔ دیکھئے اس نسخہ کا عکس اگلے صفحہ پر:

''التمهید'' کا دوسرا نسخہ جس کے محقق نے صحیح لفظ ''الثندوۃ'' لکھا ہے

الموطأ ....

التمهيد ورَوَاه حمادُ بنُ سَلمةَ ، عن عاصمِ الجَحْدَرِيِّ ، عن عُقبَةَ بنِ صهبانَ ، عن عليٍّ مثلَه سواءً .

ذكرَ الأثرمُ ، قال : حدَّثنا أبو الوَليدِ الطَّيالِسِيُّ ، قال : حدَّثنا حَمَّادُ بنُ سَلمةَ ، عن عاصمِ الجحْدَرِيِّ ، عن عُقبَةَ بنِ صهبانَ ، سمِعَ عليًّا يقولُ في قولِ اللهِ عزَّ وجلَّ : ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَٱنْحَرْ﴾ . قال : وَضْعُ اليُمْنَى على اليُسْرَى تحتَ الثَّنْدُوةِ[1] .

قال : وحدَّثنا العباسُ بنُ الوَليدِ ، قال : حدَّثَنا أبو رَجاءٍ الكُلَيبِيُّ[2] ، قال : حدَّثني عمرُو بنُ مالكٍ ، عن أبي الجوزاءِ ، عن عبدِ اللهِ بنِ عباسٍ : ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَٱنْحَرْ﴾ . قال : وَضْعُ اليمينِ على الشِّمالِ في الصلاةِ[3] .

ورَوَى طَلْحَةُ بنُ عمرٍو ، عن عطاءٍ ، عن ابنِ عباسٍ ، أنَّه قالَ : إنَّ مِن سُنَنِ المُرسَلِينَ وَضعَ اليمينِ على الشِّمالِ ، وتَعْجيلَ الفِطْرِ ، والاستيناءَ بالسُّحُورِ[4] .

القبس ....

(١) في م : « السرة » . والثندوة للرجل كالثدي للمرأة ، فمن ضم الثاء همز ، ومن فتحها لم يهمز . ينظر النهاية ١/ ٢٢٣.
والأثر أخرجه البيهقي ٢/ ٢٩ من طريق حماد بن سلمة به .

(٢) سقط من : ص١٧ ، وفي الأصل ، ص١٦ ، ص٢٧ : « الكلبي » ، وفي م : « الكفى » . والمثبت من التاريخ الكبير ٣/ ٣٠٩ ، وينظر الأنساب ٥/ ٩١ .

(٣) أخرجه البيهقي ٢/ ٣١ من طريق أبي رجاء روح بن المسيب به .

(٤) أخرجه الطيالسي (٢٧٧٦) ، وعبد بن حميد (٦٢٣) من طريق طلحة بن عمرو به مرفوعًا .

عکس ملاحظہ فرمائیں دکتور عبداللہ بن المحسن الترکی نے بعد میں تحقیق کی ہے اورانہیں معلوم بھی ہے کہ ان سے پہلے کے محقق نے اس جگہ ''السرۃ'' کا لفظ لکھا ہے اس کے باوجود بھی دکتور عبداللہ بن المحسن الترکی نے یہاں ''السرۃ''نہیں لکھا بلکہ ''الثندوہ'' ہی لکھا ہے۔

واضح رہے کہ دکتور عبداللہ بن المحسن الترکی نے جو حاشیہ میں لکھا کہ:

(۱) فی ((م)) السرۃ .

تو اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ کسی مخطوطہ یعنی قلمی نسخہ کی علامت ہے کیونکہ دکتور عبداللہ بن المحسن الترکی نے اپنے پیش نظر مخطوطات میں سے کسی بھی مخطوطہ کے لئے (م) کی علامت استعمال نہیں کی بلکہ انہوں نے یہ علامت مطبوعہ نسخہ کے لئے ہی استعمال کی ہے اوراس سے مراد وہی مطبوعہ نسخہ ہے جس کے محقق نے اس لفظ کو غلط طور پر ''السرۃ'' بنادیا ہے جیسا کہ دکتور عبداللہ بن المحسن الترکی نے اپنی تحقیق کے مقدمہ میں وضاحت کردی ہے کہ وہ اس مطبوعہ نسخہ کی طرف اشارہ کرنے کے لئے (م) کی علامت استعمال کریں گے دیکھئے:[مقدمہ موسوعۃ شروح المؤطا: ج ۱ ص۱۹۹]

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس روایت میں بھی ''تحت السرۃ'' کا لفظ نہیں ہے بلکہ کتاب کے محقق نے اپنی طرف سے ''السرۃ'' کا لفظ بنادیا ہے۔

❁ <u>دوسری دلیل: ابوالولیداوران کے شاگرد اثرم ہی کے طریق سے خطیب بغدادی کی روایت:</u>

التمہید میں ابن عبدالبر نے اس روایت کو ابوالولید کے شاگرد الاثرم کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور الاثرم ہی سے اسی سند کے ساتھ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اس روایت کو اپنی صحیح سند سے بیان کرتے ہوئے کہا:

''أخبرنا أبو الحسن محمد بن أحمد بن رزقويه حدثنا عثمان بن أحمد بن عبد الله الدقاق حدثنا عبد الله بن عبد الحميد القطان حدثنا أبو بكر الأثرم حدثنا أبو الوليد حدثنا حماد بن سلمة عن عاصم الجحدری عن أبيه عن عقبة بن ظبيان سمع عليا رضی الله عنه يقول﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَر﴾ قال وضع اليمنى على اليسرى تحت الثندوة''

”صحابی رسول علی رضی اللہ عنہ نے ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَر﴾ [۱۰۸/الکوثر:۲] کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے (نماز میں) اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر اپنی چھاتی کے نیچے (یعنی سینے پر) رکھنا مراد ہے۔“ [موضح أوهام الجمع والتفريق:۳۴۰/۲، ح:۳۷۹ واسناده صحيح]۔ نیز دیکھیں: [موضح أوهام الجمع والتفريق:۳۰۵/۲ بتحقيق المعلمی]۔

خطیب بغدادی رحمہ اللہ کی یہ صحیح روایت ابوالولید کے شاگرد اثرم ہی کے طریق سے ہے اور اس میں روایت کے اخیر میں پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ **الثندوة** کا لفظ موجود ہے۔

اس روایت نے قطعی فیصلہ کر دیا ہے کہ **التمهيد** میں منقول روایت کے اخیر میں **الثندوة** ہی ہونا چاہئے۔ والحمدللہ۔

واضح رہے کہ التمہید کے قلمی نسخے میں بکثرت غلطیاں واقع ہوئی ہیں جیسا کہ خود محقق نے مقدمہ میں اعتراف کیا ہے۔ اور خطیب بغدادی کی یہ روایت سامنے آنے کے بعد یہ بھی معلوم ہوا کہ **التمهيد** میں اس روایت کی سند میں عاصم الجحدری کے اوپر ”**عن أبيه**“ کا واسطہ چھوٹ گیا ہے جس کے سبب **التمهيد** والی روایت تحریف شدہ ہونے کے ساتھ ساتھ منقطع بھی ٹھہری۔

جب کہ خطیب بغدادی کی اس روایت کا متن بھی سلامت ہے اور سند بھی صحیح ہے، والحمدللہ۔

❁ **تیسری دلیل:** حماد کے شاگرد ”موسیٰ بن اسماعیل“ کی روایت:

تمہید میں منقول علی رضی اللہ عنہ کی اسی روایت کو حماد بن سلمہ کے ایک اور شاگرد موسیٰ بن اسماعیل نے بھی نقل کیا اور ان کی روایت میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی صراحت ہے۔ چنانچہ:

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی:۲۵٦) نے کہا:

”قال موسى: حدثنا حماد بن سلمة، سمع عاصما الجحدری، عن أبيه، عن عقبة بن ظبيان، عن علی، رضی الله عنه: ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَر﴾ وضع يده اليمنى على وسط ساعده على صدره“

”صحابی رسول علی رضی اللہ عنہ نے ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَر﴾ [۱۰۸/الکوثر:۲] کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے (نماز میں) اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے بازو (کہنی سے ہتھیلی تک کے حصہ)

کے درمیان رکھ کر اپنے سینے پر رکھنا مراد ہے۔'' [التاریخ الکبیر للبخاری:٦/٤٣٧، السنن الکبری للبیھقی:٢/٤٥ واسنادہ صحیح]۔

یہ روایت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ **التمھید** میں منقول علی رضی اللہ عنہ کی اس تفسیری روایت میں وہی لفظ درست ہے جو سینے پر ہاتھ باندھنے پر دلالت کرے نہ کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے پر۔

❁ **چوتھی دلیل:** حماد کے شاگرد ''موسیٰ بن اسماعیل'' کی روایت کا ایک اور طریق:

تمہید میں منقول علی رضی اللہ عنہ کی اسی روایت کو حماد بن سلمہ کے شاگرد ''موسیٰ بن اسماعیل'' کی روایت، بخاری ہی کی سند سے امام بیہقی نے بھی نقل کی ہے اور اس میں بھی سینے پر ہاتھ باندھنے کی صراحت ہے۔ چنانچہ:

امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی:۴۵۸) نے کہا:

''أخبرنا أبو بکر الفارسی أنبأ أبو إسحاق الأصبهانی أنبأ أبو أحمد بن فارس، ثنا محمد بن إسماعیل البخاری رحمه الله قال: أنبانا موسی، ثنا حماد بن سلمة سمع عاصما الجحدری، عن أبیه، عن عقبة بن ظبیان، عن علی ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾ وضع یده الیمنی علی وسط ساعده علی صدره''

''صحابیِ رسول علی رضی اللہ عنہ نے ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾ [١٠٨/الکوثر:٢] کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے (نماز میں) اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے بازو (کہنی سے ہتھیلی تک کے حصہ) کے درمیان رکھ کر اپنے سینے پر رکھنا مراد ہے۔'' [السنن الکبری للبیھقی:٢/٤٥ واسنادہ صحیح]۔

یہ روایت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ **التمھید** میں منقول علی رضی اللہ عنہ کی اس تفسیری روایت میں وہی لفظ درست ہے جو سینے پر ہاتھ باندھنے پر دلالت کرے نہ کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے پر۔

❁ **پانچویں دلیل:** حماد کے شاگرد ''حجاج بن المنہال الأنماطی'' کی روایت:

تمہید میں منقول علی رضی اللہ عنہ کی اسی روایت کو حماد بن سلمہ کے ایک اور شاگرد ''حجاج بن المنہال الأنماطی'' نے بھی نقل کیا اور ان کی روایت میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی صراحت ہے۔ چنانچہ:

امام ابن المنذر رحمہ اللہ (المتوفی:۳۱۹) نے کہا:

''حدثنا علی بن عبد العزیز، قال: ثنا حجاج، قال: ثنا حماد، عن عاصم

الجحدری، عن أبیه عن عقبة بن ظبیان، عن علی بن أبی طالب رضوان اللہ علیه: " أنه قال فی الآیة ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾ فوضع یده الیمنی علی ساعده الیسری ثم وضعها علی صدره "

''صحابی رسول علی رضی اللہ عنہ نے اس آیت ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾ [۱۰۸/الکوثر:۲] کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے (نماز میں) دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ کے بازو (کہنی سے ہتھیلی تک کے حصہ) کے درمیان رکھ کر پھر انہیں اپنے سینے پر رکھنا مراد ہے۔'' [الأوسط لابن المنذر:۹۱/۳،رقم:۱۲۸٤ واسنادہ صحیح]۔

یہ روایت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ **التمهید** میں منقول علی رضی اللہ عنہ کی اس تفسیری روایت میں وہی لفظ درست ہے جو سینے پر ہاتھ باندھنے پر دلالت کرے نہ کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے پر۔

چھٹی دلیل: حماد کے شاگرد ''حجاج بن المنہال الأنماطی'' کی روایت کا ایک اور طریق:

التمهید میں منقول علی رضی اللہ عنہ کی اسی روایت کو حماد بن سلمہ کے شاگرد ''حجاج بن المنہال الأنماطی'' کی روایت امام أبو إسحاق الثعلبی ، نے بھی نقل کی ہے اور اس میں بھی سینے پر ہاتھ باندھنے کی صراحت ہے۔ چنانچہ:

امام أحمد بن محمد بن إبراہیم الثعلبی ، أبو إسحاق (المتوفی:۴۲۷) نے کہا:

''أخبرنا عبد اللہ بن حامد قال: أخبرنا محمد بن الحسین قال: حدّثنا أحمد بن یوسف قال: حدّثنا حجاج قال: حدّثنا حماد عن عاصم الجحدری عن أبیه عن عقبة بن ظبیان عن علی ابن أبی طالب رضی اللہ عنه أنه قال فی هذه الآیة ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾ قال: وضع الید الیمنی علی ساعده الیسری ثم وضعها علی صدره''

''صحابی رسول علی رضی اللہ عنہ نے اس آیت ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾ [۱۰۸/الکوثر:۲] کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے (نماز میں) دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ کے بازو (کہنی سے ہتھیلی تک کے حصہ) کے درمیان رکھ کر پھر انہیں اپنے سینے پر رکھنا مراد ہے۔'' [تفسیر الثعلبی: ۳۱۰/۱۰ واسنادہ صحیح]۔

یہ روایت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ **التمھید** میں منقول علی رضی اللہ عنہ کی اس تفسیری روایت میں وہی لفظ درست ہے جو سینے پر ہاتھ باندھنے پر دلالت کرے نہ کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے پر۔

❁ **ساتویں دلیل:** حماد کے شاگرد ''شیبان بن فروخ'' کی روایت:

تمہید میں منقول علی رضی اللہ عنہ کی اسی روایت کو حماد بن سلمہ کے ایک اور شاگرد شیبان بن فروخ نے بھی نقل کیا اور ان کی روایت میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی صراحت ہے۔ چنانچہ:

امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی:۴۵۸) نے کہا:

''أخبرنا أبو بكر أحمد بن محمد بن الحارث الفقيه، أنبأ أبو محمد بن حيان أبو الشيخ، ثنا أبو الحريش الكلابي، ثنا شيبان، ثنا حماد بن سلمة، ثنا عاصم الجحدري، عن أبيه، عن عقبة بن صهبان كذا قال: إن عليا رضي الله عنه قال في هذه الآية ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ قال:'' وضع يده اليمنى على وسط يده اليسرى، ثم وضعها على صدره''

''صحابی رسول علی رضی اللہ عنہ نے اس آیت ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ [۱۰۸/الكوثر:۲] کی تفسیر میں فرمایا کہ: اس سے (نماز میں) اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ کے بازو (کہنی سے ہتھیلی تک کے حصہ) کے درمیان رکھ کر پھر انہیں اپنے سینے پر رکھنا مراد ہے۔'' [السنن الكبرى للبيهقي:٤٦/٢، ح:٢٣٣٧ واسناده حسن]۔

یہ روایت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ **التمھید** میں منقول علی رضی اللہ عنہ کی اس تفسیری روایت میں وہی لفظ درست ہے جو سینے پر ہاتھ باندھنے پر دلالت کرے نہ کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے پر۔

❁ **آٹھویں دلیل:** حماد کے شاگرد ''أبوعمرو الضریر'' کی روایت:

التمھید میں منقول علی رضی اللہ عنہ کی اسی روایت کو حماد بن سلمہ کے ایک اور شاگرد ''أبوعمرو الضریر'' نے بھی نقل کیا اور ان کی روایت میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی صراحت ہے۔ چنانچہ:

طحاوی رحمہ اللہ (المتوفی:۳۲۱) نے کہا:

''حدثنا أبو بكرة، قال: حدثنا أبو عمرو الضرير، قال: أخبرنا حماد بن سلمة، أن

عاصما الجحدری أخبرھم، عن أبیه، عن علی بن أبی طالب، کرم الله وجهه، فی قوله:﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾ قال:" وضع یده الیمنی علی الساعد الأیسر، ثم وضعهما علی صدره "

''صحابیِ رسول علی رضی اللہ عنہ نے اللہ عزوجل کے قول ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾ [۱۰۸/الکوثر:۲] کی تفسیر میں فرمایا کہ:اس سے (نماز میں) دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ کے بازو (کہنی سے ہتھیلی تک کے حصہ) کے درمیان رکھ کر پھر انہیں اپنے سینے پر رکھنا مراد ہے۔''[أحکام القرآن للطحاوی:۱/۱۸٤، ح۳۲۳،صحیح المتن رجاله ثقات لکن سقط عقبة بن ظبیان من السند]۔

یہ روایت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ **التمهید** میں منقول علی رضی اللہ عنہ کی اس تفسیری روایت میں وہی لفظ درست ہے جو سینے پر ہاتھ باندھنے پر دلالت کرے نہ کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے پر۔

نویں دلیل: حماد کے شاگرد ''أبوصالح الخراسانی'' کی روایت:

التمهید میں منقول علی رضی اللہ عنہ کی اسی روایت کو حماد بن سلمہ کے ایک اور شاگرد ''أبوصالح الخراسانی'' نے بھی نقل کیا اوران کی روایت میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی صراحت ہے۔چنانچہ:

امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ (المتوفی:۳۱۰) نے کہا:

"حدثنا ابن حمید، قال: ثنا أبو صالح الخراسانی، قال: ثنا حماد، عن عاصم الجحدری، عن أبیه، عن عقبة بن ظبیان، أن علی بن أبی طالب رضی الله عنه قال فی قول الله: ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾ قال: وضع یده الیمنی علی وسط ساعده الأیسر، ثم وضعهما علی صدره"

''صحابیِ رسول علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان:﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾ [۱۰۸/الکوثر:۲] کی تفسیر میں فرمایا کہ: اس سے (نماز میں) اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ کے بازو (کہنی سے ہتھیلی تک کے حصہ) کے درمیان رکھ کر پھر انہیں اپنے سینے پر رکھنا مراد ہے۔''[تفسیر الطبری ت شاکر:۲٤/٦٥۲، صحیح المتن بالمتابعات لاجل ابن حمید]۔

یہ روایت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ **التمهید** میں منقول علی رضی اللہ عنہ کی اس تفسیری روایت میں وہی لفظ درست ہے جو سینے پر ہاتھ باندھنے پر دلالت کرے نہ کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے پر۔

❁ **دسویں دلیل: حماد کے شاگرد ''مہران بن أبي عمر العطار'' کی روایت:**

التمہید میں منقول علی رضی اللہ عنہ کی اسی روایت کو حماد بن سلمہ کے ایک اور شاگرد ''مہران بن أبي عمر العطار'' نے بھی نقل کیا اور ان کی روایت میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی صراحت ہے۔ چنانچہ:

امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ (المتوفی:۳۱۰) نے کہا:

''حدثنا ابن حميد، قال: ثنا مهران، عن حماد بن سلمة، عن عاصم الجحدري، عن عقبة بن ظهير، عن أبيه، عن علي رضي الله عنه﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ قال: وضع يده اليمنى على وسط ساعده اليسرى، ثم وضعهما على صدره''

''صحابی رسول علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ [۱۰۸/الکوثر:۲]۔ کی تفسیر میں فرمایا کہ: اس سے (نماز میں) دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ کے بازو (کہنی سے ہتھیلی تک کے حصہ) کے درمیان رکھ کر پھر انہیں اپنے سینے پر رکھنا مراد ہے۔'' [تفسير الطبري ت شاكر: ۶۵۲/۲۴، صحيح المتن بالمتابعات لاجل ابن حميد]۔

یہ روایت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ التمہید میں منقول علی رضی اللہ عنہ کی اس تفسیری روایت میں وہی لفظ درست ہے جو سینے پر ہاتھ باندھنے پر دلالت کرے نہ کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے پر۔

ان تمام دلائل کے ساتھ اس بات پر بھی غور کریں متقدمین احناف میں سے کسی نے بھی اس روایت کو زیر ناف ہاتھ باندھنے کے دلائل میں پیش نہیں کیا ہے۔ حتی کہ ابن الترکمانی حنفی نے اس روایت کے متن کو مضطرب کہا مگر انہوں نے بھی اس لفظ کو اضطراب کی دلیل نہیں بنایا ہے بلکہ بعض طرق میں ہاتھ باندھنے کا ذکر نہیں اور بعض میں ذکر ہے۔ اور بعض میں ''کرسوع'' کا لفظ ہے۔ بس اسی کو متن کا اضطراب کہا ہے۔ کیونکہ انہوں نے کہیں بھی اس روایت میں یہ الفاظ نقل نہیں کئے ہیں۔

مزید یہ کہ امام بیہقی نے جب ابومجلز سے ''فوق السرة'' والی روایت پیش کی تو ابن الترکمانی نے التمہید ہی کے حوالہ سے فوراً کہہ دیا کہ ان سے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا بھی منقول ہے۔ لیکن علی رضی اللہ عنہ کی اس تفسیری روایت کے خلاف ''تحت السرة'' کی روایت التمہید سے بالکل نقل نہ کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمہید میں ایسی کوئی روایت تھی ہی نہیں۔ واضح رہے کہ سند اور متن پر اضطراب کے دعوی کی تردید ہم پچھلے صفحات میں کر چکے ہیں۔ دیکھئے: ۲۲۸ تا ۲۴۳۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں تحریف

مصنف ابن ابی شیبہ میں تحریف کرتے ہوئے لکھا گیا:

”حدثنا وكيع، عن موسى بن عمير، عن علقمة بن وائل بن حجر، عن أبيه، قال: رأيت النبي ﷺ وضع يمينه على شماله في الصلاة **تحت السرة**“

”وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے نبی ﷺ کو دیکھا آپ نے نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر **زیرناف** رکھا“ [مصنف ابن ابی شیبہ: ج ا ص ۳۹۰ بتحریف ادارہ القران والعلوم الاسلامیہ کراچی پاکستان۔ مصنف ابی ابی شیبہ: ج ا ص ۴۲۷ بتحریف طیب اکادمی بیرون بوہڑگیٹ ملتان پاکستان۔ مصنف ابی ابی شیبہ: ج ا ص ۴۲۷ بتحریف مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان۔ مصنف ابی ابی شیبہ: ج ا ص ۳۲۰ رقم ۳۹۵۹ بتحریف محمد عوامہ]

عرض ہے کہ اس روایت میں ”تحت السرة“ (زیرناف) کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ احناف نے اپنا مسلک ثابت کرنے کے لئے اس حدیث میں تحریف کردی ہے اور اپنی طرف سے اس میں ”تحت السرة“ (زیرناف) کا اضافہ کردیا ہے۔

یہ کام سب سے پہلے پاکستان کے ادارة القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی نے کیا۔ پھرانہیں کی دیکھا دیکھی پاکستان کے ایک دوسرے مکتبہ طیب اکادمی بیرون بوہڑگیٹ ملتان نے مصنف ابی شیبہ کے ایک دوسرے نسخہ میں یہی تحریف کی۔ اورانہیں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے پاکستان کے ایک تیسرے مکتبہ، مکتبہ امدادیہ ملتان نے بھی اسی نسخہ میں تحریف کی۔

پھر جب اہل علم نے ان کی گرفت کی تو بے چارے محمد عوامہ صاحب نے مصنف ابن ابی شیبہ کی اپنی تحقیق میں بھی بے بنیاد چیزوں کا سہارا لے کر مصنف ابن بی شیبہ کی اسی روایت میں تحت السرة کا اضافہ کردیا۔

اس کی تفصیل ہم آگے پیش کریں گے لیکن اس سے پہلے ہم مصنف ابن ابی شیبہ کے چند مطبوعہ اور قلمی نسخوں کا حوالہ دیتے ہیں جن میں یہ حدیث تحت السرة (زیرناف) کی زیادتی کے بغیر ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ: مطبوعہ ابوالکلام آزاد اکیڈمی، ہندوستان، ۱۳۸۶ھ

(ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا)

الجزء الاول

من

مُصَنَّف

ابن ابی شیبہ

فی

الاحادیث

و الآثار و استنباط أئمة التابعين و أتباع التابعين المشهودين لهم بالخير
للامام الحافظ المتقن النحرير الثبت الثقة الشهير بابی بکر عبد الله بن محمد بن
ابراهيم بن عثمان بن ابی شيبة الكوفی العبسی المتوفى سنة ٢٣٥ ھ و كفى
من مفاخره التی امتاز بها بين الأئمة المشهورين كونه من اساتذة البخاری
و مسلم و أبی داود و ابن ماجة و خلائق لا تحصى

(و اعتنى بتصحيحه و تنسيقه و نشره محب السنة النبوية و خادمها)
(عبد الخالق خان الافغانی رئيس المصححين بدائرة المعارف العثمانية فی الغابر)
و نائب صدر جمعیت العلما. حیدرآباد - اے - پی (الهند)

عنی بطبعه و اهتم بنشره خادم القوم
محمد جهانگیر علی الانصاری

«عمید مولانا ابو الکلام اکادمی»
انصاری لاج: مدینہ بلڈینگ، حیدرباد (الهند)
فون: ٤٤٢٢٢ (حقوق الطبع محفوظة) سنہ ١٣٨٦ ھ ١٩٦٦ م
طبع هذا الكتاب فی المطبعة "عزیزیة" سنة ١٣٨٦ ھ بحیدرآباد (الهند)

مصنف ابن ابی شیبہ: ج ا ص ۳۹۰ مطبوعہ ابوالکلام آزاد اکیڈمی ، ہندوستان، ۱۳۸۶ھ

و ضع اليمين على الشمال

حدثنا ابو بكر قال حدثنا زيد بن حباب قال حدثنا معاوية بن صالح قال حدثنى يونس بن سيف العنسى عن الحارث بن غطيف أو غطيف بن الحارث الكندى شك معاوية قال مهما رأيت نسيت لم أنس انى رأيت رسول الله ﷺ و ضع يده اليمنى على اليسرى يعنى فى الصلوة ، حدثنا وكيع عن سفيان عن سماك عن قبيصة بن هلب عن ابيه قال رأيت النبى ﷺ و اضعا يمينه على شماله فى الصلوة . حدثنا ابن ادريس عن عاصم بن كليب عن ابيه عن وائل ابن حجر قال رأيت رسول الله ﷺ حين كبر أخذ شماله بيمينه ، حدثنا وكيع عن اسماعيل بن ابى خالد عن الاعمش عن مجاهد عن مورق العجلى عن ابى الدرداء قال من اخلاق النبيين و ضع اليمين على الشمال فى الصلوة ، حدثنا وكيع عن يوسف بن ميمون عن الحسن قال قال رسول الله ﷺ كأنى أنظر الى أحبار بنى اسرائيل و اضعى أيمانهم على شمائلهم فى الصلوة ، حدثنا وكيع عن موسى بن عمير عن علقمة بن وائل بن حجر عن ابيه قال رأيت النبى ﷺ و ضع يمينه على شماله فى الصلوة ، حدثنا وكيع عن ربيع عن ابى معشر عن ابراهيم قال يضع يمينه على شماله فى الصلوة تحت السرة ، حدثنا وكيع قال حدثنا عبد السلام بن شداد الجريرى ابوطالوت قال نا غزوان ابن جرير الضبى عن أبيه قال كان على اذا قام فى الصلوة و ضع يمينه على رسغ يساره و لا يزال كذلك حتى يركع متى ما ركع الا أن يصلح ثوبه أو يحك جسده ، حدثنا وكيع قال حدثنا يزيد بن زياد عن ابى الجعد عن عاصم الجحدرى عن عقبة بن ظهير عن على فى قوله فصل لربك وانحر قال و ضع اليمين على الشمال فى الصلوة ، حدثنا يزيد بن هارون قال اخبرنا الحجاج .

مصنف ابن ابی شیبہ: مطبوعہ الدارالسّلفیہ ممبئی، ہندوستان، ۱۳۹۹ھ

ما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا

الكتاب المصنف
فى
الأحاديث والآثار

للامام الحافظ عبد الله بن محمد بن أبى شيبة ابراهيم بن عثمان
أبى بكر بن أبى شيبة الكوفى العبسى
المتوفى سنة ٢٣٥ هج

الجزء الأول

حققه وصححه
الاستاذ عبد الخالق الافغانى

واهتم بطباعته ونشره
مختار احمد الندوى السلفى

الدار السلفية
حامد بلدنك ، مومن بوره
بمبئى ٤٠٠٠١١ (الهند)

الطبعة الثانية
١٣٩٩ هج - ١٩٧٩ م

مصنف ابن ابی شیبہ: ج ا ص ۳۹۰ مطبوعہ الدار السلفیہ ممبئی، ہندوستان، ۱۳۹۹ھ

و ضع اليمين على الشمال

حدثنا ابو بكر قال حدثنا زيد بن حباب قال حدثنا معاوية بن صالح قال حدثنى يونس بن سيف العنسى عن الحارث بن غطيف أو غطيف بن الحارث الكندى شك معاوية قال مهما رأيت نسيت لم أنس انى رأيت رسول الله ﷺ و ضع يده اليمنى على اليسرى يعنى فى الصلوة ٭ حدثنا وكيع عن سفيان عن سماك عن قبيصة بن هُلب عن ابيه قال رأيت النبي ﷺ و اضعا يمينه على شماله فى الصلوة ٭ حدثنا ابن ادريس عن عاصم بن كليب عن ابيه عن و ائل ابن حجر قال رأيت رسول الله ﷺ حين كبرّ أخذ بشماله بيمينه ٭ حدثنا وكيع عن اسماعيل بن ابى خالد عن الاعمش عن مجاهد عن مورق العجلى عن ابى الدرداء قال من اخلاق النبيين و ضع اليمين على الشمال فى الصلوة ٭ حدثنا وكيع عن يوسف بن ميمون عن الحسن قال قال رسول الله ﷺ كأنى أنظر الى أحبار بنى اسرائيل و اضعى أيمانهم على شمائلهم فى الصلوة ٭ حدثنا وكيع عن موسى بن عمير عن علقمة بن و ائل بن حجر عن ابيه قال رأيت النبي ﷺ و ضع يمينه على شماله فى الصلوة ٭ حدثنا وكيع عن ربيع عن ابى معشر عن ابراهيم قال يضع يمينه على شماله فى الصلوة تحت السرة ٭ حدثنا وكيع قال حدثنا عبد السلام بن شداد الحريرى ابوطالوت قال نا غزوان ابن جرير الضبي عن أبيه قال كان على اذا قام فى الصلوة و ضع يمينه على رسغ يساره و لا يزال كذلك حتى يركع متى ما ركع الا أن يصلح ثوبه أو يحك جسده ٭ حدثنا وكيع قال حدثنا يزيد بن زياد عن ابى الجعد عن عاصم الجحدرى عن عقبة بن ظهير عن على فى قوله فصلّ لربك و انحر قال و ضع اليمين على الشمال فى الصلوة ٭ حدثنا يزيد بن هارون قال اخبرنا الحجاج

مصنف ابن ابی شیبہ: بتحقیق حبیب الرحمان اعظمی حنفی مطبوعہ مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ، ۱۴۰۳ھ

مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۲ ص ۳۵۱ بتحقیق حبیب الرحمان اعظمی حنفی مطبوعہ مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ، ۱۴۰۳ھ

٣٩٠٤ – حدثنا وكيع عن إسماعيل بن أبي خالد عن الأعمش عن مجاهد عن مورّق عن أبي الدرداء قال : من أخلاق النبيين وضع اليمين على الشمال في الصلاة .

٣٩٠٥ – حدثنا وكيع عن يوسف بن ميمون عن الحسن قال : قال رسول الله ﷺ : كأني أنظر إلى أحبار بني إسرائيل واضعي أيمانهم على شمائلهم في الصلاة .

٣٩٠٦ – حدثنا وكيع عن موسى بن عمير عن علقمة بن وائل بن حجر عن أبيه قال : رأيت النبي ﷺ وضع يمينه على شماله في الصلاة .

[٣٩٠٧[1] – حدثنا وكيع عن ربيع عن أبي معشر عن إبراهيم قال: يضع يمينه على شماله في الصلوة تحت السرة] .

٣٩٠٨ – حدثنا وكيع قال : حدثنا عبدالسلام بن شداد الحريري[2] بوطالوت عن غزوان بن جرير الضبي عن أبيه قال : كان عليٌّ إذا قام في لصلاة وضع يمينه على رسغه ، ولايزال كذلك حتى يركع متى ماركع ، إلا ن يصلح ثوبه أو يحك جسده .

٣٩٠٩ – حدثنا وكيع قال : حدثنا يزيد بن زياد عن[3] أبي الجعد عن عاصم الجحدري عن عقبة بن ظهير عن علي في قوله : ﴿فصلّ لربّك وانحر﴾ قال : وضع اليمين على الشمال في الصلاة .

---

(١) سقط من الأصل إلا آخره مدرجا فيما فوقه ، واستدركته من ب والحيدرآبادية .

(٢) كذا في الأصول ، ونسبه في التهذيب عبد يا قيسيا ولم ينعته بالحريري .

(٣) كذا في الأصول كلها ، ولعل الصواب (بن) لان جده أبوالجعد ولايروى عنه إنما يروى عن ابن أبي الجعد (عمه).

مصنف ابن ابی شیبہ: بتحقیق کمال یوسف الحوت مطبوعہ دار التاج، بیروت ۱۴۰۹ھ

للإمام الحافظ
أبي بكر عبد الله بن محمد بن أبي شيبة الكوفي العبسي
المتوفى سنة ٢٣٥ هـ

تقديم وضبط
كمال يوسف الحوت

الجزء الأول

دار التاج

مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۱ ص ۳۴۳ بتحقیق کمال یوسف الحوت مطبوعہ دار التاج، بیروت ۱۴۰۹ھ

۳۹۳۷ ـ حدثنا وكيع عن يوسف بن ميمون عن الحسن قال: قال رسول الله ﷺ كأني أنظر إلى أحبار بني إسرائيل واضعي أيمانهم على شمائلهم في الصلاة.

۳۹۳۸ ـ حدثنا وكيع عن موسى بن عمير عن علقمة بن وائل بن حجر عن أبيه قال رأيت النبي ﷺ وضع يمينه على شماله في الصلاة.

۳۹۳۹ ـ حدثنا وكيع عن ربيع عن أبي معشر عن إبراهيم قال يضع يمينه على شماله في الصلاة تحت السرة.

۳۹٤۰ ـ حدثنا وكيع قال حدثنا عبد السلام بن شداد الجريري أبو طالوت قال نا غزوان بن جرير الضبي عن أبيه قال كان علي إذا قام في الصلاة وضع يمينه على رسغ يساره ولا يزال كذلك حتى يركع متى ما ركع إلا أن يصلح ثوبه أو يحك جسده.

۳۹٤۱ ـ حدثنا وكيع قال حدثنا يزيد بن [أبي] زياد عن أبي الجعد عن عاصم الجحدري عن عقبة بن ظهير عن علي في قوله ﴿فصلّ لربك وانحر﴾(۱) قال وضع اليمين على الشمال في الصلاة.

۳۹٤۲ ـ حدثنا يزيد بن هارون قال أخبرنا الحجاج بن حسان قال سمعت أبا مجلز أو سألته قال قلت: كيف يصنع قال يضع باطن كف يمينه على ظاهر كف شماله ويجعلها أسفل من السرة.

۳۹٤۳ ـ حدثنا يزيد قال أخبرنا الحجاج بن أبي زينب قال حدثني أبو عثمان أن النبي ﷺ مر برجل يصلي وقد وضع شماله على يمينه فأخذ النبي ﷺ يمينه فوضعها على شماله.

۳۹٤٤ ـ حدثنا جرير عن مغيرة عن أبي معشر عن إبراهيم قال لا بأس أن يضع اليمنى على اليسرى في الصلاة.

۳۹٤٥ ـ حدثنا أبو معاوية عن عبد الرحمن بن إسحاق عن زياد بن زيد السوائي عن أبي جحيفة عن علي قال من سنة الصلاة وضع الأيدي على الأيدي تحت السرر.

۳۹٤٦ ـ حدثنا يحيى بن سعيد عن ثور عن خالد بن معدان عن أبي زياد مولى آل دراج ما رأيت فنسيت فإني لم أنس أبا بكر كان إذا قام في الصلاة قال هكذا فوضع اليمنى على اليسرى.

۳۹٤۷ ـ حدثنا أبو معاوية حدثنا حفص عن ليث عن مجاهد أنه كان يكره أن يضع اليمنى على الشمال يقول على كفه أو على الرسغ ويقول فوق ذلك ويقول أهل الكتاب يفعلونه.

۳۹٤۸ ـ حدثنا عبد الأعلى عن المستمر بن الريان عن أبي الجوزاء أنه كان يأمر أصحابه أن يضع أحدهم يده اليمنى على اليسرى وهو يصلي.

---

(۱) سورة الكوثر الآية (۲).

مصنف ابن ابی شیبہ: بتحقیق سعید اللحام مطبوعہ دارالفکر، بیروت ۱۴۰۹ھ

مُصَنَّف ابن أبي شيبة

في الأحاديث والآثار

للحافظ عبد الله بن محمد بن أبي شيبة إبراهيم بن عثمان
ابن أبي بكر بن أبي شيبة الكوفي العبسي المتوفى سنة ٢٣٥هـ

طبعة مستكملة النص ومنقحة ومشكولة ومرقمة الأحاديث ومفهرسة

الجزء الأوّل

الطّهارات، الآذان والإقامة، الصلاة

ضبطه وعلّق عليه
الأستاذ سعيد اللحام

الإشراف الفني والمراجعة والتصحيح: مكتب الدراسات والبحوث في دار الفكر

دار الفكر

مصنف ابن ابی شیبہ: ج۱ص۴۲۷ بتحقیق سعید اللحام مطبوعہ دارالفکر، بیروت ۱۴۰۹ھ

(٤) حدثنا وكيع عن إسماعيل بن أبي خالد عن الأعمش عن مجاهد عن مورّق العجلي عن أبي الدرداء، قال: من أخلاق النبيين وضع اليمين على الشمال في الصلاة.

(٥) حدثنا وكيع عن يوسف بن ميمون عن الحسن قال: قال رسول الله ﷺ، كأني أنظر إلى أحبار بني إسرائيل واضعي أيمانهم على شمائلهم في الصلاة.

(٦) حدثنا وكيع عن موسى بن عمير عن علقمة بن وائل بن حجر عن أبيه قال: رأيت النبي ﷺ وضع يمينه على شماله في الصلاة.

(٧) حدثنا وكيع عن ربيع عن أبي معشر عن إبراهيم قال: يضع يمينه على شماله في الصلاة تحت السرة.

(٨) حدثنا وكيع قال: حدثنا عبد السلام بن شداد الجريري أبو طالوت قال: ثنا غزوان بن جرير الضبي عن أبيه قال: كان عليّ إذا قام في الصلاة وضع يمينه على رسغ يساره ولا يزال كذلك حتى يركع متى ما ركع إلا أن يصلح ثوبه أو يحك جسده.

(٩) حدثنا وكيع قال: حدثنا يزيد بن زياد عن أبي الجعد عن عاصم الجحدري عن عقبة بن ظهير عن عليّ في قوله ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ قال: وضع اليمين على الشمال في الصلاة.

(١٠) حدثنا يزيد بن هارون قال: أخبرنا حجاج بن حسان قال: سمعت أبا مجلز أو سألته قال: قلت كيف يصنع قال: يضع باطن كف يمينه على ظاهر كف شماله ويجعلها أسفل من السرة.

(١١) حدثنا يزيد قال: أخبرنا الحجاج بن أبي زينب قال: حدثني أبو عثمان أن النبي ﷺ مر برجل يصلي وقد وضع شماله على يمينه فأخذ النبي ﷺ يمينه فوضعها على شماله.

(١٢) حدثنا جرير عن مغيرة عن أبي معشر عن إبراهيم قال: لا بأس بأن يضع اليمنى على اليسرى في الصلاة.

(١٣) حدثنا أبو معاوية عن عبد الرحمن بن إسحاق عن زياد بن زيد السوائي عن أبي جحيفة عن عليّ قال: من سنة الصلاة وضع الأيدي على الأيدي تحت السرر.

(١٤) حدثنا يحيى بن سعيد عن ثور عن خالد بن معدان عن أبي زياد مولى آل دراج ما رأيت فنسيت فإني لم أنس أن أبا بكر كان إذا قام في الصلاة قال هكذا فوضع اليمنى على اليسرى.

مصنف ابن ابی شیبہ: بتحقیق محمد عبدالسلام شاہین مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۶ھ

الكتاب المصنف

في

الأحاديث والآثار

للإمام الحافظ
أبي بكر عبدالله بن محمد بن أبي شيبة
الكوفي العبسي
المتوفى سنة ٢٣٥ هـ

ضبطه وصححه ورقم كتبه وأبوابه وأحاديثه
محمد عبدالسلام شاهين

الجزء الأول

يحتوي على الكتب التالية:
الطهارات ـ الأذان والإقامة ـ الصلوات

دار الكتب العلمية
بيروت ـ لبنان

مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۱ ص ۳۹۰ بتحقیق محمد عبد السلام شاہین مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۶ھ

لا يصلي ركعتي الفجر في السفر.

٣٩٢٩ ـ حدّثنا جرير عن قابوس عن أبيه عن عائشة قالت: أما ما لم يدع صحيحًا ولا مريضًا في سفر ولا حضر غائبًا ولا شاهدًا، تعني النبي ﷺ فركعتان قبل الفجر.

٣٩٣٠ ـ حدّثنا هشيم قال أخبرنا حصين قال سمعت عمرو بن ميمون الأودي يقول: كانوا لا يتركون أربعًا قبل الظهر وركعتين قبل الفجر على حال.

٣٩٣١ ـ حدّثنا وكيع عن حبيب بن جري عن أبي جعفر قال: كان رسول الله ﷺ لا يدع الركعتين بعد المغرب والركعتين قبل الفجر في حضر ولا سفر.

٣٩٣٢ ـ حدّثنا هشيم قال أخبرنا ابن عون عن مجاهد قال سألته أكان ابن عمر يصلي ركعتي الفجر قال: ما رأيته يترك شيئًا في سفر ولا حضر.

(١٦٥) وضع اليمين على الشمال

٣٩٣٣ ـ حدّثنا أبو بكر قال حدثنا زيد بن حباب قال: حدثنا معوية بن صالح قال حدثني يونس بن سيف العنسي عن الحرث بن غطيف أو غطيف بن الحرث الكندي شك معوية قال: مهما رأيت نسيت لم أنس اني رأيت رسول الله ﷺ وضع يده اليمنى على اليسرى، يعني في الصلاة.

٣٩٣٤ ـ حدّثنا وكيع عن سفين عن سماك عن قبيصة بن هلب عن أبيه قال: رأيت النبي ﷺ واضعًا يمينه على شماله في الصلاة.

٣٩٣٥ ـ حدّثنا ابن إدريس عن عاصم بن كليب عن وائل بن حجر قال: رأيت رسول الله ﷺ حين كبّر أخذ بشماله بيمينه.

٣٩٣٦ ـ حدّثنا وكيع عن إسمعيل بن أبي خالد عن الأعمش عن مجاهد عن مورق العجلي عن أبي الدرداء قال: من أخلاق النبيين وضع اليمين على الشمال في الصلاة.

٣٩٣٧ ـ حدّثنا وكيع عن يوسف بن ميمون عن الحسن قال: قال رسول الله ﷺ «كأني أنظر إلى أحبار بني إسرائيل واضعي أيمانهم على شمائلهم في الصلاة».

٣٩٣٨ ـ حدّثنا وكيع عن موسى بن عمير عن علقمة بن وائل بن حجر عن أبيه قال: رأيت النبي ﷺ وضع يمينه على شماله في الصلاة.

٣٩٣٩ ـ حدّثنا وكيع عن ربيع عن أبي معشر عن إبراهيم قال: يضع يمينه على شماله في الصلاة تحت السرة.

مصنف ابن ابی شیبہ: بتحقیق حمد الجمعہ ومحمد اللحیدان، مطبوعہ مکتبہ الرشد، ریاض ۱۴۲۵ھ

للإمام الحافظ أبي بكر عبد الله بن محمد بن إبراهيم
ابن أبي شيبة
١٥٩ - ٢٣٥هـ

تقديم
فضيلة الشيخ/ د. سعد بن عبد الله آل حميد

تحقيق
حمد بن عبد الله الجمعة　　محمد بن إبراهيم اللحيدان

الجزء الثاني
الصلاة / ١

٢١٣٠ - ٥٦٢٤

مكتبة الرشد
ناشرون

مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۲ ص ۳۳۴ بتحقیق حمد الجمعہ ومحمد اللحیدان، مطبوعہ مکتبہ الرشد، ریاض ۱۴۲۵ھ

٣٩٥٣- حدثنا وكيع عن إسماعيل بن أبي خالد عن الأعمش عن مجاهد عن مُوَرِّق (العِجْلي)[١] عن أبي الدرداء قال: «من إخلاق النبيين وضع اليمين على الشمال في الصلاة».

٣٩٥٤- حدثنا وكيع عن يوسف بن ميمون عن الحسن قال: قال رسول الله ﷺ: «كأني أنظر إلى أحبار بني إسرائيل واضعي أيمانهم على شمائلهم في الصلاة».

٣٩٥٥- حدثنا وكيع عن موسى بن عُمير عن علقمة بن[٢] وائل بن حُجْر عن أبيه قال: رأيت النبي ﷺ وضع يمينه على شماله في الصلاة[٣].

٣٩٥٦- (حدثنا وكيع عن ربيع عن أبي معشر عن إبراهيم قال: «يضع يمينه على شماله في الصلاة)[٤] تحت السُرَّة».

٣٩٥٧- حدثنا وكيع قال: حدثنا عبدالسلام بن شداد الجُرَيري[٥] أبو طالوت عن[٦] غزوان بن جرير الضبي عن أبيه قال: «كان عليٌّ إذا قام في الصلاة وضع يمينه على رُسْغه[٧] فلا يزال كذلك حتى يركع متى ما ركع، إلا أن يصلح ثوبه أو يحكُّ جسده».

---

(١) سقطت من (ج) و(م) و(ك).

(٢) في (ج): «علقمة عن وائل ...» وهو خطأ.

(٣) في (م): «شماله في الصلاة تحت السرة» ولعله سبق نظره إلى الأثر الذي بعده فكتب منه: «تحت السرة».

(٤) سقط ما بين القوسين من (ج).

(٥) في (ط س) و(م): «الحريري» والضبط من حاشية «الإكمال» (٢/٢٠٨)، و«الجرح» (٦/٤٥).

(٦) في (ط س): «قال: نا غزوان».

(٧) في (ط س): «رسغ يساره» والرسغ من الإنسان: مفصل ما بين الكف والساعد، والقدم إلى الساق «المصباح» (٢٢٦).

مصنف ابن ابی شیبہ: بتحقیق اسامہ بن ابراہیم، مطبوعہ دار الفاروق، مصر ۱۴۲۹ھ

المصنف
عربي

لابن أبي شيبة

الإمام الحافظ

أبي بكر عبد الله بن محمد بن إبراهيم أبي شيبة العبسي

۱۵۹ - ۲۳۵ھ

تحقيق

أبي محمد أسامة بن إبراهيم بن محمد

المجلد الثاني

الصلاة - الجمعة

۲۱۳٦ - ۵٦۳۲

الناشر
الفاروق الحديثة للطباعة والنشر

مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۲ص ۳۰۹ تحقیق اسامہ بن ابراہیم، مطبوعہ دارالفاروق، مصر ۱۴۲۹ھ

۳۹٦۱- حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ يُوسُفَ بْنِ مَيْمُونٍ، عَنِ الحَسَنِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَىٰ أَحْبَارِ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَاضِعِي أَيْمَانِهِمْ عَلَىٰ شَمَائِلِهِمْ فِي الصَّلَاةِ»(۱).

۳۹٦۲- حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ مُوسَىٰ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَضَعَ يَمِينَهُ عَلَىٰ شِمَالِهِ فِي الصَّلَاةِ(۲).

۳۹٦۳- حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ رَبِيعٍ، عَنْ أَبِي مَعْشَرٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: يَضَعُ يَمِينَهُ عَلَىٰ شِمَالِهِ فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ السُّرَّةِ.

۳۹٦٤- حَدَّثَنَا وَكِيعٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ شَدَّادٍ [الجريري](۳) أَبُو طَالُوتَ، عن(٤) غزوان بن جرير الضبي، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَانَ عَلِيٌّ إِذَا قَامَ فِي الصَّلَاةِ وَضَعَ يَمِينَهُ عَلَىٰ [رُسْغِه فلا](٥) يَزَالُ كَذَلِكَ حَتَّىٰ يَرْكَعَ مَتَىٰ مَا رَكَعَ إِلَّا أَنْ يُصْلِحَ ثَوْبَهُ أَوْ يَحُكَّ جَسَدَهُ(٦).

۳۹٦٥- حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زِيَادٍ، [بْنِ](۷) أَبِي الجَعْدِ، عَنْ عَاصِمٍ الجَحْدَرِيِّ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ ظُهَيْرٍ، عَنْ عَلِيٍّ فِي قَوْلِهِ: ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَٱنْحَرْ ۝٢﴾، قَالَ: وَضْعُ اليَمِينِ عَلَى الشِّمَالِ فِي الصَّلَاةِ(۸).

(۱) هذا مرسل، ومراسيل الحسن من أضعف المراسيل، وفي إسناده أيضًا يوسف بن ميمون وهو ضعيف.

(۲) إسناده مرسل. علقمة بن وائل لم يسمع من أبيه.

(۳) وقع في الأصول، والمطبوع بالحاء المهملة، وما أثبتناه هو الموافق لترجمته في الجرح: (٦/ ٤٥).

(٤) كذا في الأصول، ووقع في المطبوع: (قال نا).

(٥) كذا في الأصول، ووقع في المطبوع: (رسغ يساره ولا).

(٦) في إسناده جرير الضبي، وهو مجهول لا يعرف، وابنه حاله قريبًا منه.

(۷) كذا في الأصول، ووقع في المطبوع، و(د): (عن) خطأ، أنظر ترجمة يزيد بن زياد بن أبي الجعد من «التهذيب».

(۸) هذا الحديث قال أبو حاتم عنه: أختلف حماد بن سلمة ويزيد بن زياد بن أبي الجعد فيه=

قارئین ملاحظہ فرمائیں کہ دنیا بھر کے انصاف پسند محققین مصنف ابن ابی شیبہ کی تحقیق کر رہے ہیں اور اسے شائع کر رہے ہیں لیکن کوئی بھی اس کی زیر بحث حدیث میں ''تحت السرۃ'' (زیر ناف) کا اضافہ نہیں کر رہا ہے حتی کہ ان میں سے بعض مطبوعات حنفی حضرات ہی کی شائع کردہ ہیں لیکن ان میں بھی ''تحت السرۃ'' (زیر ناف) کا اضافہ نہیں ہے۔

صرف مطبوعات ہی نہیں بلکہ مخطوطات کا ذخیرہ بھی چھان ماریئے پوری دنیا میں یہ کتاب عام ہے اور پوری دنیا میں اس کے مستند مخطوطات بھی ہیں مگر اس کے کسی بھی مستند مخطوطہ میں زیر بحث حدیث کے اندر ''تحت السرۃ'' (زیر ناف) کا اضافہ نہیں ہے۔

صرف دو مخطوطے میں یہ اضافہ ملتا ہے لیکن یہ مخطوطے مستند نہیں ہیں نیز کاتب نے غلطی سے یہ اضافہ کر دیا ہے جیسا کہ دیگر شواہد و قرائن اس پر دال ہیں جن کی تفصیل آگے رہی ہے۔

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ (المتوفی ۴۶۳) کے پاس بھی مصنف ابن ابی شیبہ کا ایک نسخہ تھا انہوں نے اپنی کتب میں اس سے کئی روایات نقل کی ہیں حتی کہ زیر بحث روایت کے بعد ابراہیم نخعی کا جو اثر ہے اسے بھی اجمالاً ذکر کیا ہے لیکن اس سے قبل مرفوع حدیث کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔[التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد: ۷۵/۲۰]۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس قدیم ترین نسخہ میں بھی اس روایت کے اندر یہ اضافہ نہیں تھا۔

احناف کے علامہ ابن الترکمانی (المتوفی ۷۴۵) نے بھی مصنف ابن ابی شیبہ کی کئی روایات نقل کی ہیں بلکہ ہاتھ باندھنے سے متعلق موصوف نے مصنف ابن ابی شیبہ ہی سے ابراہیم نخعی کا اثر اپنی تائید میں نقل کیا ہے دیکھئے:[الجوهر النقي : ج ۲ ص ۳۱]۔

لیکن اسی اثر سے پہلے موجود وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو اپنی تائید میں نقل نہیں کیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے پیش نظر مصنف ابن ابی شیبہ کا جو نسخہ تھا اس میں بھی اس حدیث میں یہ زیادتی نہیں تھی۔

شیخ محمد حیاۃ سندھی حنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۱۶۳) بھی کہتے ہیں:

''في ثبوت زيادة تحت السرة نظر، بل هي غلط، منشأه السهو فإني راجعت

نسخة صحيحة للمصنف فرأيت فيها هذا الحديث بهذا السند، وبهذا الألفاظ، إلا أنه ليس فيها تحت السرة"

''تحت السرہ کی زیادتی کا ثبوت محل نظر ہے بلکہ یہ غلط اور سہو کا نتیجہ ہے کیونکہ میں نے مصنف ابن ابی شیبہ کا صحیح نسخہ دیکھا ہے اس میں میں نے یہی حدیث انہیں الفاظ کے ساتھ دیکھی ہے اس میں یہ ''تحت السرۃ'' (زیرناف) نہیں ہے۔'' [فتح الغفور فی وضع الأیدی علی الصدور: ص ۵۲ تحقیق د ضیاء الرحمن الاعظمی]۔

یہاں شیخ محمد حیات سندی نے پوری صراحت کے ساتھ صحیح نسخہ کا حوالہ دیا ہے کہ اس میں یہ اضافہ نہیں ہے۔

محمد انور شاہ کشمیری حنفی رحمہ اللہ نے بھی مصنف ابن ابی شیبہ کے تین مخطوطے دیکھے لیکن انہیں ان میں سے کسی ایک میں بھی یہ ''تحت السرۃ'' (زیرناف) کا اضافہ نہیں ملا۔ چنانچہ محمد انور شاہ کشمیری حنفی (المتوفی ۱۳۵۳) رحمہ اللہ خود لکھتے ہیں:

"ولا عجب أن يكون كذالك فاني راجعت ثلاث نسخ للمصنف فماوجدت في واحدة منها"

''اور کوئی عجب نہیں کہ بات اسی طرح ہو کیونکہ میں نے مصنف ابن ابی شیبہ کے تین (قلمی) نسخے دیکھے۔ اور ان تینوں میں سے کسی ایک میں بھی یہ زیادتی میں نے نہیں پائی'' [فیض الباری: ج ۲ ص ۲۶۷]

علاوہ ازیں عصر حاضر کے محققین نے مصنف ابن ابی شیبہ کے جس قدر مستند مخطوطے جمع کئے ان میں سے کسی میں بھی یہ اضافہ نہیں ہے۔ خود عوامہ نے اعتراف کیا ہے کہ مصنف ابن ابی شیبہ کے چار نسخوں میں یہ اضافہ نہیں ہے دیکھیے: [مصنف ابی شیبہ بتحقیق عوامہ: ج ۳ ص ۳۲۱ حاشیہ] نیز دیکھیں: ۳۴۷۔

ان تمام نسخوں تک فی الحال ہماری رسائی نہیں ہے ورنہ ان سب کی تصویر پیش کر دی جاتی۔ تاہم ہماری کوشش جاری ہے جوں ہی ہمارے ہاتھ یہ نسخے لگیں گے ہم ہر نسخہ سے متعلقہ صفحہ کا عکس پیش کر دیں گے۔ ان شاء اللہ۔

سردست ایک نسخہ سے متعلقہ صفحہ کا عکس ہم پیش کر رہے ہیں اس میں زیر بحث حدیث کے اندر ''تحت السرۃ'' (زیرناف) کا لفظ نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو:

مصنف ابن ابی شیبہ میں تحریف کی تاریخ

گذشتہ تفصیلات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مصنف ابن ابی شیبہ کے کسی بھی مستند نسخہ میں زیر بحث حدیث کے اندر ''تحت السرۃ'' (زیر ناف) کا اضافہ نہیں ہے اسی لئے محققین نے اپنے اپنے محقق نسخہ میں اس حدیث کے اندر ''تحت السرۃ'' (زیر ناف) کا لفظ شامل نہیں کیا ہے۔لیکن احناف نے انتہائی ہٹ دھرمی اور من مانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے یہاں سے جب مصنف ابن ابی شیبہ کو چھاپا تو اس حدیث کے اندر ''تحت السرۃ'' (زیر ناف) کا لفظ اپنی طرف سے بڑھا کر اس میں تحریف کردی۔انا للہ وانا الیہ راجعون! ذیل میں اس تحریف کی پوری کہانی ملاحظہ ہو:

تحریف کی پہلی کوشش

پوری دنیا میں سب سے پہلے جنہوں نے اس حدیث میں تحریف کا گھناؤنا کام کیا ہے وہ ادارہ القران والعلوم الاسلامیہ کراچی کے حنفی حضرات ہیں۔

انہوں نے الدار السّلفیہ ممبئی کا مطبوعہ نسخہ لیا اور اسی کا فوٹو لے کر اسے اپنے یہاں سے شائع کیا اور اس حدیث میں ''تحت السرۃ'' (زیر ناف) کا لفظ اپنی طرف سے زبردستی بڑھا دیا۔

حالانکہ الدار السّلفیہ ممبئی والے نسخہ میں اس زیادتی کا کوئی نام ونشان نہیں ہے۔الدار السّلفیہ ممبئی کا یہ نسخہ دراصل اس نسخہ کا عکس تھا جو سب سے پہلے ابوالکلام آزاد اکیڈمی ، ہندوستان سے سن ۱۳۸۶ھ میں چھپا تھا۔اس پہلی طباعت میں بھی اس حدیث کے اندر ''تحت السرۃ'' (زیر ناف) کی زیادتی نہیں تھی حالانکہ پہلی بار اسے چھاپنے والے بھی حنفی ہی تھے۔

ان دونوں طباعتوں کا عکس ہم پیچھے پیش کر چکے ہیں دیکھیے :ص۳۱۲ تا ۳۱۵۔

عکس ملاحظہ کیجئے اور دیکھئے کہ ان دونوں طباعتوں میں کسی میں بھی زیر بحث حدیث کے اندر ''تحت السرۃ'' (زیر ناف) کا لفظ نہیں ہے۔

لیکن ادارہ القران والعلوم الاسلامیہ کراچی والوں نے اسی نسخہ کا عکس لے کر اسے چھاپا اور اس حدیث میں زبردستی '' تحت السرۃ'' (زیر ناف) کا اضافہ کردیا۔وہ بھی جلی اور واضح حروف میں اور

بغیر کسی حاشیہ اور وضاحت کے۔ دیکھئے: ص ۳۳۵۔

یہ تحریف کرتے وقت اصل کتاب کی سطر کے ساتھ جو کھلواڑ کیا گیا ہے اسے بھی ان کے نسخہ میں بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔ چنانچہ جس سطر کے اندر "تحت السرۃ" (زیر ناف) کا اضافہ کیا اس سطر کے الفاظ و حروف کو ان لوگوں نے پوری طرح سکوڑ دیا لیکن اس کے باوجود بھی اس کے آخر میں لفظ "ربیع" کے بعد "عن" کے لئے اس سطر میں جگہ باقی نہیں بچی اس لئے ان لوگوں نے اس "عن" کو اگلی سطر کے ابتداء میں رکھنے کی کوشش کی لیکن ایسا نہیں ہوسکا اور اس کا حرف "ع" غائب ہی ہوگیا۔ جیسا کہ ان لوگوں کے چھاپے ہوئے نسخہ میں صاف دیکھا جاسکتا ہے۔

ذیل میں ہم ان دونوں سطروں کی تحریف سے قبل اور تحریف کے بعد کی تصویر پیش کرتے ہیں۔ قارئین ان دونوں کا فرق ملاحظہ فرمائیں:

تحریف سے پہلے

وکیع عن موسی بن عمیر عن علقمة بن وائل بن حجر عن ابیه قال رأیت
النبی ﷺ وضع یمینه علی شماله فی الصلوة ۔ حدثنا وکیع عن ربیع عن
ابی معشر عن ابراهیم قال یضع یمینه علی شماله فی الصلوة تحت السرة ۔

تحریف کے بعد

وکیع عن موسی بن عمیر عن علقمة بن وائل بن حجر عن ابیه قال رأیت
النبی ﷺ وضع یمینه علی شماله فی الصلوة تحت السرة حدثنا وکیع عن ربیع
ن ابی معشر عن ابراهیم قال یضع یمینه علی شماله فی الصلوة تحت السرة ۔

قارئین ملاحظہ فرمائیں کہ کس طرح جان بوجھ کر حدیث میں تحریف کی گئی ہے۔ اور یہ سب کچھ خاموشی سے کیا گیا اس کے بارے میں حاشیہ میں یا مقدمہ میں کوئی وضاحت نہیں کی گئی کہ اس تصرف کے لئے ان کے پاس کیا جواز تھا۔ لہٰذا خاموشی کے ساتھ یہ تصرف ہی تحریف کی دلیل ہے۔

اس تحریف شدہ صفحہ کا مکمل عکس آگے ملاحظہ فرمائیں:

مصنف

ابن أبي شيبة رحمه الله

للإمام الحافظ أبي بكر عبد الله بن محمد بن أبي شيبة العبسي رحمه الله

المتوفى سنة ٢٣٥ هـ

تحقيق

عبد الخالق الأفغاني

الجزء الأول

هذه الطبعة محتوية على النسخة المتروكة في طبع الهند

وهي أربع مائة وتسعون بابا

من منشورات

إدارة القرآن والعلوم الإسلامية

أشرف منزل د/٤٣٧، گارڈن ايست، كراتشي، باكستان

مصنف ابن ابی شیبة — كتاب الصلوات ج — ١

وضع اليمين على الشمال

حدثنا ابو بكر قال حدثنا زيد بن حباب قال حدثنا معاوية بن صالح قال حدثني يونس بن سيف العنسي عن الحارث بن غطيف أو غطيف بن الحارث الكندي شك معاوية قال مهما رأيت نسيت لم أنس انى رأيت رسول الله ﷺ وضع يده اليمنى على اليسرى يعني في الصلوة ۔ حدثنا وكيع عن سفيان عن سماك عن قبيصة بن هلب عن ابيه قال رأيت النبي ﷺ واضعا يمينه على شماله في الصلوة ۔ حدثنا ابن ادريس عن عاصم بن كليب عن ابيه عن وائل ابن حجر قال رأيت رسول الله ﷺ حين كبر أخذ شماله بيمينه ۔ حدثنا وكيع عن اسماعيل بن ابي خالد عن الاعمش عن مجاهد عن مورق العجلي عن ابي الدرداء قال من اخلاق النبيين وضع اليمين على الشمال في الصلوة ۔ حدثنا وكيع عن يوسف بن ميمون عن الحسن قال قال رسول الله ﷺ كأني أنظر الى أحبار بني اسرائيل واضعي أيمانهم على شمائلهم في الصلوة ۔ حدثنا وكيع عن موسى بن عمير عن علقمة بن وائل بن حجر عن ابيه قال رأيت النبي ﷺ وضع يمينه على شماله في الصلوة تحت السرة حدثنا وكيع عن ربيع عن ابي معشر عن ابراهيم قال يضع يمينه على شماله في الصلوة تحت السرة ۔ حدثنا وكيع قال حدثنا عبد السلام بن شداد الجريري ابو طالوت قال نا غزوان ابن جرير الضبي عن أبيه قال كان علي اذا قام في الصلوة وضع يمينه على رسغ يساره ولا يزال كذلك حتى يركع متى ما ركع الا أن يصلح ثوبه أو يحك جسده ۔ حدثنا وكيع قال حدثنا يزيد بن زياد عن ابي الجعد عن عاصم الجحدري عن عقبة بن ظهير عن علي في قوله فصل لربك وانحر قال وضع اليمين على الشمال في الصلوة ۔ حدثنا يزيد بن هارون قال اخبرنا الحجاج

قارئین غور کریں کہ یہ کتنی گھٹیا اور ذلیل حرکت ہے کہ دوسرے ادارہ کی مطبوعہ کتاب کا عکس لے کر اسے چھاپا جائے اور انتہائی خاموشی کے ساتھ متن میں اپنی طرف سے ایک لفظ شامل کر دیا جائے۔

اس بدترین خیانت پر علمائے اہل حدیث کی نظر پڑی تو انہوں نے فوراً اس کی مذمت کی اور پورے عالم اسلام کو اس سے خبردار کیا۔ چنانچہ پاکستان ہی کے شیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے اس پر ایک مضمون ''خدمت حدیث کے پردے میں تحریف حدیث'' لکھا۔ جس سے پوری دنیا کے سامنے ان لوگوں کی مکاری نمایاں ہوگئی۔

تحریف کی دوسری کوشش

جس طرح کوئی اچھا شخص جب کسی اچھے طریقہ کی شروعات کرتا ہے تو دوسرے اچھے لوگ بھی اسے دہراتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح جب کوئی بدبخت کسی برے طریقہ کی ایجاد کر دیتا ہے تو دیگر بدترین لوگوں کے لئے وہ اسوہ بن جاتا ہے۔ چنانچہ جب ادارۃ القران والوں نے دوسرے کے مطبوعہ نسخہ میں ''تحت السرۃ'' کا اضافہ کر دیا تو اسی قماش کے دیگر لوگوں نے بھی یہی روش اپنانی شروع کر دی۔

چنانچہ پاکستان ہی میں ''طیب اکادمی ملتان'' والوں نے ''الاستاذ سعید اللحام'' کی تحقیق سے دارالفکر بیروت سے چھپا ہوا مصنف ابن ابی شیبہ کا نسخہ لیا اور اس نسخہ کے جس صفحہ پر وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث تھی اس میں تحریف کرتے ہوئے اس کے اخیر میں ''**وفی نسخہ تحت السرۃ**'' لکھ دیا اور اسے بریکٹ میں کر دیا۔

حالانکہ استاذ سعید اللحام کا اصل نسخہ جو دارالفکر سے چھپا تھا اس میں ''تحت السرۃ'' کے الفاظ نہیں تھے جیسا کہ ہم نے پچھلے صفحات میں اس کا عکس دیا ہے ملاحظہ فرمائیں ص ۳۲۰، ۳۲۱۔

لیکن بے شرمی اور بے حیائی کی حد ہوگئی کہ دوسرے کی تحقیق سے طبع شدہ نسخہ لیا گیا پھر اس کا عکس لیکر اسے اپنے یہاں سے چھاپا گیا اور اس کی ایک حدیث میں اپنی طرف سے تحریف کر دی گئی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس محرف نسخہ کا عکس آگے ملاحظہ فرمائیں:

المصنف

في الأحاديث والآثار

للحافظ
عبد الله بن محمد بن أبي شيبة الكوفي
العبسي
"المتوفى سنة ٢٣٥هـ"

وثق أصوله وعلق عليه

سعيد محمد اللحام

مع رسائل كثيرة

طيب اكادمى
بيرون بوهڑ گيٹ ملتان

(٤) حدثنا وكيع عن إسماعيل بن أبي خالد عن الأعمش عن مجاهد عن مورّق العجلي عن أبي الدرداء قال: من أخلاق النبيين وضع اليمين على الشمال في الصلاة.

(٥) حدثنا وكيع عن يوسف بن ميمون عن الحسن قال: قال رسول الله ﷺ، كأني أنظر إلى أحبار بني إسرائيل واضعي أيمانهم على شمائلهم في الصلاة.

(٦) حدثنا وكيع عن موسى بن عمير عن علقمة بن وائل بن حجر عن أبيه قال: رأيت النبي ﷺ وضع يمينه على شماله في الصلاة. (وفى نسخة تحت السرة) (١)

(٧) حدثنا وكيع عن ربيع عن أبي معشر عن إبراهيم قال: يضع يمينه على شماله في الصلاة تحت السرة.

(٨) حدثنا وكيع قال: حدثنا عبد السلام بن شداد الجريري أبو طالوت قال: ثنا غزوان بن جرير الضبي عن أبيه قال: كان علي إذا قام في الصلاة وضع يمينه على رسغ يساره ولا يزال كذلك حتى يركع متى ما ركع إلا أن يصلح ثوبه أو يحك جسده.

(٩) حدثنا وكيع قال: حدثنا يزيد بن زياد عن أبي الجعد عن عاصم الجحدري عن عقبة بن ظهير عن علي في قوله ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ قال: وضع اليمين على الشمال في الصلاة.

(١٠) حدثنا يزيد بن هارون قال: أخبرنا حجاج بن حسان قال: سمعت أبا مجلز أو سألته قال: قلت كيف يصنع قال: يضع باطن كف يمينه على ظاهر كف شماله ويجعلها أسفل من السرة.

(١١) حدثنا يزيد قال: أخبرنا الحجاج بن أبي زينب قال: حدثني أبو عثمان أن النبي ﷺ مر برجل يصلي وقد وضع شماله على يمينه فأخذ النبي ﷺ يمينه ووضعها على شماله.

(١٢) حدثنا جرير عن مغيرة عن أبي معشر عن إبراهيم قال: لا بأس بأن يضع اليمنى على اليسرى في الصلاة.

(١٣) حدثنا أبو معاوية عن عبد الرحمن بن إسحاق عن زياد بن زيد السوائي عن أبي جحيفة عن علي قال: من سنة الصلاة وضع الأيدي على الأيدي تحت السرر.

(١٤) حدثنا يحيى بن سعيد عن ثور عن خالد بن معدان عن أبي زياد مولى آل دراج ما رأيت فنسيت فإني لم أنس أن أبا بكر كان إذا قام في الصلاة قال هكذا فوضع اليمنى على اليسرى.

قارئین کرام! آپ نے دیکھا کہ کس طرح ادارۃ القران والوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے طیب اکادمی ملتان والوں نے بھی ایک دوسرے مطبوعہ نسخہ کے ساتھ یہی کھلواڑ کیا۔ اس طرح طیب اکادمی نہ صرف یہ کہ نجس اکادمی ثابت ہوئی بلکہ ادارۃ القرآن والوں کو بھی ان کا حق نجاست ایصال فرمایا۔

کیونکہ صحیح مسلم کی حدیث ہے اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:

”من سن في الإسلام سنة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها بعده من غير أن ينقص من أجورهم شيء ومن سن في الإسلام سنة سيئة كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من بعده من غير أن ينقص من أوزارهم شيء“

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ رائج کیا پھر اس کے بعد اس پر عمل کیا گیا تو اس کے لئے اس عمل کرنے والے کے برابر ثواب لکھا جائے گا اور ان کے ثواب میں سے کچھ کمی نہ کی جائے گی **اور جس آدمی نے اسلام میں کوئی برا طریقہ رائج کیا پھر اس پر عمل کیا گیا تو اس پر اس عمل کرنے والے کے گناہ کے برابر گناہ لکھا جائے گا اور عمل کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔“** [صحيح مسلم: ٢/٧٠٤ رقم ١٠١٧]۔

تحریف کی تیسری کوشش

گناہ جاریہ کا یہ سلسلہ یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ پاکستان ہی کے ایک اور مکتبہ، مکتبہ امدادیہ ملتان والوں نے بھی اس سلسلے میں بھرپور امداد کی چنانچہ ان لوگوں نے بھی استاذ سعید اللحام کے محقق نسخہ کا عکس لے کر چھاپا اور انہوں نے بھی وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بریکٹ کے اندر ”تحت السرة“ کا اضافہ کر دیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اسی ادارہ نے پہلی بار جب اس کتاب کو طبع کیا تھا تو اس میں یہ تحریف نہ تھی لیکن جب ادارۃ القران والوں کی طرف سے ”سـنـت سيئة“ جاری ہوگئی تو یہ بھی اس پر آمادہ عمل ہو گئے اور خود کو گناہ آلود کرنے کے ساتھ ساتھ ادارۃ القران والوں کو بھی ان کا حصہ بہم پہنچایا۔

ملاحظہ فرمائیں آگے اس مکتبہ کے محرف نسخہ کا عکس:

مُصَنَّف

ابن أبي شيبة

في الأحاديث والآثار

للحافظ عبد الله بن محمد بن أبي شيبة إبراهيم بن عثمان
ابن أبي بكر بن أبي شيبة الكوفي العبسي المتوفى سنة ٢٣٥ هـ

طبعة مشكولة النص ومصححة ومشكولة ومرقمة الأحاديث ومفهرسة

الجزء الأول

الطهارات، الأذان والإقامة، الصلاة

ضبطه وعلق عليه
الأستاذ سعيد اللحام

الإشراف الفني والمراجعة والتصحيح: مكتب الدراسات والبحوث في دار الفكر

مكتبه امداديه ملتان پاکستان

تحریف کی چوتھی کوشش

ایک طرف تحریف کا سلسلہ چل پڑا دوسری طرف ادارہ القران والے جو اس تحریف کے بانی تھے ان کی شامت آ گئی۔ ہر چہار جانب سے ان پر پھٹکار برسنے لگی، حتی کہ ان کی خیانت اور تحریف کو عربی زبان میں بھی پیش کیا گیا اور ان کی تحریفانہ سازشوں کو بے نقاب کیا گیا۔ اب ان بے چاروں کی بڑی فضیحت ہوئی اور کہیں منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔

اپنے بھائیوں کی یہ بنتی درگت دیکھ کر کوثری پارٹی کے تیسرے رکن محمد عوامہ صاحب کی نفس لوامہ نے ملامت کیا اور آں جناب نے اپنے بھائیوں کے تحریف آلود دامن کی صاف صفائی کا بیڑا اٹھایا۔ اور ایک بار پھر سے اسی حدیث میں تحریف کی چوتھی کوشش کی۔

چونکہ اس سے قبل ان کے برادران دوسروں کے مطبوعہ نسخے لے لے کر اس میں تحریف کر رہے تھے اس لئے انہوں نے دوسرا راستہ اختیار کیا اور وہ یہ کہ مصنف ابن ابی شیبہ کی اپنی تحقیق میں دو غیر مستند نسخوں کا سہارا لیتے ہوئے اس تحریفی کاروائی کو انجام دیا۔ دراصل مصنف ابن ابی شیبہ میں امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے عنوان قائم کیا ہے ”کتاب الرد علی ابی حنفیه“ (ابوحنیفہ پر رد کا بیان) اس میں امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے بتایا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کن کن احادیث کی مخالفت کی ہے۔ امام ابن شیبہ رحمہ اللہ کا یہ رد محمد عوامہ سے برداشت نہیں ہوا اور موصوف نے مصنف ابن ابی شیبہ کی طباعت کا بہانا بنایا اور اصل مقصود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا دفاع ہی تھا۔ اور لگے ہاتھوں انہوں نے ”تحت السرۃ“ کی تحریف میں بھی اپنی خدمات پیش کر دی۔

چونکہ ہندوستان میں بعض احناف حد درجہ مغالطہ بازی سے کام لیتے ہوئے عوامہ صاحب کے محرف نسخہ کو پیش کر کے یہ کہتے ہیں دیکھو عرب سے چھپے ہوئے نسخہ میں بھی ”تحت السرۃ“ موجود ہے۔ اس لئے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اس نسخہ اور اس کی تحقیق کرنے والے محمد عوامہ صاحب اور ان کی پارٹی کا مختصر تعارف ہدیہ قارئین کر دیں تا کہ سادہ لوح عوام کو بہکانے اور انہیں مغالطے میں ڈالنے کی کوئی سبیل باقی نہ بچے۔

کوثری پارٹی کا تعارف

برصغیر ہندوپاک میں ایک خاص گروہ حدیث اور محدثین کے خلاف محاذ کھولے ہوئے ہے اور خدمت حدیث کے نام پر حدیث اور محدثین پر طعن کرنا اس کا مشغلہ بنا ہوا ہے۔اور یہ سب کچھ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مجنونانہ محبت اور فقہ حنفی کے ساتھ وفاداری میں ہورہا ہے۔ چنانچہ بخاری کی شرح کے بہانے''انوارالباری''نامی پرخباثت وبکواس کتاب میں حدیث اور محدثین کے خلاف جو غلاظت پھیلائی گئی ہے وہ اسی گروہ کی کارستانی ہے۔

اللہ رب العالمین غریق رحمت کرے علامہ ومحدث محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ کو جنہوں نے ''**اللمحات الی مافی انوار الباری من الظلمات**'' کے نام سے اس زہریلی کتاب کا دندان شکن اور منہ توڑ جواب دیا اور اس گروہ کے حوصلے پست کرکے رکھ دیئے۔

ٹھیک اسی طرح کا ایک گروہ عرب میں بھی سرگرم ہے،اس کا مشن بھی خدمت حدیث کے نام پر حدیث اور محدثین پر طعن وتشنیع ہے۔اور فقہ حنفی کے ساتھ نمک حلالی اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مجنونانہ محبت کا اظہار ہے۔اس گروہ میں تین نام بہت نمایاں ہیں ایک زاہد کوثری ہے جو اس پارٹی کا بانی ہے اسے بعض علماء نے''مجنون ابوحنیفہ'' کا لقب دیا ہے۔اور شیخ بن باز رحمہ اللہ نے ''**المجرم الآثم**'' اور ''**الأفاک الأثیم**''کہا ہے۔[براء ة أهل السنة من الوقيعة فى علماء الأمة:ص۳]

اس نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی محبت میں ایک طرف امام ذہبی رحمہ اللہ کی کتاب مقام ابی حنیفہ اپنے مغالطہ آمیز حواشی کے ساتھ شائع کیا دوسری طرف عظیم محدث خطیب بغدادی رحمہ اللہ کے خلاف بکواس کرتے ہوئے''**تانیب الخطیب**'' نامی کتاب لکھی جس میں حدیث اور محدثین کے خلاف جی بھرکر طعن وتشنیع کیا ہے۔

اللہ کے فضل کرم سے اس کتاب کا جواب امیر المؤمنین فی الجرح والتعدیل،فقیہ اسماء الرجال علامہ ومحدث عبدالرحمٰن بن یحیی الیمانی المعلمی رحمہ اللہ نے دیا جو''**التنکیل بمافی تانیب الکوثری من الاباطیل**'' کے نام سے شیخ البانی رحمہ اللہ کی تحقیق کے ساتھ دوجلدوں میں مطبوع ہے۔ یہ کتاب نہ

صرف یہ کہ زاہد کوثری کا جواب ہے بلکہ بہت سارے رواۃ کے تراجم، اسماء الرجال کے معارف، علل کی باریکیوں، جرح وتعدیل کے اصولوں اور بے شمار حدیثی فوائد کا مرجع ہے۔ اس کتاب نے کوثری پارٹی کی پوری عمارت مسمار کر کے رکھ دی ہے۔

یاد رہے کہ زاہد کوثری شرکیہ اور کفریہ عقائد کا حامل ہے۔ یہ غیر اللہ سے مدد مانگنے اور قبروں پر قبے ومساجد بنانے کا قائل ہے۔ ائمہ اور محدثین کی شان میں اس نے بڑی توہین کی ہے بلکہ حد ہو گئی صحابی رسول انس رضی اللہ عنہ کو بھی نہیں بخشا۔ اس سلسلے میں تفصیلات اور اس گمراہ شخص کے بارے میں مزید معلومات کے لئے شیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کے مختلف مضامین ''مقالات ارشاد الحق اثری'' میں پڑھئے۔ نیز دیکھئے: [المقابله بين الهدى و الضلال بقلم العلامه الشيخ عبدالرزاق حمزه]

اس پارٹی میں دوسرا نام ''عبدالفتاح ابوغدہ'' ہے۔ یہ صاحب زاہد کوثری ہی کے شاگرد خاص ہیں بلکہ بعض اہل علم نے انہیں ''**الکوثری الصغیر**'' (چھوٹا کوثری) کہا ہے۔ دیکھیے: [تنبيه الاريب على بعض اخطاء تحرير تقريب التهذيب: ص ١٥٨]

یہ حضرت زاہد کوثری کے اس قدر دیوانے ہیں کہ انہوں نے اپنے بیٹے کا نام ''زاہد'' رکھا ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے عقیدہ طحاویہ کی تحقیق کے مقدمہ میں موصوف کے بارے جو کچھ لکھا ہے وہ پڑھنے کے قابل ہے۔ دیکھئے: مقدمہ شرح العقیدۃ الطحاویہ: ص ۲۱ تا ۶۲۔ مطبوعہ المکتب الاسلامی۔

زاہد کوثری کا شاگرد ہونے پر فخر کرنا، اپنے ہم مشرب لوگوں کی مبالغہ آمیز مدح وثنا کرنا، نصوص میں تحریف کرنا ان کا پسندیدہ مشغلہ رہا ہے۔ دیکھئے: [تحريف النصوص من مآخذ أهل الأهواء في الاستدلال، براءة أهل السنة من الوقيعة في علماء الأمة]۔

اسی پارٹی کے تیسرے رکن اور ننھے کوثری محمد عوامہ صاحب ہیں۔ یہ صاحب چھوٹے کوثری کے شاگرد رشید تو ہیں ہی اس کے ساتھ ساتھ بڑے کوثری کے بھی دیوانے اور پرستار ہیں۔ چنانچہ اپنی متعدد کتابوں میں موصوف نے کوثری اعظم کو بڑے بھاری بھرکم آداب والقاب سے نوازا ہے مثلاً ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''**شيخ شيوخنا العلامة الحجة الشيخ محمد زاهد الكوثري رحمه الله تعالى**

ہمارے استاذوں کے استاذ علامہ، الحجہ، شیخ محمد زاہد کوثری رحمہ اللہ تعالیٰ'' [مسند عمر بن عبدالعزیز بتحقیق عوامہ: ص ۲۳۵، حاشیہ]

موصوف کی کتابیں پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بڑے اور چھوٹے کوثری سے انہوں نے بھر پور استفادہ کیا ہے اور دجل وفریب، تدلیس وتلبیس اور حیل ومکر میں کوثری مہارت کو ورثہ میں حاصل کیا ہے۔ سلف واہل حدیث کے دشمنوں کو بڑے بڑے القاب سے نوازنا اور سلفی علماء پر طعن وتشنیع کرنا، موصوف کی عادت رہی ہے۔ بلکہ حد ہوگئی کہ ایک جگہ علامہ البانی رحمہ اللہ کو ''جاہل'' تک کہہ دیا چنانچہ اپنی بدنام زمانہ کتاب ''اثر الحدیث'' میں لکھتے ہیں:

''...التی قال عنها هذا الجاهل فی مقدمة ''الآیات البینات''...''

''جس کے بارے میں اس جاہل (البانی) نے ''الآیات البینات'' کے مقدمہ میں کہا ہے''

[اثر الحدیث لعوامه: ص ۱۰۲]

اس کتاب میں انہوں نے صرف علامہ البانی رحمہ اللہ ہی نہیں بلکہ اور بھی کئی اہل علم حتی کہ امام بخاری وامام مسلم رحمہما اللہ کے خلاف بھی زہرافشانی کی ہے دیکھئے: [اثر الحدیث لعوامه: ص ۱۳۶ تا ۱۳۷]

اسی لئے شیخ مشہور حسن سلمان نے ان کی اس کتاب کو ''کتب حذر منها العلماء'' کی فہرست میں پیش کیا ہے دیکھیے: [کتب حذر منها العلماء: ۱/۱۶۸]۔

صرف یہی نہیں بلکہ عوامہ اور ان کے استاذ ابوغدہ دونوں صاحبان نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور امام احمد رحمہ اللہ پر بھی بہتان تراشی کی ہے جس کا دنداں شکن جواب دکتور ربیع بن ہادی المدخلی نے دیا ہے دیکھیے: [تقسیم الحدیث إلی صحیح، وحسن، وضعیف بین واقع المحدثین ومغالطات المتعصبین "رد علی أبی غدة، ومحمد عوامة" تالیف: دکتور ربیع بن هادی المدخلی]

یہ ہے عوامہ صاحب کا علمی نسب نامہ جنہوں نے زیر بحث حدیث میں ''تحت السرة'' کے اضافہ میں چوتھی کوشش کی ہے۔ اور جن کے حوالے سے عوام کو دھوکا دیا جاتا ہے کہ عرب سے چھپے ہوئے نسخہ میں بھی ''تحت السرة'' کا لفظ ہے۔ اب آگے ہم عوامہ صاحب کی تحریف کی حقیقت واضح کریں گے اس سے پہلے ان کے نسخہ سے متعلقہ صفحہ کا عکس ملاحظہ ہو:

لابن أبي شيبة

الإمام أبي بكر عبد الله بن محمد بن أبي شيبة العبسي الكوفي

المولود سنة ١٥٩ھ - والمتوفى سنة ٢٣٥ھ

رضي الله عنه

حققه وقوّم نصوصه وخرّج أحاديثه

محمد عوّامة

المجلد الثالث

من كتاب الصلاة

٢٩٩٩ - ٥٠٢٥

مؤسسة علوم القرآن　　　شركة دار القبلة

نوٹ:-عوامہ صاحب کے نسخہ میں یہ حدیث تین صفحات پر تھی، ذیل میں تینوں صفحات کے ابتدائی حصہ کا عکس ہے۔

۳۲۰ ۳ـ كتاب الصلاة باب (١٦٧ ـ ١٦٧)

٣٩٥٩ ـ حدثنا وكيع، عن موسى بن عُمير، عن علقمة بن وائل بن

٣٩٥٩ ـ تقدم من وجه آخر عن وائل قبل حديثين، وهذا إسناد صحيح، والصواب سماع علقمة من أبيه، كما تراه في التعليق على ترجمة علقمة في «التقريب» (٤٦٨٤)، و«الكاشف» (٣٨٧٦).

باب (١٦٧ ـ ١٦٧) ٣ـ كتاب الصلاة ٣٢١

حُجْر، عن أبيه قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم وضع يمينه على

تجده في «زوابع في وجه السنة قديماً وحديثاً» ص٢٥١، وجريدة المدينة المنورة ١٠/ ٥/ ١٤١٠هـ العدد ٢٨٤٥، وغيرهما.

ومن نقل الحديث عن إحدى النسخ الأربع خ، ظ، ن، ش التي ليس فيها هذه الجملة: معذور في عدم إثبات هذه الزيادة، لكنه ليس معذوراً في نفي ورودها، ومن نقله عن إحدى النسختين اللتين فيهما هذه الزيادة: هو معذور في إثباتها، بل واجب عليه ذلك، ولا يجوز له حذفها، فعلى مَ التنابز والتنابذ؟!.

٣٢٢ ٣ـ كتاب الصلاة باب (١٦٧ ـ ١٦٧)

شماله في الصلاة تحت السرة.

٣٩٦٠ ـ حدثنا وكيع، عن ربيع، عن أبي معشر، عن إبراهيم قال: يضعُ يمينه على شماله في الصلاة تحت السرة.

٣٩٦١ ـ حدثنا وكيع قال: حدثنا عبد السلام بن شداد الجُرَيري أبو ٣٩٤٠

فسدَّ الثغرة بطباعة القسم الأول من المجلد الرابع.

وأما أخطاؤه: فأخبرني من لسانه إلى أُذنيّ، وأنا أماشيه في الحرم النبوي الشريف، أنه قد عهد إلى بعض أهل العلم عنده في كراتشي بتصحيحها، ففعلوا، وبلغت الأخطاء معهم نحو ثمانية آلاف غلطة مطبعية!! ففقدت الدار الثقة بهذه الطبعة تماماً.

تحریف کا پہلا سہارا

عوامہ صاحب نے اس حدیث میں تحریف کے لئے سب سے پہلے یہ عکس دیا ہے:

۸ صور النسخ الخطية المعتمدة في تحقيق المجلد الثالث

صورة الصفحة من نسخة (ع) التي فيها: «تحت السرة»

وهو الآتي برقم (٣٩٥٩)

عوامہ صاحب نے پہلے نمبر پر جس مخطوطہ کا سہارا لیا ہے وہ شیخ عابد سندھی حنفی (المتوفی ۱۲۵۷) کا مخطوطہ ہے جو انتہائی غیر مستند ہے۔

یاد رہے کہ یہ نسخہ خود شیخ عابد السندی نے اپنے ہاتھ سے نہیں لکھا بلکہ دوسرے سے لکھوایا ہے جس نے لاپرواہی میں یہ غلطی کی ہے۔اوراس نسخہ کی تکمیل کے بعد اصل سے اس کا مقابلہ ہوا یا نہیں اس کی بھی وضاحت نہیں ہے۔ بلکہ جس اصل سے اس نسخہ کو نقل کیا گیا ہے اس کا بھی کوئی سراغ نہیں ملتا۔اس پر مستزاد یہ کہ اس نسخہ میں ناسخ نے بہت ساری غلطیاں کی ہیں اور بہت ساری اسانید ومتون میں گڑبڑی کی ہے۔[مصنف ابن ابی شیبہ : ج ۱ ص ۳۶۸، مقدمۃ :بتحقیق حمدالجمعہ و محمداللحیدان]

ان وجوہات کی بنا پر یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ یہ نسخہ قطعا لائق اعتماد نہیں ہے۔ بلکہ خود عوامہ صاحب نے ہی اس مخطوطہ کا تعارف کراتے ہوئے صاف لفظوں میں کہہ دیا:

”وهي نسخة للاستيئناس لا للاعتماد عليها“

”یہ نسخہ استئناس کے لئے اوراس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا“[مصنف ابن ابی شیبہ : ج ۱ ص ۲۸،مقدمۃ: بتحقیق عوامہ]

غور فرمائیں کہ جب خود عوامہ صاحب کا یہ اعلان ہے کہ یہ نسخہ ناقابل اعتماد ہے تو پھر آں جناب نے تحت السرۃ (زیرناف) کی زیادتی میں اس پر اعتماد کیسے کرلیا؟

صرف عوامہ نے ہی نہیں بلکہ ان سے قبل بھی جتنے محققین نے مصنف ابن ابی شیبہ کی تحقیق کی ہے کسی نے بھی اس نسخہ پر اعتماد نہیں کیا ہے اورنہ ہی کسی نے اس کے سہارے وائل بن حجر کی حدیث میں تحت السرۃ کا اضافہ کیا۔

عوامہ صاحب سے قبل شیخ حمد بن عبداللہ الجمعہ اور شیخ محمد بن ابراہیم اللحید ان نے بھی مصنف ابن ابی شیبہ کی تحقیق کی ہے اوران محققین نے بھی یہ اعلان کیا ہے کہ یہ نسخہ غیر مستند ہے۔[دیکھیے :مصنف ابن ابی شیبہ : ج ۱ ص ۳۶۸تا۳۶۹، مقدمۃ :بتحقیق حمدالجمعہ و محمداللحیدان]

اس نسخہ کے غیر معتبر ہونے کے ساتھ ساتھ اس بات پر بھی غور کیجئے کہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث کے فورا بعد ابراہیم نخعی کا اثر ہے۔ مرفوع حدیث اوراثر دونوں ایک ساتھ ملاحظہ فرمائیں:

☆ (مرفوع حدیث)حدثنا وکیع ، عن موسی بن عمیر ، عن علقمة بن وائل بن حجر ، عن أبیه ، قال: رأیت النبی ﷺ وضع **یمینه علی شماله فی الصلاة**

☆(اثر ابراهیم نخعی) حدثنا وکیع ، عن ربیع ، عن أبی معشر ، عن إبراهیم ، قال: یضع **یمینه علی شماله فی الصلاة** تحت السرة.[مصنف ابن أبی شیبۃ: ۱/۳۹۰]

مرفوع حدیث اور اثر دونوں میں خط کشیدہ الفاظ پر دھیان دیں۔

مرفوع حدیث کے اخیر میں ”**یمینه علی شماله فی الصلاة**“ ہے۔

اور ابراہیم نخعی کے اثر میں ”تحت السرة“ سے پہلے ہو بہو یہی الفاظ ہیں۔

اس لئے کوئی بعید نہیں کہ مرفوع حدیث کے یہ الفاظ لکھتے وقت کاتب کی نظر اگلے اثر میں موجود انہیں الفاظ پر پڑی پھر اس نے یہاں سے ان الفاظ کو مرفوع حدیث کے الفاظ سمجھ کر نقل کئے اور چونکہ یہاں ان الفاظ کے ساتھ ”تحت السرة“ تھا اس لئے وہ بھی نقل ہو گیا۔

☆ مصنف ابن ابی شیبہ کی تحقیق کرنے والے شیخ حمد بن عبداللہ الجمعہ اور شیخ محمد بن ابراہیم نے بھی یہی بات کہی ہے۔ چنانچہ ان محققین نے اپنے محقق نسخہ میں جہاں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے، وہیں پر حاشیہ میں شیخ عابد کے نسخہ میں موجود ”تحت السرة“ کے اضافہ کا حوالہ دے کر اسے رد کر دیا اور اسے کاتب کی غلطی قرار دیتے ہوئے کہا:

”فی(م):“شماله فی الصلاة تحت السرة“ ولعلة سبق نظره الی الأثر الذی بعده فکتب منه:“تحت السرة“.“

”شیخ عابد السندی کے نسخہ میں“ ”شماله فی الصلاة تحت السرة“ ہے۔شاید کاتب کی نظر اس کے بعد موجود اثر پر پڑی اور اس سے ”تحت السرة“ نقل کر دیا۔“[مصنف ابن ابی شیبه :ج ۲ ص ۳۳٤، مقدمة :بتحقیق حمدالجمعه و محمداللحیدان]

☆ یہی بات شیخ محمد حیاۃ سندھی حنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۱۶۳) نے بھی کہی ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

”فی ثبوت زیادة تحت السرة نظر، بل هی غلط، منشأه السهو فإنی راجعت

نسخة صحيحة للمصنف فرأيت فيها هذا الحديث بهذا السند، وبهذا الألفاظ، إلا أنه ليس فيها تحت السرة .وذكر فيها بعد هذا الحديث أثر النخعي ولفظه قريب من لفظ هذا الحديث، وفي اخره (في الصلاة تحت السرة). فلعل بصر الكاتب زاغ من محل إلى آخر، فأدرج لفظ الموقوف في المرفوع"

"تحت السرہ کی زیادتی کا ثبوت محل نظر ہے بلکہ یہ غلط اورسہو کا نتیجہ ہے کیونکہ میں نے مصنف ابن ابی شیبہ کا صحیح نسخہ دیکھا ہے میں نے اس میں یہی حدیث انہیں الفاظ کے ساتھ دیکھی ہے اس میں "تحت السرۃ" (زیرناف) نہیں ہے۔نیز اس میں اس حدیث کے بعد ابراہیم نخعی کا اثر ہے اوراس کے الفاظ بھی تقریبا اسی حدیث جیسے ہیں۔اوراس کے آخر میں ہے(في الصلاة تحت السرة) ۔تو غالبا کاتب کی نگاہ ایک جگہ سے دوسری جگہ چلی گئی اوراس نے موقوف اثر کے الفاظ کو مرفوع حدیث میں داخل کردیا۔" [فتح الغفور في وضع الأيدي على الصدور:ص ٥٢ تحقيق د ضياء الرحمن الاعظمی]۔

☆ بلکہ لطف تو یہ ہے کہ ایک دوسرے مقام پرایک کاتب سے اسی طرح کی غلطی ہوئی ہے اور یہاں پرخود عوامہ صاحب نے بھی اسی طرح کی بات کہہ رکھی ہے۔

چنانچہ ایک کاتب نے مصنف ابن ابی شیبہ ہی کے نسخہ میں اسی طرح کی غلطی ایک دوسری جگہ کی ہے اوروہاں عوامہ صاحب نے بھی یہی کہا ہے کہ کاتب نے سبقت نظر سے ایسا لکھ دیا۔جیسا کہ آگے ہم عوامہ صاحب کے الفاظ نقل کررہے ہیں۔دیکھئے:ص ۳۵۷۔

معلوم ہوا کہ محققین واہل علم نے نہ تو اس نسخہ کو معتبر مانا ہے اورنہ ہی اس پر اعتماد کیا ہے۔

صرف محققین واہل علم ہی نہیں بلکہ ماضی میں ناسخین نے بھی شیخ عابد سندھی کے اس نسخہ پر اعتماد نہیں کیا ہے چنانچہ اس نسخہ سے نقل کرتے ہوئے بہت سارے لوگوں نے اپنے نسخے بنائے [مصنف ابن ابی شیبہ : ج ١ ص ٣٦٩، مقدمة :بتحقیق حمدالجمعه ومحمداللحیدان]

لیکن ان لوگوں نے اسی نسخے سے نقل کرنے کے باوجود بھی اپنے نسخے میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں "تحت السرۃ" کے الفاظ نقل نہیں کئے۔گویا کہ یہ ناسخین بھی اسے بے بنیاد اور غلط ہی مانتے تھے۔

غالباً صرف ایک نسخہ ہے جس کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ بھی شاید شیخ عابد السندی ہی کے نسخہ سے منقول ہے اور اس میں بھی یہ اضافہ موجود ہے۔ یہ نسخہ علامہ عبدالقادر مفتی مکہ مکرمہ کا ہے۔

عوامہ صاحب نے اس نسخہ کا بھی حوالہ دیا ہے لیکن اس کا عکس نہیں دیا ہے اور نہ ہی اس نسخہ کا تعارف کروایا ہے۔ دراصل یہ نسخہ عوامہ صاحب کو ملا ہی نہیں بلکہ عوامہ صاحب نے ''**درهم الصرة**'' کے واسطے اس کا حوالہ دیا ہے۔ اور اس کتاب میں بھی اس نسخہ کی کوئی تفصیلات نہیں ہیں۔

شیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

''رہا علامہ عبدالقادر مفتی مکہ مکرمہ کا نسخہ تو اس کے بارے میں بلاشبہ شیخ محمد ہاشم نے لکھا ہے کہ اس میں مرفوع اور اثر نخعی دونوں ہیں، اور دونوں میں تحت السرۃ کے الفاظ ہیں۔ مگر انہوں نے یہ قطعاً ذکر نہیں کیا کہ یہ نسخہ کس نسخہ سے منقولہ ہے اور اس کا ناسخ کون ہے۔ یہ اصل سے مقابلہ شدہ اور قابل اعتماد ہے یا نہیں؟ جب تک یہ امور ثابت نہ ہوں اس پر اعتماد اہل علم کی شان نہیں۔ ایسے نسخہ سے استدلال محض ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کا مصداق ہے۔'' [دیکھئے شیخ محترم کا مقالہ بحوالہ حدیث اور اہل تقلید: ص۴۳۳]۔

عرض ہے کہ بہت ممکن ہے کہ یہ نسخہ بھی شیخ عابد ہی کے نسخہ سے منقول ہو اور اس ناسخ نے لاپرواہی سے اس اضافہ کو جوں کا توں نقل کر دیا اگر ایسا ہے تو اس نسخہ کی بھی کوئی علیحدہ حیثیت نہیں۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر یہ نسخہ مجہول ہے نہ اس کے ناسخ کا پتہ ہے اور نہ اس بات کا پتہ ہے کہ اس نسخہ کی اصل کیا ہے اور اس کا بھی علم نہیں کہ اصل سے مقابلہ شدہ ہے یا نہیں۔ ان وجوہات کی بنا پر اس نسخہ کی بھی وہی حیثیت ہے جو شیخ عابد کے نسخہ کی ہے۔ یعنی دونوں ہی نسخہ غیر مستند و غیر معتبر ہے۔

تحریف کا دوسرا سہارا

عوامہ صاحب نے اس حدیث میں تحریف کے لئے دوسرا عکس یہ دیا ہے:

صور النسخ الخطية المعتمدة في تحقيق المجلد الثالث ١١

132

وضع اليمين على الشمال

صورة الصفحة من نسخة (ت) التي فيها: «تحت السرة»

وهو الآتي برقم (٣٩٥٩)

عوامہ نے جس دوسرے نسخہ سے متعلقہ صفحہ کا عکس دیا ہے وہ شیخ محمد مرتضی الزبیدی حنفی کا نسخہ ہے اس کے لئے عوامہ صاحب نے (ت) کی علامت استعمال کی ہے۔

عرض ہے کہ یہ نسخہ بھی مستند نہیں، اس کے مستند ہونے کے شرائط مفقود ہیں اسی لئے خود عوامہ صاحب نے بھی اس نسخہ کے بارے میں کہا:

”والاعتماد علیھامفید“

”اس پر اعتماد مفید ہے“ [مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۱ ص ۳۰، مقدمة: بتحقیق عوامہ]

یعنی صرف مفید ہے یقینی نہیں۔ وہ بھی صرف اس لئے کیونکہ اس پر علامہ عینی رحمہ اللہ کے حواشی ہیں اور شیخ زبیدی رحمہ اللہ کے مراجعہ میں یہ نسخہ رہا ہے [حوالہ سابق]۔

عرض ہے کہ کون سا نسخہ ایسا ہے جو کسی عالم کے مراجعہ میں نہیں رہتا ہے؟ لیکن محض اتنی سی بات سے نسخہ قابل اعتماد ثابت نہیں ہوتا اسی لئے خود عوامہ نے بھی اسے پورے طور سے قابل اعتماد نہیں کہا ہے بلکہ صرف اعتماد کو مفید بتلایا ہے۔ لہٰذا یہ نسخہ بھی مستند نہیں ہے۔

علاوہ ازیں اس نسخہ سے جس صفحہ کا عکس عوامہ صاحب نے دیا ہے اسی صفحہ پر دیکھا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ اس حدیث کے فوراً بعد ابراہیم نخعی کا جو اثر تھا جس میں تحت السرۃ کا لفظ تھا یہ اثر اس نسخہ سے غائب ہے! دیکھیے ص ۳۵۳۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں ناسخ سے سبقت نظر کے سبب غفلت وچوک ہوئی ہے۔ مرفوع حدیث نقل کرتے وقت اس کی نظر آگے ابراہیم نخعی کے اثر پر پڑی۔ اس نے ابراہیم نخعی کے اثر کو مرفوع حدیث کا آخری حصہ سمجھ لیا اور مرفوع حدیث میں اس اثر کو شامل کر دیا، اس کے بعد آگے بڑھ گیا۔ اور ابراہم نخعی کا اثر اور اس کی سند لکھا ہی نہیں کیونکہ اس حصہ کو جب اس نے مرفوع حدیث کے ساتھ ملا دیا تو اسے یہی لگا کہ یہ الفاظ لکھے جا چکے ہیں۔ اس لئے ابراہیم نخعی کا اثر یہاں سے غائب ہی ہو گیا۔

یہی وضاحت خود احناف میں سے بھی کئی حضرات نے کی ہے چنانچہ:

شیخ محمد حیاۃ سندھی حنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۱۶۳) لکھتے ہیں:

”روی ھذاالحدیث ابن ابی شیبہ وروی بعدہ اثر النخعی ولفظھماقریب. وفی

آخر الاثر لفظ تحت السرہ. واختلفت نسخه ،ففی البعض ذکر الحدیث مطلقا فی غیر تعیین المحل مع وجود الاثر المذکور. وفی البعض وقع الحدیث المرفوع بزیادۃ تحت السرۃ بدون اثر النخعی .فیحمل ان ھذہ الزیادۃ منشاھا ترک الکتاب سھوا نحو سطر فی الوسط وادراج لفظ الاثر فی المرفوع“

”اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے اور اس کے بعد ابراہیم نخعی کا اثر روایت کیا ہے اور ان دونوں کے الفاظ تقریباً ایک ہیں۔ اور ابراہیم نخعی کے اثر کے اخیر میں ”تحت السرۃ“ کا لفظ ہے۔ اور ابن ابی شیبہ کے نسخوں میں اختلاف ہے۔ بعض میں مرفوع حدیث ہاتھ باندھنے کی جگہ کے بغیر مطلق مذکور ہے اور اس کے ساتھ ابراہیم نخعی کا مذکورہ اثر بھی ذکر ہے۔ اور بعض میں مرفوع حدیث ”تحت السرۃ“ کی اضافہ کے ساتھ وارد ہے لیکن اس کے بعد ابراہیم نخعی کا اثر مذکور نہیں ہے۔ لہٰذا اسے اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ لکھنے میں درمیان سے ایک سطر چھوٹ گئی ہے اور ابراہیم نخعی کے اثر کے الفاظ مرفوع حدیث میں داخل ہوگئے ہیں“ [درۃ فی اظہار غش نقد الصرۃ: ص٦٨ المطبوع مع درھم الصرہ]

یہ ایک بہت بڑے حنفی عالم کی وضاحت ہے جس میں تعصب کا دخل ہو ہی نہیں سکتا۔ اور یہ صرف ایک حنفی عالم کی وضاحت نہیں بلکہ احناف ہی میں سے کئی حضرات یہی وضاحت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں چنانچہ:

محمد انور شاہ کشمیری حنفی (المتوفی ١٣٥٣) رحمہ اللہ بھی شیخ محمد حیاۃ سندی رحمہ اللہ کی وضاحت کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ولاعجب أن یکون کذالک فانی راجعت ثلاث نسخ للمصنف فماوجت فی واحدۃ منھا“

”اور کوئی عجب نہیں کہ بات اسی طرح ہو کیونکہ میں نے مصنف ابن ابی شیبہ کے تین (قلمی) نسخے دیکھے۔ اور ان تینوں میں سے کسی ایک میں بھی یہ زیادتی میں نے نہیں پائی“ [فیض الباری: ج٢ص٢٦٧]

صرف یہی نہیں بلکہ معاصرین میں احناف ہی کے ایک نامور عالم مولا حبیب الرحمٰن الاعظمی گذرے ہیں۔ جنہیں احناف بہت بڑا محدث اور بہت بڑا محقق مانتے ہیں انہوں نے بھی مصنف ابن

ابی شیبہ کی تحقیق کی ہے اوران کے سامنے بھی یہی نسخہ تھا لیکن انہوں نے ناسخ کی اس غلطی کو سبقت نظر کی غلطی ہی سمجھا اوراپنے نسخے میں اس کی اصلاح کرتے ہوئے مرفوع حدیث کو تحت السرۃ کے بغیر درج کیا اوراس کے بعد ابراہیم نخعی کا جو اثر اس نسخہ سے ساقط ہو گیا تھا اسے بریکٹ میں رکھتے ہوئے کتاب میں شامل کیا اور حاشیہ میں صاف طور سے اعلان کر دیا ہے کہ اصل نسخہ میں ناسخ کی غلطی سے ابراہیم نخعی کا اثر ساقط ہو گیا تھا اوراس اثر کا آخری حصہ مرفوع حدیث کے ساتھ مل گیا تھا جس کی اصلاح کی گئی ہے۔

چنانچہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اپنے محقق نسخہ میں اس مقام پر حاشیہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

”سقط من الأصل الا آخره مدرجا فیمافوقه واستدرکته من ب والحیدرآبادیه“

”یہ (ابراہیم نخعی کا اثر) اصل مخطوطہ سے ساقط ہے اوراس کا آخری حصہ (تحت السرۃ) اوپر کی مرفوع حدیث سے مل گیا ہے۔میں نے نسخہ ب اور حیدرآباد والے نسخہ سے اس اثر کا اضافہ کیا ہے۔“

[مصنف ابن ابی شیبه : ج ص ۔بتحقیق حبیب الرحمن الاعظمی]

حبیب الرحمٰن الاعظمی صاحب والے نسخہ سے اس صفحہ کے عکس کے لیے دیکھیے ہماری یہی کتاب: ص:۳۱۶،۳۱۷۔

غور کیا جائے کہ یہ سارے کے سارے حنفی اکابرین ہیں جو یک زبان ہو کر کہہ رہے ہیں یہاں ناسخ سے غلطی ہوئی ہے لیکن افسوس کہ عوامہ صاحب کو یہ سچائی ہضم نہیں ہوئی اور وہ اس غلطی کو غلطی ماننے کے لئے تیار نہیں ہوئے بلکہ انہیں کے اکابرین نے جو یہ کہا کہ یہاں ناسخ کی غلطی سے ابراہیم نخعی کے اثر کا آخری حصہ مرفوع حدیث میں شامل ہو گیا ہے۔عوامہ صاحب جذباتی انداز میں اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

۞ ”والجواب أن هذاتظنن وتشكك یفرح به اعداء الله والاسلام،لوفتح لمابقی لناثقة بشی من مصادردیننا!“

”اس کا جواب یہ ہے کہ یہ گمان اور تشکیک ہے جو اللہ اوراس کے رسول کے دشمنوں کے لئے خوش کن ہے۔اگر یہ دروازہ کھول دیا جائے تو ہمارے دین کے مصادر کی کوئی ثقاہت باقی نہیں رہے گی۔“

[مصنف ابن ابی شیبه : ج ۳ ص ۳۲۰،مقدمة : بتحقیق عوامه]

عرض ہے کہ عوامہ صاحب کی یہ بات بالکل ایسے ہی جیسے قرآن نے بعض کفار کے بارے میں نقل کیا کہ:

﴿وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ﴾

''انہوں نے انکار کردیا حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے صرف ظلم اور تکبر کی بنا پر۔ پس دیکھ لیجئے کہ ان فتنہ پرداز لوگوں کا انجام کیسا کچھ ہوا'' [النمل:١٤]

ہم یہ بات اس لئے کہہ رہے ہیں کہ یہاں اپنے اکابرین کی جس بات کا عوامہ صاحب نے جذباتی انداز میں انکار کیا ہے عین اسی بات کا اعتراف عوامہ صاحب نے اسی کتاب میں دوسرے مقام پر خود کیا ہے۔

ایک ناسخ نے بالکل اسی طرح کی غلطی ایک دوسری جگہ کی ہے اور وہاں پچھلی روایت کے حصہ کو اگلی روایت کے ساتھ ملا دیا ہے اور اگلی روایت کا متن غائب کر دیا ہے۔

چنانچہ عوامہ صاحب کی تحقیق سے شائع شدہ مصنف ابن ابی شیبہ کی پانچویں جلد میں نمبر(٧٧٦٣) کے تحت یہ اثر ہے:

" حدثنا وكيع ، عن حسن بن صالح ، عن عمرو بن قيس ، عن أبي الحسناء ؛ أن عليا أمر رجلا يصلي بهم في رمضان عشرين ركعة"

اور اس کے فورا بعد یہ اثر ہے:

"حدثنا وكيع ، عن مالك بن أنس ، عن يحيى بن سعيد ، أن عمر بن الخطاب أمر رجلا يصلي بهم عشرين ركعة"[مصنف بن أبي شيبة ت عوامة:٥/٢٢٣]۔

عوامہ صاحب کے نسخہ سے اس صفحہ کا عکس آگے ملاحظہ ہو:

٧٧٦٣ ـ وكيع، عن حسن بن صالح، عن عمرو بن قيس، عن أبي الحسناء: أن علياً أمر رجلاً يصلي بهم في رمضان عشرين ركعة.

٧٧٦٤ ـ وكيع، عن مالك بن أنس، عن يحيى بن سعيد: أن عمر بن الخطاب أمر رجلاً يصلي بهم عشرين ركعة.

٧٧٦٥ ـ وكيع، عن نافع بن عمر قال: كان ابن أبي مليكة يصلي بنا

٧٧٦٣ ـ «عن أبي الحسناء»: جاء في النسخ: عن أبي الحسن، سوى م ففيها: عن أبي الحسين، ومثلها جاء في «الاستذكار» ٥: ١٥٨ نقلاً عن المصنِّف، والظاهر أن صوابه ما أثبتُّه، فقد رواه من طريق المصنف: أبو القاسم التيمي في «الترغيب والترهيب» ٢: ٣٦٨ (١٧٨٩)، وفيه: أبو الحسناء. ونقله عن المصنف: العلاء الماريدني في «الجوهر النقي» ٢: ٤٩٦، وجاء كذلك في «مختصر اختلاف العلماء» للطحاوي بشرح الجصاص عليه ١: ٣١٢، والبيهقي ٢: ٤٩٧، و«عمدة القاري» ٩: ٢٠١ نقل فيه السند والمتن ولم يعزه، فمن أجل هذه المصادر أثبتُّه فوق هكذا، وهو جزماً غير المترجم في قسم الكنى من «تهذيب الكمال» وفروعه، والله أعلم بحال هذا المذكور هنا.

وما زال عندي احتمال أن يكون ما جاء في النسخ ـ سوى م ـ صحيحاً: أبو الحسن، ويكون المراد به أبا الحسن البراد، وذكروا له رواية عن عليّ رضي الله عنه، انظر «الكنى» للبخاري (١٧٠)، و«الجرح» ٩ (١٦١٠)، و«كنى» أبي أحمد الحاكم ٣ (١٥٧٠)، وغيرها.

٧٧٦٤ ـ سقط هذا الأثر من ع، وجاء في أ هكذا: وكيع، عن مالك بن أنس: أن علياً أمر رجلاً يصلي بهم في رمضان عشرين ركعة. وهو سبق نظر إلى الأثر السابق.

٧٧٦٥ ـ «يقرأ بـ: حَمْد، الملائكة»: يريد سورة فاطر المفتتحة بقوله تعالى: ﴿الحمد لله فاطر السموات والأرض جاعل الملائكة رسلاً..﴾، وينظر رقم (٧٧٥٦).

عوامہ صاحب کے پیش نظر شیخ عابد سندھی کے نسخہ سے دوسرا اثر غائب ہے جیسا کہ خود عوامہ صاحب نے حاشیہ میں لکھا ہے۔اور عوامہ صاحب ہی کے بقول ایک دوسرے نسخہ میں یہ اثر موجود تو ہے مگر اس کے متن کی جگہ پچھلے اثر ہی کا متن موجود ہے۔

اور یہاں عوامہ صاحب نے یہ وضاحت کی ہے کہ شاید ناسخ کی نظر پچھلے اثر پر پڑی اور اس نے پچھلے اثر کے متن کو دوبارہ یہیں پر درج کر دیا چنانچہ عوامہ صاحب اس صفحہ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

”سقط هذ الأثرمن ع وجاء في أ هكذا: وكيع ، عن مالك بن أنس ، أن عليا أمر رجلا يصلي بهم في رمضان عشرين ركعة.وهو سبق نظر الى الأثر السابق“

”یہ اثر ”ع“ یعنی شیخ عابد سندھی کے نسخہ میں نہیں ہے۔اور ”أ“ یعنی مکتبہ احمد الثالث کے نسخہ میں اس طرح ہے:”وكيع ، عن مالك بن أنس ، أن عليا أمر رجلا يصلي بهم في رمضان عشرين ركعة .“اور ایسا (کاتب کی جانب سے) پہلے اثر کی طرف سبقت نظر کی وجہ سے ہوا“ [مصنف بن أبي شيبة ت عوامة:٥/٢٢٣]۔

قارئین! ملاحظہ فرمایا آپ نے! کیا یہ دوغلی پالیسی نہیں ہے؟

ہم پوچھتے ہیں کہاں گئی عوامہ صاحب کی وہ جذباتی تقریر کہ اس طرح کے گمان سے اللہ کے دشمن خوش ہوں گے اور یہ دروازہ کھول دیا جائے تو مصادر دینیہ سے اعتماد اٹھ جائے گا؟ اگر اس طرح کے گمان کی گنجائش نہیں تھی اور اس کا سد باب ہونا چاہئے۔تو خود عوامہ صاحب نے اس مقام پر یہ بدگمانی کیسے پال لی؟ اور اللہ کے دشمنوں کو خوش کرنے کے لئے یہ دروازہ کیسے کھول دیا؟

صاف ظاہر ہے عوامہ صاحب کو بھی تسلیم ہے کہ سبقت نظر کے سبب کاتب سے اس طرح کی غلطی ہوجاتی ہے اور دیگر نسخوں کی مدد سے اس کی اصلاح کرنا تحقیق کا فریضہ ہے۔لیکن چونکہ زیر ناف والے مسئلہ میں ان کے مسلک اور ان کے یاروں کا دفاع مقصود تھا اس لئے وہاں اپنے نزدیک مسلم سچائی سے بھی انکار کردیا گیا۔اس طرح کا انکار وجو دسرکش کفار کا شیوہ ہے۔کیونکہ زبان پر انکار ہوتا ہے اور دل میں تصدیق ہوتی ہے جیسا کہ اوپر قرآن کی آیت ذکر کی گئی۔

اور شاید عوامہ صاحب کو بھی اندازہ تھا کہ اس واضح حقیقت کے خلاف ان کی جذباتی تقریر میں کوئی کشش نہیں ہے اسی لئے موصوف نے تنکے کا سہارا لینے کی کوشش کی اور کہا:

❁ ” ومع ذلک فماذا نفعل بثبوت ذلک کله فی نسخة الشیخ محمد عابد السندی ،التی فیها الحدیث والأثر ،وفی آخر کل منهما تحت السرة ؟!ومع من زاد علم واثبات وحجة ،فماذا مع النافی؟!“

”علاوہ بریں اس کے بارے میں کیا کہیں گے کہ شیخ عابد سندھی کے نسخہ میں یہ سب ثابت ہے جس میں مرفوع حدیث اور اثر دونوں ہیں اور دونوں کے آخر میں تحت السرہ ہے“ [مصنف ابن ابی شیبه : ج ۳ ص ۳۲۰ ،مقدمة : بتحقیق عوامه]

عرض ہے کہ گذشتہ سطور میں بتایا جاچکا ہے کہ خود عوامہ نے اس نسخہ کو نا قابل اعتماد قرار دیا ہے تو پھر یہاں اس نا قابل اعتماد نسخہ سے دلیل پکڑنا سوائے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا والا معاملہ نہیں تو اور کیا ہے؟

مزید یہ کہ خود عوامہ صاحب نے دوسرے مقام پر نسخہ میں اس طرح کی غلطی پر اعتماد نہیں کیا ہے۔ چنانچہ ماقبل میں ہم نے عوامہ صاحب کے محقق نسخہ کے حوالے سے اسی طرح کی غلطی کی جو مثال پیش کی ہے اسے دوبارہ دیکھیں۔ عوامہ صاحب حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ شیخ عابد سندھی کے نسخہ میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اثر مع سند ومتن غائب ہے۔ لیکن مکتبہ احمد الثالث کے نسخہ میں یہی اثر مع سند ومتن موجود ہے مگر اس میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بجائے علی رضی اللہ عنہ کا نام لکھ گیا ہے یعنی باعتراف عوامہ صاحب اس نسخہ میں علی رضی اللہ عنہ کے پہلے اثر کے ساتھ ساتھ انہیں سے یہی اثر دوبارہ دوسری سند سے منقول ہے۔

اب کیا ہم عوامہ صاحب سے پوچھ سکتے ہیں کہ یہاں تو علی رضی اللہ عنہ کے پہلے اثر کے ساتھ ساتھ ہی دوسرا اثر دوسری سند سے منقول ہے پھر اس میں کاتب سے غلطی کیسے ہوگئ؟؟؟

ظاہر ہے کہ ہر معقول آدمی یہاں بھی سبقت نظر ہی کی بات کہے گا کہ سبقت نظر کے سبب ناسخ نے دوسرے اثر میں بھی پہلے اثر کا متن شامل کردیا۔ اور عوامہ صاحب نے بھی یہاں یہی کہا ہے۔

یہی بات ہم بھی تحت السرۃ کے مسئلہ میں کہتے ہیں ۔یعنی یہ کہ شیخ مرتضی الزبیدی کے نسخہ میں سبقت نظر کے سبب ناسخ سے ابراہیم نخعی کا اثر چھوٹ گیا اور اس کا آخری حصہ پہلی روایت سے مل گیا۔

اور شیخ عابد سندھی کے نسخہ میں دونوں روایت ہے لیکن پہلی روایت میں سبقت نظر سے ناسخ نے اگلی روایت کا آخری حصہ بھی شامل کردیا۔

اتفاق تو دیکھئے کہ کاتبوں نے ہاتھ باندھنے والی روایات میں جس طرح کی غلطی کی ہے ٹھیک اسی

طرح کی غلطی تراویح سے متعلق روایات میں بھی کی ہے۔

☆ چنانچہ ایک نسخہ میں جس طرح کاتب کی غلطی سے تحت السرۃ سے متعلق مرفوع حدیث کے بعد ابراہیم نخعی کا اثر غائب ہے ٹھیک اسی طرح ایک نسخہ میں کاتب کی غلطی سے تراویح سے متعلق علی رضی اللہ عنہ کے اثر کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اثر غائب ہے۔

☆ اور جس طرح ایک نسخہ میں ہاتھ باندھنے سے متعلق حدیث اور اثر دونوں موجود ہیں لیکن کاتب کی غلطی سے اثر کا متن، حدیث والی روایت کے متن میں شامل ہوگیا ہے۔

ٹھیک اسی طرح تراویح سے متعلق ایک نسخہ میں علی اور عمر رضی اللہ عنہما دونوں کے آثار موجود ہیں مگر کاتب کی غلطی سے دوسرے اثر میں پہلے اثر کا متن شامل ہوگیا ہے۔

الغرض یہ کہ کاتبوں اور ناسخوں سے اس طرح کی غلطیاں ہوجاتی ہیں اور اس کی بہت ساری مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ہم نے صرف عوامہ صاحب ہی کے الفاظ میں ایک مثال پیش کی ہے۔اس طرح کی مزید مثالوں کے لئے ملاحظہ فرمائیں شیخ ارشاد الحق حفظہ اللہ کا مقالہ[حدیث اور اہل تقلید: ج ا ص ۴۲۸ تا ۴۳۱]

مزید عرض ہے کہ یہ نسخہ شیخ مرتضی الزبیدی کا ہے اور انہوں نے خود اس پر اعتماد نہیں کیا ہے۔

شیخ ارشاد الحق الاثری حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

((یہی نسخہ شیخ محمد مرتضی زبیدی صاحب التاج کے پاس تھا۔بلکہ جب وہ احیاء العلوم کی شرح لکھ رہے تھے تب بھی یہ نسخہ ان کے پیش نظر تھا اور اس نسخہ سے وہ آثار وغیرہ نقل کرتے ہیں بلکہ اس شرح کی (ج:۳،ص:۲۷۰) میں اس نسخہ کے ناسخ اور تاریخ نسخ کا ذکر بھی کرتے ہیں جیسا کہ مقدمہ کتاب(ص:۲۹) میں انہوں نے اس کی تفصیل ذکر کی ہے۔

۱۔ مگر قابل غور بلکہ حل طلب مسئلہ یہ ہے کہ علامہ مرتضٰی الزبیدی اسی احیاء العلوم کی شرح ''اتحاف السادۃ المتقین'' کی اسی تیسری جلد میں ہاتھ باندھنے سے متعلقہ بحث کے ضمن میں حنفی مسلک کی دلیل حضرت علی کی معروف روایت مسند احمد اور دارقطنی وغیرہ سے تو ذکر کرتے ہیں مگر ''المصنف'' کی یہ ''صحیح'' اور ''جید سند'' سے منقول ''روایت'' ذکر کیوں نہیں کرتے؟ ان کے الفاظ ہیں:

''دلیل ابی حنیفة ما رواہ احمد والدارقطنی والبیهقی عن علی.'' [اتحاف السادۃ : ج:۳، ص: ۳۷]۔

یہی نہیں بلکہ مسلک حنفی کی تائید میں انہوں نے ''عقود الجواہر المنیفہ'' کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔اس میں انہوں نے ''المصنف'' کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی ہے اس میں بھی انہوں نے ''المصنف'' کی یہ روایت ذکر نہیں کی۔آخر کیوں؟ ظاہر ہے کہ اگر ان کے نزدیک یہ روایت اسی طرح درست اور قابل اعتماد ہوتی تو اس کا ذکر کرتے، یہ اس بات کا قرینہ قویہ ہے کہ ''المصنف'' کے نسخہ میں اس روایت کے نقل میں مطمئن نہ

تھے۔علامہ قاسم کا اسی نسخہ سے روایت نقل کرنا تو قابل اعتماد ٹھہرے مگر علامہ الزبیدی کا اسے نظر انداز کر دینا اس کے نا قابل اعتماد ہونے کی دلیل کیوں نہیں؟

۲۔ بلکہ علامہ عینی جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس نسخہ میں کئی مقامات پر ان کے حواشی ہیں انہوں نے بھی صحیح بخاری کی شرح ''عمدۃ القاری'' میں اور ہدایہ کی شرح ''البنایہ'' میں اس روایت کو ذکر نہیں کیا۔ وہ حضرت علی کی ضعیف روایت کے دفاع کی کوشش تو کرتے ہیں لیکن کیا وجہ ہے ''المصنف'' کی ''سند جید'' سے اس روایت کو درخور اعتناء نہیں سمجھتے۔ کیا یہ قرینہ نہیں کہ علامہ عینی بھی اس سند اور متن پر مطمئن نہیں تھے؟))[حدیث اور اہل تقلید: ج اص ۴۳۶ تا ۴۳۷]

واضح رہے کہ شیخ مرتضی الزبیدی کا یہی نسخہ شیخ قاسم بن قطلو بغا حنفی کے دور میں تھا اور انہوں نے بھی اس سے اپنی کتاب میں ابن ابی شیبہ کی یہ روایت تحت السرۃ کی زیاتی کے ساتھ نقل کی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب یہ اصل نسخہ ہی غیر معتبر ہے اور اس میں کاتب نے غلطی کی ہے تو اس نسخہ سے شیخ قاسم کے نقل کرنے سے کوئی فرق پڑنے والا نہیں کیونکہ جہاں سے موصوف نے نقل کیا ہے وہیں پر غلطی ہے۔

یاد رہے کہ شیخ قاسم بن قطلو بغا کو اس نسخہ کے علاوہ کوئی دوسرا نسخہ نصیب ہی نہیں ہوا، ورنہ وہ نسخوں کا اختلاف ضرور بتلاتے اور اس پر بحث کرتے جیسا کہ دیگر لوگوں نے کیا ہے۔

حیرت ہے کہ عوامہ صاحب نے خود اعتراف کیا ہے کہ شیخ قاسم بن قطلو بغا کے پیش نظر یہی نسخہ تھا اور انہوں نے اسی نسخہ سے یہ روایت نقل کی ہے۔ لیکن پھر بھی اس روایت پر حاشیہ آرائی فرماتے وقت موصوف نے قاسم بن قطلو بغا کے پیش نظر نسخہ کو علیحدہ نسخہ شمار کیا ہے۔اس کی مفصل تردید کے لئے ملاحظہ فرمائیں شیخ ارشاد الحق الاثری حفظہ اللہ کا مقالہ، دیکھئے:[حدیث اور اہل تقلید: ج اص ۴۳۲]

ایک خوش فہمی کا ازالہ:

ایک شخص نے بڑی خوش فہمی میں کہا کہ شیخ قاسم بن قطلو بغا نے جب یہ روایت اپنی کتاب میں نقل کی تو اس وقت کے کسی بھی عالم نے ان پر تعاقب نہیں کیا اور پھر اس پر ایک لمبا عرصہ گذرا اس بیچ بھی کسی نے ان کی تردید نہیں کی۔ اس سے پتہ چلا کہ مصنف کے نسخہ میں یہ لفظ ثابت ہے ورنہ قاسم پر تعاقب کیا جاتا۔
عرض ہے کہ:

اولا:۔۔ یہ خوش فہمی ہی مضحکہ خیز ہے کہ فقہ حنفی کی اس کتاب کو بہت سارے اہل علم نے دیکھا ہوگا۔ بھائی یہ لوح محفوظ سے نازل شدہ قرآن مجید ہے یا اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے کہ وجود میں آتے

ہی پوری دنیا میں عام ہو جائے؟ یہ ایک متعصب حنفی کی فقہ حنفی کی ایک کتاب کی تخریج ہے بھلا دنیا کے دیگر اہل علم کو اس سے کیا سروکار؟

دیگر اہل علم تو دور کی بات خود علمائے احناف ہی کے درمیان اس کتاب کا عام ہونا ثابت نہیں ہے۔عصر حاضر میں جن صاحب نے اس کتاب کی تحقیق کی ہے انہیں بھی اس بدنصیب کتاب کے صرف دو ہی نسخے مل سکے۔اس سے تو اندازہ ہوتا ہے کہ خود احناف کی نظروں سے بھی یہ کتاب مخفی ومحروم رہی ہے دیگر علماء کی اس پر نظر عنایت تو بہت دور کی بات ہے۔

دیگر علماء کو جانے دیں خود احناف ہی سے ثابت کریں کہ قاسم بن قطلو بغا کی اس عبارت کو کتنے احناف نے پڑھا اور اسے عام کیا؟ قاسم بن قطلو بغا کے بعد بھی حنفی علماء نے اس مسئلہ پر کئی نسلوں تک بات کی ہے لیکن کسی بھی حنفی نے قاسم بن قطلو بغا کی اس گمنام کتاب کی عبارت نقل کی؟

اگر اس کتاب کی عبارت دوسرے احناف کے ذریعہ بھی نقل کی گئی ہوتی اور اسے عام کیا گیا ہوتا تو بے شک اہل علم اس کی تردید کرتے۔چنانچہ ماضی قریب میں جب اس کتاب کی اس عبارت کو عام کیا جانے لگا تو اس کی تردید بھی ہونے لگی بلکہ سب سے پہلے خود حنفی علماء ہی نے اس کی تردید کی ہے جیسا کہ حوالے گذر چکے ہیں۔

ثانیا:- یہ بھی تو ممکن ہے جن کی نظر اس عبارت پر پڑی ہو انہوں نے بھی اسے واضح طور پر غلط ہونے اور عام نہ ہونے کے سبب نظر انداز کر دیا ہو جیسا کہ خود شیخ مرتضی الزبیدی ہی کا معاملہ ہے جن کے نسخہ سے یہ عبارت نقل کی گئی ہے یہ تو خود اس نسخہ کے مالک ہیں لیکن اس کے باوجود انہوں نے اس مسئلہ پر بات کرتے ہوئے اس روایت سے دلیل نہیں لی۔اسی طرح علامہ عینی نے اس نسخہ سے استفادہ کیا لیکن انہوں نے بھی اس مسئلہ پر بات کرتے ہوئے اس روایت سے دلیل نہیں لی اور ساتھ میں ان لوگوں نے اس نسخہ کی روایت پر رد بھی نہیں کیا،صاف ظاہر ہے ان لوگوں نے اس روایت کی غلطی کو واضح البطلان ہونے کے سبب نظر انداز کر دیا۔یہی معاملہ قاسم بن قطلو بغا کی عبارت کا بھی ہے۔

ثالثا:- ایک اور لطیفہ دیکھیں کہ فقہ حنفی ہی کی ایک کتاب میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی مرفوع حدیث نقل کی گئی ہے دیکھئے ہماری یہی کتاب ص:۲۶۰۔

اس حدیث کا پوری دنیا کی کسی بھی کتاب میں کوئی وجود نہیں ہے۔پھر بھی آج تک کسی بھی غیر حنفی

نے اس کتاب میں منقول اس حدیث پر تنقید نہیں کی! تو کیا یہ سمجھ لیا جائے کہ یہ حدیث صحیح سند سے حدیث کی کتابوں میں ثابت تھی اس لئے اس پر رد کرنے کی جرأت کوئی نہیں کرسکا؟

صاف ظاہر ہے کہ اس معدوم السند روایت کا بطلان اس قدر واضح تھا کہ کسی نے اس کا رد کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی اور احناف بھی اس مسئلہ پر بات کرتے ہوئے اسے نظر انداز کرتے رہے مگر کسی نے اس پر تنقید بھی نہیں کیا۔

البتہ ماضی قریب میں جب شیخ محمد ہاشم ٹھٹھوی نے اس حدیث کو دہرایا تو خود حنفی عالم شیخ محمد حیاۃ سندھی نے ہی فوراً کہہ دیا یہ روایت عدیم السند ہے دیکھئے:[درة :ص٦٦ المطبوع مع درهم الصرة]

رابعا:۔بطور الزام عرض ہے کہ احناف ہی میں سے علامہ عبدالحق دہلوی نے اپنی کتاب ''**شرح سفر السعادة**'' میں ترمذی کے حوالے سے ہلب الطائی رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے اور اس میں سینے پر ہاتھ باندھنے کے الفاظ بھی نقل کیے ہیں۔ دیکھیے :[شرح سفر السعادت: ص:٤٤ بحوالہ نماز میں ہاتھ کہاں باندھیں:ص:۴۱، نیز دیکھئے:درج الدررفی وضع الأیدی علی الصدر:ص٦٥،٦٦ قلمی]

حالانکہ ترمذی کے کسی بھی دستیاب نسخہ میں اس حدیث کے اندر سینے پر ہاتھ باندھنے والے الفاظ نہیں ہے۔

اور یہ بات نقل کیے ہوئے بہت بڑا عرصہ بیت گیا اور آج تک کسی نے اس کا رد نہیں کیا ہے حالانکہ ترمذی کے حوالے سے یہ بات لکھنے والے ہندوستان سے تعلق رکھتے تھے اور ہندوستان میں اہل حدیث اور احناف کے بیچ جو مسلکی منافرت ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ لیکن اس کے باوجود بھی آج تک کسی بھی حنفی نے اس کی تردید نہیں کی۔

تو کیا یہ سمجھ لیا جائے کہ سنن ترمذی میں یہ حدیث انہیں الفاظ کے ساتھ ثابت ہے؟ فما کان جوابکم فھو جوابنا۔ الغرض یہ کہ شیخ قاسم بن قطلو بغا کا حوالہ بھی بے سود ہے۔

❁ عوامہ صاحب آگے لکھتے ہیں:

''**ومع من زاد علم و اثبات وحجة ،فماذا مع النافی؟!**''

''اور جس نے زیادتی کی ہے اس کے ساتھ علم اور اثبات اور حجت ہے تو نفی کرنے والے کے پاس کیا ہے؟!'' [مصنف ابن ابی شیبہ :ج ٣ ص ٣٢٠،مقدمة : بتحقیق عوامه]

ہم کہتے ہیں کہ زیادتی کرنے والے نے اثبات تو کیا ہے یعنی تحت السرۃ کا اضافہ کیا ہے لیکن

اس کے پاس علم اور حجت ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔اور نہ ہی عوامہ صاحب کے پاس کوئی دلیل ہے۔
غالباً عوامہ صاحب یہاں اس اصول کو اپلائی کرنا چاہتے ہیں کہ ثقہ کی زیادتی قبول ہوتی ہے جیسا کہ ان ہی کے پیش رولوگوں نے بھی یہ بات کہی ہے اس سلسلے میں عرض ہے کہ:

اولا:- عوامہ صاحب ہی کے حوالے سے پہلے نقل کیا جا چکا ہے ان کے پیش نظر ایک نسخہ میں تراویح ہی سے متعلق علی رضی اللہ عنہ کا اثر دوسری سند سے دوبارہ منقول ہے۔یعنی اس نسخہ میں یہ زیادتی ہے اور بقیہ نسخوں میں اس کا ذکر نہیں ہے۔لیکن عوامہ صاحب نے یہاں پر یہ اصول اپلائی کر کے یہ زیادتی قبول نہیں کی بلکہ اس دوسری سند والے اثر کو غلط قرار دیا اور کہا کہ یہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی کا اثر ہے نہ کہ علی رضی اللہ عنہ کا۔اور اس غلطی کی وجہ کاتب کی سبقت نظر ہے۔
ہم کہتے ہیں کہ تحت السرۃ کے مسئلہ میں بھی کاتب سے سبقت نظر کی غلطی ہوئی ہے اس لئے یہاں بھی یہ اصول فٹ نہیں ہوگا۔

ثانیا:- حدیث کے عام طلباء بھی جانتے ہیں کہ زیادتی ''ثقہ راوی'' کی قبول ہوتی ہے اور جن نسخوں میں یہ زیادتی ہے ان کے ناسخوں کا ثقہ ہونا معلوم نہیں ہے۔بلکہ خود عوامہ نے بھی ان نسخوں کو غیر مستند قرار دیا ہے۔ایسی صورت میں اس اصول کی رٹ لگانا کیا معنی رکھتا ہے۔
اگر غیر مستند نسخوں میں بھی ایسا اضافہ ہوتا جس کی تائید متن کے بقیہ حصہ سے یا دیگر طرق سے ہوتی تو اسے قبول کیا جا سکتا تھا لیکن یہاں ایسا کوئی معاملہ نہیں۔

ثالثا:- مجہول راوی کی زیادتی تو درکنار ثقہ راوی کی زیادتی بھی علی الاطلاق قبول نہیں ہوتی ہے بلکہ قرائن دیکھ کر فیصلہ کیا جاتا ہے۔اور یہاں قرائن یہی بتلاتے ہیں کہ کاتب کی غلطی سے تحت السرۃ کا اضافہ ہوا ہے۔لہذا اگر یہ اضافہ ثقہ کاتب سے ہوا ہوتا تو بھی ناقابل قبول ہوتا چہ جائے کہ یہ اضافہ یہاں مجہول کاتبوں نے کیا ہے۔
رابعا:- یہ روایت دیگر محدثین نے بھی اپنی اپنی سند سے اسی متن کے ساتھ ذکر کی ہے۔اور کسی نے بھی اس روایت میں تحت السرۃ کا اضافہ نقل نہیں کیا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مصنف ابن ابی

شیبہ میں بھی یہ روایت اسی طرح ہونی چاہئے۔
شیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

((ہم عرض کرتے ہیں امام وکیع کی اس سند سے یہ روایت مسند امام احمد (ج:۴،ص:۳۱۶)، سنن دار قطنی (ج:۱، ص:۲۸۶) اور شرح السنۃ للبغوی (ج:۳،ص:۳۰) میں "تحت السرۃ" کے بغیر ہے۔ امام وکیع کے معاصر امام عبد اللہ بن مبارک نے بھی یہ روایت موسیٰ بن عمیر سے اس زیادتی کے بغیر بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو نسائی (ج:۱،ص:۱۰۵) السنن الکبریٰ لہ ایضاً التمہید (ج:۲۰،ص:۷۲)، امام وکیع کے تیسرے معاصر امام ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ فضل بن دکین بھی اسے بغیر زیادتی کے روایت کرتے ہیں ملاحظہ ہو: التمہید (ج:۲۰،ص:۷۲)، السنن الکبریٰ للبیہقی (ج:۲،ص:۲۸) المعجم الکبیر للطبرانی (ج:۲۲،ص:۹) تہذیب الکمال للمزی (ج:۱۱،ص:۴۹۹) ترجمہ موسیٰ بن عمیر۔

یہی وجہ ہے کہ حنفی مسلک کے معروف وکیل علامہ نیموی نے التعلیق الحسن میں اس اضافہ کو غیر محفوظ قرار دیا ہے چنانچہ پہلے انہوں نے اس کے بارے میں حافظ قاسم بن قطلو بغا، علامہ ابو الطیب المدنی اور شیخ عابد سندھی کے حوالے سے لکھا ہے انہوں نے اسے **سند جید، رجالہ ثقات** قرار دیا ہے۔ پھر علامہ محمد حیات سندھی کا موقف بیان کیا ہے کہ یہ زیادتی کاتب کی غلطی کا کرشمہ ہے اس کے بعد جواب میں علامہ قائم سندھی کو **فوز الکرام** سے علامہ حیات سندھی کی تردید نقل کی ہے کہ یہ زیادتی صحیح ہے۔ یہ ساری تفصیل بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

" الانصاف ان هذه الزيادة وان كانت صحيحة لوجودها فى اكثر النسخ من المصنف لكنها مخالفة الروايات الثقات فكانت غير محفوظة"[التعليق الحسن: ص: ۷۱ ط ملتان]۔

انصاف کی بات یہ ہے کہ زیادتی اگرچہ "المصنف" کے اکثر نسخوں میں ہونے کی وجہ سے صحیح ہے لیکن یہ زیادتی ثقات کی روایات کے مخالف ہے اس لئے غیر محفوظ ہے۔ "اکثر نسخوں" کی بات تو ان شاء اللہ ہم بعد میں کریں گے۔ یہاں ہمیں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ علامہ نیموی اس زیادتی کو غیر محفوظ قرار دیتے ہیں اور وہ علامہ قاسم وغیرہ کے ہمنوا نہیں ہیں کہ اسے بطور استدلال پیش کیا جائے۔

بلکہ مولانا بدر عالم نے فیض الباری کے حاشیہ میں علامہ نیموی کا یہی موقف ان کی ایک دوسری کتاب **" الدرة النصرة فى وضع اليدين تحت السرة"** سے نقل کیا ہے کہ علامہ موصوف شیخ قاسم اور شیخ عابد سندھی اور علامہ ابو الطیب المدنی کے موقف کے برعکس اس روایت کی توثیق پر مطمئن نہیں ان کے الفاظ ہیں:

لم يترض به العلامه ظهير احسن رحمه الله تعالىٰ وذهب الىٰ ان " تلك الزيادة معلولة" [حاشية فيض البارى: ج:۲، ص: ۲۶۷]۔

"علامہ ظہیر احسن نیموی رحمۃ اللہ علیہ اس کی توثیق پر راضی نہیں، وہ اس طرف گئے ہیں کہ یہ زیادتی معلول ہے۔"

ظاہر ہے کہ امام وکیع اور ان کے دوسرے معاصرین کی روایات ذخیرہ کتب احادیث میں موجود ہیں اور ان میں **" تحت السرة"** کے الفاظ نہیں ہیں۔ المصنف کے کئی نسخوں میں بھی یہ اضافہ نہیں ہے اب یہ علم و دیانت کی کون سی معراج ہے کہ "نا قابل اعتماد" اور "غلط نسخوں" کی بنا پر اسے صحیح قرار دیا جائے اور دوسرے نسخہ میں

ابراہیم نخعی کے اثر کا ساقط ہونا بھی انہوں نے تسلیم کیا۔ جیسا کہ پہلے ضروری وضاحت گزر چکی ہے۔
رہی علامہ نیموی کی یہ بات کہ المصنف کے "اکثر" نسخوں میں یہ زیادتی پائی جاتی ہے۔ تو یہ بات دراصل انہوں نے پہلے علامہ قائم سندھی کے رسالہ فوز الکرام کے حوالے سے نقل کی ہے، اور اسی تناظر میں انہوں نے اکثر نسخوں میں اس کے وجود کا ذکر کیا ہے۔ خود انہوں نے کسی نسخہ کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ "الدرۃ الضرۃ" میں مکتبہ محمودیہ کا نام انہوں نے لیا ہے کہ اس کے نسخہ میں یہ زیادتی موجود ہے۔ اور یہ وہی نسخہ ہے جسے شیخ عوامہ " **لا للاعتماد علیها**" کہہ کر نا قابل اعتماد قرار دیتے ہیں۔
فوز الکرام کا نسخہ پیر جھنڈا کے مکتبہ میں راقم کی نظر سے گزرا ہے، اور اس کی ایک نقل راقم کے پاس بحمد للہ موجود ہے۔ اس کے حوالے سے علامہ نیموی نے جو نقل کیا وہ عبارت اس وقت بھی پیش نظر ہے۔ جس میں شیخ قائم نے شیخ عبد القادر مفتی مکہ مکرمہ کے نسخہ اور شیخ قاسم کا " **التصرف والاخبار بتخريج احاديث الاختيار**" میں اس روایت کو نقل کرنے کا ذکر ہے۔ اب بتلایئے کہ یہ "دو نسخے" کیوں کر بن گئے۔ ان دونوں نسخوں کے حوالے سے یہ بات بھی پہلے گزر چکی ہے اور شیخ قاسم کا نسخہ ہی ناقص ہے۔ اس پر اعتماد چہ معنی دارد؟
اس کے برعکس علامہ انور شاہ کشمیری مرحوم علامہ حیات سندھی کا موقف بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:
"**ولا عجب ان يكون كذلك فاني راجعت ثلاث نسخ للمصنف فما وجدته في واحدة منها**" [فیض الباری: ج: ۲، ص: ۲۶۷]۔
یعنی کوئی تعجب نہیں کہ بات اسی طرح ہو جیسے علامہ حیات سندھی نے کہی ہے۔ خود میں نے المصنف کے تین نسخے دیکھے ہیں ان میں سے کسی ایک میں بھی میں نے اس (تحت السرۃ) کو نہیں پایا۔ علامہ کشمیری نے ان تین نسخوں کی وضاحت نہیں کی کہ وہ کن مکتبات میں تھے۔ لیکن دو کے مقابلے میں یہ بہر حال تین ہیں، اور شیخ عوامہ نے المصنف (ج:۳ص:۳۲۱) کے حاشیہ میں تسلیم کیا ہے کہ چار نسخوں میں یہ زیادتی نہیں ہے۔))
دیکھیے: [حدیث اور اہل تقلید: ج اص ۴۳۷ تا ۴۳۹]

بعض لوگ کہتے ہیں مسند احمد میں ہلب الطائی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں سینے پر ہاتھ باندھنے کا جو اضافہ ہے۔ یہ اضافہ بھی دیگر کتب میں منقول اس حدیث میں نہیں ہے۔
عرض ہے کہ مسند احمد پر اس پہلو سے اعتراض درست نہیں ہے کیونکہ مسند احمد کے نسخوں میں اس اضافہ کے تعلق سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ مسند احمد میں امام احمد رحمہ اللہ ہی کے طریق سے ابن الجوزی وغیرہ نے بھی یہ روایت نقل کی ہے اور اس میں بھی سینے پر ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے لہٰذا مسند احمد کی روایت پر اس کو قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے۔
رہی بات یہ کہ مسند احمد والی روایت میں اوپر کے طبقات میں بعض رواۃ نے یہ حدیث بیان کی

ہے اور انہوں نے بھی سینے پر ہاتھ باندھنے کا ذکر نہیں کیا ہے تو عرض ہے کہ یہ رواۃ کا اختلاف ہے نسخوں کا نہیں نیز اس کا جواب بھی تفصیل سے گذر چکا ہے دیکھئے یہی کتاب ص: ۹۰ تا ۱۱۱۔

خامسا:- صحیح ابن خزیمہ میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ ہی سے سینے پر ہاتھ باندھنے کی روایت ثابت ہے۔ لہذا مصنف ابن ابی شیبہ میں انہیں کی روایت میں تحت السرۃ کا اضافہ ان کی ثابت شدہ روایت کے خلاف ہے۔ اور جب زیادتی میں مخالفت ہو تو وہ مردود ہوتی ہے خواہ ثقہ ہی کی طرف سے ہو۔ معلوم ہوا کہ زیادتِ ثقہ کا اصول یہاں پر کسی بھی صورت میں فٹ نہیں ہو سکتا۔

قارئین یہ تھے وہ دو نسخے جن کا عکس پیش کر کے عوامہ صاحب نے ''تحت السرۃ'' کا اضافہ کیا ہے۔

❁ آگے چل کر عوامہ صاحب نے مزید درج ذیل تین نسخوں کا حوالہ دیا ہے:

۱: نسخہ قاسم بن قطلو بغا۔ ۲: نسخہ مفتی عبدالقادر الصدیقی۔ ۳: نسخہ محمد اکرم السندی۔ [مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۳ ص ۳۲۰، مقدمۃ : بتحقیق عوامہ]

عرض ہے کہ نسخہ قاسم بن قطلو بغا تو وہی نسخہ زبیدی ہی ہے۔ جیسا کہ وضاحت کی جا چکی ہے۔ دیکھیں: ص ۳۶۲۔ بقیہ مؤخر الذکر دونوں نسخے مجہول ہیں، خود عوامہ صاحب نے بھی ان کا کوئی تعارف نہیں دیا ہے اس لئے یہ نا قابل اعتماد ہیں۔ مزید یہ کہ ان میں سے نسخہ عبدالقادر الصدیقی یہ نوعیت میں نسخہ عابد السندی جیسا ہے اس لئے ممکن ہے کہ یہ نسخہ عابد ہی سے منقول ہو۔ دیکھیں ص ۳۵۲۔

اسی طرح نسخہ محمد اکرم السندی یہ نوعیت میں نسخہ زبیدی جیسا ہے کیونکہ اس سے بھی اثر نخعی سرے سے ساقط ہے۔ [ترصیح الدرۃ :ص ۸۴، ۸۵] اس لئے ممکن ہے کہ یہ بھی نسخہ زبیدی ہی سے منقول ہو۔ ایسی صورت میں ان مؤخر الذکر دونوں نسخوں کی کوئی علیحدہ حیثیت رہ ہی نہیں جاتی۔

خلاصہ کلام یہ کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں احناف نے تحریف کر کے اس کی ایک حدیث میں ''تحت السرۃ'' بڑھا دیا۔

اور جب ان کی یہ چوری پکڑی گئی تو بے چارے ادھر ادھر کے سہارے تلاش کرنے لگے۔ اگر واقعتاً ان سہاروں میں کوئی دم ہوتا تو یہ لوگ اسی وقت یہ ساری باتیں پیش کرتے جب انہوں نے اس حدیث میں تبدیلی کی تھی لیکن تبدیلی کرتے وقت یہ خاموش رہے اور جب ان کی گرفت کی گئی تو بے بنیاد سہارے تلاش کرنے لگے۔

باب سوم

اقوال اہل علم

تابعین کے اقوال

احناف کو اپنے مسلک پر جب احادیث نہیں ملتیں تو یہ لوگ عوام کے بھولے پن سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تابعین کا قول پیش کر کے اسے احادیث کی فہرست میں گنا دیتے ہیں۔ حالانکہ تابعی کا قول وفعل بالاتفاق حجت شرعی نہیں ہے۔

بلکہ خود امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ وہ تابعین کے اقوال واعمال کو حجت نہیں مانتے تھے۔ چنانچہ:

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۶۳) نے کہا:

”حدثنا حکم بن منذر قال نا أبو یعقوب یوسف بن أحمد قال نا محمد بن موسی المروزی قال نا محمد بن عیسی البیاضی قال نا محمود بن خداش قال نا علی بن الحسن بن شقیق قال سمعت أبا حمزة السکری یقول سمعت أبا حنیفة یقول إذا جاء الحدیث الصحیح الإسناد عن النبی ﷺ أخذنا به ولم نعده وإذا جاء عن الصحابة تخیرنا وإن جاء عن التابعین زاحمناهم ولم نخرج عن أقوالهم“

”ابوحمزہ السکری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہ کو کہتے ہوئے سنا: جب اللہ کے نبی ﷺ سے صحیح سند سے کوئی حدیث مل جائے تو ہم اسی کو لیں گے اور اس کی مخالفت نہیں کریں گے اور جب صحابہ سے کوئی بات ملے تو ہم انتخاب کریں گے اور جب تابعین سے کوئی بات ملے تو ہم ان کی مزاحمت کریں گے البتہ ان کے اقوال سے نہیں نکلیں گے۔“ [الانتقاء لابن عبد البر: ص: ۱۴۴ رجاله ثقات سوی اثنین، وهما محمد بن موسی المروزی، لم أجد له ترجمة ـ وحکم بن منذر وهو أبو العاص حکم بن منذر بن سعید البَلُّوطی، لم أقف فیه علی جرح ولا تعدیل ـ وله شاهد عن مجهول فی تاریخ ابن معین، روایة الدوری: ۶۳/۴ وفی إسناده نظر، وفی آخر لفظه من قول سفیان کلمات منکرة بل باطلة ـ تفرد بها عبید بن أبی قرة من طریق ابن ضریس عن الثوری ـ وسائر تلامیذ الثوری متفقون علی نقل ذمه وطعنه علی أبی حنیفة ـ وعبید بن أبی قرة، قال عنه ابن حبان (الثقات: ۴۳۱/۸) ربما خالف ـ فلا یقبل منه هذا التفرد العجیب الذی ثبت خلافه عن الثوری بالنقل المتواتر]۔

اس روایت کے مطابق ابوحنیفہ صحیح احادیث اور اقوال صحابہ سے مزاحمت نہیں کرتے تھے یعنی انہیں حجت سمجھتے تھے لیکن تابعین کے اقوال کی مزاحمت کرتے تھے یعنی ان کے مقابلہ میں خود اجتہاد کرتے تھے

البتہ کوئی نیا قول ایجاد نہیں کرتے تھے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ تابعین کے اقوال کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔

ہماری نظر میں یہ روایت صحیح نہیں ہے لیکن احناف اس طرح کی سندوں سے ابوحنیفہ سے متعلق منسوب بات سے حجت پکڑتے ہیں اس لئے بطورالزام ہم نے یہ بات پیش کی ہے۔

اورلطف کی بات تو یہ ہے کہ یہ لوگ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو تابعی کہتے ہیں (جو کہ غلط ہے) لیکن اس فہرست میں ابوحنیفہ کا قول یا عمل بطوردلیل نہیں پیش کرتے۔

بہرحال چونکہ تابعین کے اقوال حجت نہیں ہیں اس لئے ان پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں پھر بھی قارئین کی تسلی کے لئے ان اقوال کی بھی وضاحت کئے دیتے ہیں:

تابعی ابومجلز رحمہ اللہ کا قول:

”حدثنا يزيد بن هارون ، قال: أخبرنا الحجاج بن حسان ، قال: سمعت أبا مجلز أو سألته ، قال: قلت: كيف أصنع ؟ قال: يضع باطن كف يمينه على ظاهر كف شماله ، ويجعلها أسفل من السرة“

”حجاج بن حسان کہتے ہیں کہ میں نے ابومجلز سے سنا یا ان سے پوچھا: میں کیسے کروں؟ توانہوں نے کہا: آدمی اپنے دائیں ہتھیلی کے اندرونی حصہ کو بائیں ہتھیلی کے اوپر رکھے اوراسے ناف کے نیچے رکھے۔“ [مصنف ابن أبي شيبة۔سلفية: ١/٣٩٠]۔

عرض ہے کہ یہ ایک تابعی کا قول ہے جو بالاتفاق حجت نہیں۔ نیز دیگر تابعین سے اس کے برعکس ناف کے اوپر ہاتھ باندھنے کی صراحت منقول ہے۔جیسا کہ آگے روایت آرہی ہے۔

بلکہ خود ابومجلز سے بھی ناف کے اوپر ہاتھ باندھنے کی بات منقول ہے چنانچہ امام بیہقی تابعی سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے ناف کے اوپر ہاتھ باندھنے کا قول نقل کرنے کے بعد اسی سند سے امام عطاء کا قول نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”وكذلك قاله أبو مجلز لاحق بن حميد وأصح أثر روى فى هذا الباب أثر

سعيد بن جبير و أبى مجلز"

"(امام عطاء نے فرمایا) اور اسی طرح ابومجلز لاحق بن حمید نے کہا ہے اور اس بارے میں سب سے صحیح سعید بن جبیر اور ابومجلز کا قول ہے۔" [السنن الكبرى للبيهقي: ٤٧/٢]۔

یہ مقولہ امام عطاء ہی کا جو ماقبل کی سند سے جڑا ہے لہذا ابن الترکمانی کا اسے بے سند کا کہنا درست نہیں ابن الترکمانی پر رد کے لئے دیکھئے: [درج الدررفي وضع الايدى على الصدر: ص ٦١ قلمى]

تابعی ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول:

"حدثنا وكيع ، عن ربيع ، عن أبى معشر ، عن إبراهيم ، قال: يضع يمينه على شماله في الصلاة تحت السرة"

"ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: آدمی نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر ناف کے نیچے رکھے۔" [مصنف ابن أبي شيبة ـ سلفية: ٣٩٠/١ واخرجه محمد بن الحسن الشيباني في الآثار: ٣٢٢/١ من طريق ربيع بن صبيح به]۔

عرض ہے کہ یہ ابراہیم نخعی سے ثابت ہی نہیں کیونکہ اس کی سند میں ربیع بن صبیح ہے بعض نے اسے ثقہ کہا ہے لیکن بعض نے اس پر جرح بھی کی ہے چنانچہ:

امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۰) نے کہا:

"كان ضعيفا في الحديث"

"یہ حدیث میں ضعیف تھا۔" [الطبقات الكبرى ط دار صادر: ٢٧٧/٧]۔

بلکہ حافظ یعقوب بن شیبۃ (المتوفی: ۲۶۲) نے دیانت کے اعتبار سے اسے ثقہ کہنے کے بعد روایت کے معاملہ میں کہا:

"ضعيف جدا"

"یہ سخت ضعیف ہے۔" [تهذيب الكمال للمزي: ٩٣/٩ ونقله من يعقوب]۔

نیز ابومعشر ہی کے طریق سے مغیرہ نے اس سلسلے میں ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے صرف ہاتھ باندھنے کی

بات نقل کی ہے اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ چنانچہ:

”حدثنا جرير، عن مغيرة، عن أبي معشر، عن إبراهيم قال: لا بأس بأن يضع اليمنى على اليسرى في الصلاة“

”ابراہیم نخعی نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں کہ نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا جائے۔“ [مصنف ابن أبي شيبة، ت الحوت: ۱/۳٤۳]۔

اس کے رجال ثقہ ہیں البتہ مغیرہ مدلس ہیں۔ اور روایت عن سے ہے۔ لیکن ربیع بن صبیح نے ان الفاظ میں ان کی متابعت کی ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ ابراہیم نخعی کے ان الفاظ کی اصل ہے۔ مگر تحت السرہ کی زیادتی میں ربیع بن صبیح کا کوئی متابع نہیں ہے۔ لہٰذا ان کے ضعف کے پیش نظر ان کی یہ زیادتی نا قابل قبول ہے۔

ان تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے تحت السرۃ کی بات ثابت نہیں ہے اسی لئے امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے کہا:

”وروى ذلك عن علي وأبي هريرة والنخعي ولا يثبت ذلك عنهم“

”اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی بات علی، ابوہریرہ رضی اللہ عنہما اور ابراہیم نخعی سے منقول ہے لیکن یہ بات ان لوگوں سے ثابت نہیں ہے۔“ [التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد: ۲۰/۷۵]۔

یاد رہے کہ ابراہیم نخعی سے ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنے کی بات بھی منقول ہے مگر یہ بھی ثابت نہیں:

”حدثنا هشيم، عن يونس، عن الحسن، ومغيرة، عن إبراهيم، أنهما كانا يرسلان أيديهما في الصلاة“

”حسن بصری اور ابراہیم نخعی سے منقول ہے کہ یہ دونوں حضرات نماز میں ہاتھ چھوڑے رکھتے تھے۔“ [مصنف ابن أبي شيبة، ت الحوت: ۱/۳٤٤]۔

اس سند میں ھشیم اور مغیرہ کا عنعنہ ہے اور یہ دونوں مدلس ہیں لہٰذا یہ روایت بھی ثابت نہیں۔

تابعی سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا قول:

مذکورہ آثار کے برخلاف تابعی سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے کی بات کہی ہے چنانچہ:

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ (المتوفی:۲۱۱) نے کہا:

''أنا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: وَأنا أَبُو الزُّبَيْرِ، قَالَ: قَالَ لِي عَطَاءُ بْنُ أَبِي رَبَاحٍ: سُئِلَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ: أَيْنَ مَوْضِعُ الْيَدَيْنِ فِي الصَّلَاةِ؟ فَقَالَ: فَوْقَ السُّرَّةِ''

''سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ نماز میں ہاتھ کہاں ہو؟ تو انہوں نے کہا: ناف کے اوپر۔'' [الأمالي في آثار الصحابة لعبد الرزاق الصنعاني:ص:٥٢،فوائد ابن منده :ج:٢،ص:٢٣٤ و اسناده صحيح]۔

خلاصہ یہ کہ تابعین کے اقوال حجت نہیں ہیں بالخصوص جب کہ وہ احادیث اورآ ثارصحابہ کے خلاف ہوں۔

اوراس سلسلے میں تابعین کےاقوال مختلف ہیں۔تابعی سعید بن جبیر سے ناف کےاوپر ہاتھ باندھنے کا قول مروی ہے۔اورابومجلز سے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا قول مروی ہے مگرانہیں سے اس کے خلاف بھی مروی ہے۔اورابراہیم نخعی سے مروی کسی بھی قول کی سند صحیح نہیں ہے۔

ائمہ اربعہ کے اقوال

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ:

ائمہ اربعہ میں صرف اورصرف امام ابوحنیفہ ہی سے صرف ایک ہی قول مروی ہےاوروہ یہ کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھے جائیں اس کے برخلاف تینوں ائمہ امام مالک،امام شافعی اورامام احمد رحمہم اللہ سے اس بارے میں مختلف اقوال مروی ہیں جن میں سے ایک قول سینے پر ہاتھ باندھنا بھی ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ:

امام مالک رحمہ اللہ سے ارسال کا قول مروی ہے یعنی ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنا مگر دیگر مالکیہ نے امام مالک کی طرف اس کی نسبت کو غلط قرار دیا ہے اور امام مالک کا صحیح قول یہ بتلایا ہے کہ وہ بھی ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں۔ دیکھئے: [هيئة الناسك فى أن القبض فى الصلاة هو مذهب الإمام مالك]۔ نیز دیکھئے اس موضوع پر دیگر کتابیں۔

اور اس سلسلے میں ایک دلیل یہ دی گئی ہے کہ انہوں نے مؤطا میں سہل بن سعد الساعدی کی حدیث نقل کی ہے جس میں ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے۔ یہ حدیث پیچھے گذر چکی ہے دیکھئے: ص۵۴۔

غرض کہ سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے سینے پر ہاتھ باندھنا ثابت ہوتا ہے جیسا کہ وضاحت کی جا چکی ہے دیکھیں: ص۵۵ تا ۵۶۔

لہٰذا اگر امام مالک رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اپنایا تو اس حدیث کی رو سے امام مالک کا قول بھی سینے پر ہاتھ باندھنے ہی کا ہے۔ نیز دیکھیں [درج الدرر فی وضع الایدی علی الصدر: ص۱۲ قلمی]

نیز امام مالک سے تحت الصدر کا قول بھی مروی ہے۔ [فتح الغفور فى وضع الأيدى على الصدور: ص: ۹۱ بتحقيق اعظمى ، هيئة الناسك: ص: ۱۳۸]۔ اور اس سے مراد سینہ کا اوپری حصہ ہے دریں صورت سینے کا نچلا حصہ بھی سینہ ہی ہوگا۔ چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ سے بھی تحت الصدر کا قول مروی ہے اور انہیں سے علی الصدر یعنی سینے پر ہاتھ باندھنے کا قول بھی مروی ہے کما سیاتی۔ اور اس دوسرے یعنی علی الصدر والے قول سے، پہلے قول یعنی تحت الصدر کی تشریح ہو جاتی ہے کہ اس سے مراد سینے کے نچلے حصہ پر یعنی سینے پر ہی ہاتھ باندھنا ہے۔ یہی معاملہ امام مالک کے قول کا بھی ہے۔ نیز دیکھیں: ص۳۷۶۔

امام شافعی رحمہ اللہ:

امام شافعی رحمہ اللہ سے پوری صراحت کے ساتھ سینے پر ہاتھ باندھنے کا قول مروی ہے چنانچہ:

”قال: ((ووضع اليمين على اليسار على الصدر)) لماروى ابن خزيمه فى صحيحه عن وائل بن حجر قال: رايت النبى ﷺ يصلى ، فوضع يده اليمنى على يده اليسرى على صدره“

”امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ ((دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر سینے پر رکھے جائیں)) کیونکہ ابن خزیمہ

نے اپنی صحیح میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا انہوں نے کہا: میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینے پر رکھا۔" [شرح مختصر التبریزی علی مذهب الإمام الشافعی:ص:۹۲]۔

نیز غور کریں کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے قول پر بطور دلیل وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی جو حدیث نقل کی گئی ہے اس میں بھی پوری طرح سینے پر ہاتھ باندھنے کی صراحت ہے۔

علاوہ بریں احناف کی معتبر کتابوں میں بھی پوری صراحت کے ساتھ سینے پر ہاتھ باندھنے کا قول امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ دیکھئے: [الهداية فی شرح بداية المبتدی : ۴۹/۱]۔ نیز دیکھیں: درس ترمذی ۱۹/۲۔

بعض لوگوں نے امام شافعی سے تحت الصدر کا قول نقل کیا ہے۔ عرض ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ سے علی الصدر کی صراحت آجانے کے بعد تحت الصدر کا مفہوم یہی ہوگا کہ اس سے سینہ کا اوپری حصہ مراد لے کر کہا گیا ہے کہ اس کے نیچے ہاتھ رکھے جائیں۔ اس صورت میں نچلا حصہ بھی سینہ ہی ہوگا لہٰذا دونوں قول میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

شیخ ہاشم ٹھٹوی حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وأجاب عنه بعض متاخری الشافعية كالمحلی فی شرح المنهاج وابن حجر المكی فی شرح العباب بان المراد من الصدر فی قول الشافعية تحت الصدر اعلاه ،وفی حديث وائل الذی فيه لفظ علی صدره اسفله"

"اور "تحت الصدر" اور "علی الصدر" کے اختلاف سے متعلق بعض متاخرین شوافع مثلاً محلی نے شرح المنهاج اور ابن حجر مکی نے شرح العباب میں یہ جواب دیا ہے کہ شافعیہ کے قول **"تحت الصدر"** میں صدر سے مراد سینے کا اوپری حصہ ہے اور وائل رضی اللہ عنہ کی جس حدیث میں **"علی صدره"** کا لفظ ہے اس سے مراد سینے کا نچلا حصہ ہے۔" [درهم الصره فی وضع اليدين تحت السرة:ص۴۷]

عرض ہے کہ اس کی تائید سھل بن سعد رضی اللہ عنہ کی ذراع والی (دیکھیے: ص۵۴) اور وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی ہتھیلی، کلائی اور بازو والی (دیکھیے: ص۵۸) حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ ان احادیث پر عمل سے ہاتھ سینے کے نچلے حصہ پر ہی رہتا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ:

امام احمد رحمہ اللہ سے اس سلسلے میں وسعت کی بات منقول ہے یعنی کہیں پر بھی ہاتھ رکھے جائیں سب جائز ہے۔

لیکن ان کا عمل ناف کے اوپر ہاتھ باندھنے ہی کا ہے جیسا کہ ان کے بیٹے امام عبداللہ نے نقل کیا:

”رأیت ابی اذا صلی وضع یدیه احدهما علی الاخری فوق السرة“

”میں نے اپنے والد کو دیکھا جب وہ نماز پڑھتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھ میں سے ایک کو دوسرے پر رکھ کر ناف کے اوپر رکھتے تھے۔“ [مسائل أحمد، رواية عبد الله، ت زهير: ص:٧٢]۔

لیکن امام احمد رحمہ اللہ ہی سے بعض لوگوں نے یہ نقل کیا ہے کہ آپ نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کو مکروہ سمجھتے تھے کیونکہ حدیث میں ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تکفیر سے منع کیا ہے۔ چنانچہ:

امام ابن قیم رحمہ اللہ (المتوفی:٧٥١) نے کہا:

”قال فی روایة المزنی أسفل السرة بقلیل ویکره أن یجعلهما علی الصدر وذلک لما روی عن النبی أنه نهی عن التکفیر وهو وضع الید علی الصدر“

”امام احمد رحمہ اللہ نے مزنی کی روایت کے مطابق کہا کہ ناف سے تھوڑا نیچے ہاتھ رکھے جائیں اور امام احمد اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ سینے پر ہاتھ رکھے جائیں کیونکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے تکفیر سے منع کیا ہے اور تکفیر سینے پر ہاتھ رکھنا ہے۔“ [بدائع الفوائد لابن القیم : ٦٠١/٣]۔ نیز دیکھیں: [مسائل أحمد رواية أبي داؤد السجستاني: ص: ٤٨]۔

یعنی امام احمد رحمہ اللہ کی طرف سے کراہیت کی وجہ یہ بتلائی گئی ہے کہ حدیث میں تکفیر سے منع کیا گیا ہے اور تکفیر کا مطلب سینے پر ہاتھ باندھنا ہے۔ عرض ہے کہ:

اولاً:- جس حدیث کی بنیاد پر یہ بات کہی گئی ہے وہ ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا اصل حدیث ثابت نہ ہونے کے سبب اس سے مستدل مسئلہ بھی غیر معتبر ہے۔

ثانیاً:- اگر اس حدیث کو ثابت مان لیں تو بھی اس میں یہ صراحت نہیں ہے کہ ایسا نماز کی حالت میں اور اللہ کے لئے بھی ممنوع ہے۔ چنانچہ بعض چیزیں نماز کے باہر غیر اللہ کے لئے ممنوع ہوتی ہیں لیکن نماز

کے اندر اللہ کے لئے جائز ہوتی ہیں مثلاً نماز سے باہر کسی کے لئے تعظیمی قیام کرنا جائز نہیں ہے لیکن نماز کے اندر اللہ کے لئے تعظیمی قیام کرنا جائز ہے بلکہ نماز کے فرائض میں سے ہے۔

ثالثاً:۔تکفیر کا معنی صرف سینے پر ہاتھ باندھنا نہیں بلکہ سینے پر ہاتھ باندھ کر کسی کے لئے جھکنے کو تکفیر کہتے ہیں، چنانچہ:(المعجم الوسیط) میں ہے:

”(كفر) لسَيِّده انحنى وَوضع يَده على صَدره وطأطأ رَأسه كالركوع تَعْظِيمًا لَه“

”اس نے اپنے آقا کے لئے کفر کیا یعنی اس کی تعظیم میں اپنے ہاتھ کو سینے پر رکھ کر اپنے سر کو جھکایا رکوع کی طرح۔“[المعجم الوسیط:ج:۲،ص:۷۹۱،۷۹۲]۔

اور نماز میں سینے پر ہاتھ باندھتے وقت نمازی کی یہ کیفیت نہیں ہوتی ہے نیز نماز میں یہ عمل غیر اللہ کے لئے بھی نہیں ہوتا ہے۔

ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ نہی تکفیر والی حدیث اولاً ثابت نہیں ہے نیز نماز سے بھی اس کا کوئی تعلق نہیں ہے لہٰذا اس کی بنیاد پر امام احمد رحمہ اللہ کا نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کو مکروہ قرار دینا غیر مسموع ہے۔

بلکہ ممکن ہے کہ امام احمد نے بھی بعد میں اس سے رجوع کرلیا ہو اور سینے پر ہاتھ باندھنے کے قائل ہو گئے ہوں جیسا کہ شیخ محمد حیاۃ حنفی سندھی نے امام احمد رحمہ اللہ سے بھی سینے پر ہاتھ باندھنے کا موقف نقل کیا ہے۔دیکھئے:[فتح الغفور، نسخة مكتبة مشكاة الإسلامية: ص:٤١]۔

اسی طرح شیخ عبدالحق نے بھی ”شرح سفر السعادہ“ میں امام احمد سے سینے پر ہاتھ باندھنے کا قول نقل کیا ہے دیکھئے:[درج الدرر في وضع الأيدي على الصدر:ص ٨١ قلمي]

اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں ھلب الطائی رضی اللہ عنہ کی حدیث درج کی ہے جس میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی صراحت ہے۔دیکھئے:ص ۸۲۔

واضح رہے کہ امام ابن القیم رحمہ اللہ نے امام احمد سے یہ قول نقل کرنے کے بعد صحیح ابن خزیمہ والی حدیث میں مؤمل کے تفرد پر کلام کیا ہے۔

عرض ہے کہ ہم اس اعتراض کا مفصل جواب دے چکے ہیں۔دیکھئے:ص ۱۶۱ تا ۱۶۵۔

نیز خود امام ابن القیم اپنی دوسری کتاب میں اللہ کے نبی ﷺ کی نماز کی کیفیت بتاتے ہوئے کہا:

"ثم كان يمسك شماله بيمينه فيضعها عليها فوق المفصل ثم يضعها على صدره"

''پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں کو پکڑتے اور انہیں جوڑ کے اوپر رکھتے پھر انہیں اپنے سینے پر رکھتے۔'' [الصلاة وأحكام تاركها: ص: ١٦٠]۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام ابن القیم رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں سینے پر ہاتھ باندھتے تھے۔

ایک اعتراض کا جواب

بعض لوگ کہتے ہیں سینے پر ہاتھ باندھنے کا قول کسی عالم سے ثابت نہیں اس لئے ایسی بات کہنا نئے قول کی بنیاد ڈالنا ہے۔ عرض ہے کہ:

☆ اولاً:- اللہ تعالیٰ نے اس بات کی کوئی ضمانت نہیں لی ہے کہ وہ فقہاء کے اقوال اور فتاویٰ کی بھی حفاظت کرے گا بلکہ اللہ تعالیٰ نے صرف کتاب وسنت کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے اسی لئے علامہ البانی رحمہ اللہ نے کہا:

"لأن الله تعالى لم يتعهد لنا بحفظ أسماء كل من عمل بنص ما من كتاب أو سنة وإنما تعهد بحفظهما فقط كما قال: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ فوجب العمل بالنص سوء ا علمنا من قال به أو لم نعلم"

''اللہ تعالیٰ نے اس بات کی ضمانت نہیں لی ہے کہ کتاب وسنت پر عمل کرنے والے جملہ حضرات کے اسماء کی حفاظت کرے گا، بلکہ اس نے صرف، کتاب وسنت کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے۔ جیسا کہ فرمایا: (ذکر کو ہم نے ہی نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے) پس کسی بھی ثابت شدہ نص پر عمل کرنا واجب ہوگا، خواہ اس کے قائلین یا اس پر عمل کرنے والوں کے نام معلوم ہوں یا نہ ہوں۔'' [آداب الزفاف فی السنة المطهرة: ٢٦٧]۔ لہٰذا یہ دعویٰ کیا ہی نہیں جاسکتا کہ پوری دنیا میں یہ قول کسی کا نہیں ہے۔

☆ ثانیاً:- بالفرض تسلیم کرلیں کہ کسی نے اس پر عمل نہیں کیا تو بھی کسی کے عمل نہ کرنے کی وجہ سے ثابت شدہ سنت رسول کو نہیں چھوڑا جائے گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۰۴) فرماتے ہیں:

"يُقبل الخبر فى الوقت الذى يثبت فيه، وإن لم يمض عمل من الأئمة بمثل الخبر"

”حدیث جوں ثابت ہو جائے فوراً اس پر عمل کرنا ضروری ہے گرچہ پہلے کے ائمہ میں سے کسی نے اس کے مطابق عمل نہ کیا ہو“ [الرسالة للشافعی:ص ٤٢٣]

امام نووی رحمہ اللہ (المتوفی ٦٧٦) فرماتے ہیں:

”وإذا ثبتت السنة لا تترک لترک بعض الناس أو أكثرهم أو كلهم لها“

”جب سنت ثابت ہو جائے تو اسے بعض لوگوں کے چھوڑنے کی وجہ سے یا اکثر لوگوں کے چھوڑنے کی یا سب کے چھوڑنے کی وجہ سے نہیں چھوڑا جائے گا۔“ [شرح النووی علی مسلم:٥٦/٨]

☆ ثالثاً:- یہ بات غلط ہے کہ اہل علم میں یہ کسی کا قول نہیں ہے۔ بلکہ یہ قول تو صحابہ سے بھی ثابت ہے چنانچہ عبداللہ بن عباس اور علی رضی اللہ عنہما نے ﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ﴾ کی تفسیر سینے پر ہاتھ باندھنے سے کی ہے لہٰذا ظاہر ہے کہ سینے پر ہاتھ باندھنے کا قول ان صحابہ کا بھی ہے دیکھیے: ص ٢٠٠۔ اور ص: ٢٢٠۔ مولانا اشرف علی صاحب نے بھی صحابہ سے اسے ثابت مانا ہے دیکھئے: ص ٢٤٦۔

نیز گذشتہ سطور میں ہم بتا چکے ہیں امام شافعی سے بھی یہ قول منقول ہے بلکہ بعض روایات کے مطابق امام احمد سے بھی یہ قول منقول ہے اور معنوی طور پر یہی قول امام مالک سے بھی منقول ہے۔ دیکھئے: درج الدرر: ص ٨١ تا ٨٤ قلمی۔

علاوہ بریں امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں سینے پر ہاتھ باندھنے کا باب قائم کیا ہے چنانچہ کہا:

”باب وضع اليدين على الصدر فى الصلاة من السنة“

”اس بات کا بیان کہ نماز میں دونوں ہاتھوں کو سینے پر رکھنا سنت ہے۔“ [السنن الکبری للبیہقی:٤٦/٢]۔

اس لئے یہ کہنا درست نہیں ہے کہ اہل علم میں یہ کسی کا قول نہیں ہے۔

☆ رابعاً:- احداث قول جدید یعنی نئے قول کی ایجاد سے منع کی جو بات علماء نے کہی ہے اس سے مراد غیر منصوص معاملہ میں اجتہاد کرتے ہوئے نئے قول کی بنیاد ڈالنا ہے۔ لیکن سینے پر ہاتھ باندھنا یہ اجتہادی معاملہ نہیں ہے بلکہ اس بارے میں نص صریح موجود ہے۔

جس کے سامنے اجتہاد کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے لہٰذا سینے پر ہاتھ باندھنے کی بات کہنا یہ کوئی فتویٰ بازی یا اجتہادی معاملہ نہیں ہے بلکہ عین نص صریح کی اتباع ہے۔ اور نص صریح کے آجانے کے بعد اسے قبول کرنے کے لئے اور اس پر عمل کے لئے اس بات کا انتظار نہیں کیا جائے گا کہ امت میں کسی نے اس پر عمل کیا ہے یا نہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع امت کے ہر فرد پر لازم ہے۔

باب چہارم

عقلی دلائل

عقلی دلائل

احناف اپنے موقف پر عقلی دلیل بھی دیتے ہیں، حالانکہ صریح نصوص کی موجودگی میں عقل ومنطق کے استعمال کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ایسی صورت میں اصولا اس بات کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ عقلی دلائل پر بحث کی جائے لیکن چونکہ احناف کی طرف سے پیش کردہ عقلی دلیل انتہائی عجیب وغریب بلکہ حددرجہ مضحکہ خیز ہے اس لئے قارئین کی تفریح کے لئے ہم اس کا تذکرہ بھی کئے دیتے ہیں چنانچہ:

زیرناف ہاتھ باندھنے پراحناف کی عقلی دلیل ملاحظہ ہو:

”ان الوضع تحت السرة أقرب الی ستر العورة وحفظ الازارعن السقوط فیکون جمعا بین الوضع والستر فیکون أولی“

”ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا شرمگاہ کو چھپانے اورازار(لنگی وغیرہ) کی حفاظت میں زیادہ کارآمد ہے۔اس طرح ہاتھ باندھنے کےساتھ ساتھ ستر پوشی بھی ہوجاتی ہے“[درهم الصرة:ص ٤٨ بحواله شرح القدوری وشرح الهدایه وغیره]

عرض ہے کہ شاید ہی کوئی معقول آدمی ہو جو اس معقولیت کے سامنے اپنی عقل پر ماتم نہ کرے،لباس کا بنیادی مقصد ہی شرمگاہ کو چھپانا ہے ۔ایسا شاید ہی کوئی احمق ہو جو شرمگاہ کو چھپانے میں اس قدر لاپرواہی سے کام لے کہ نماز جیسی مقدس عبادت میں بھی اسے شرمگاہ کھلنے کا ڈر ہو۔دن بھر کی دوڑ بھاگ اوردوسرے پرمشقت کاموں کے دوران تو لوگوں کے ازار نہیں کھلتے ،پھر نماز جیسی پرسکون عبادت میں نامعلوم کس عقل ومنطق سے ازار کھلنے کا خدشہ محسوس کیا جارہا ہے۔

اورلطف تو یہ ہے کہ احناف نے خواتین کوستر پوشی کے اس کارآمد ذریعہ سے محروم کررکھا ہے اوران کے لئے یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ وہ سینے پر ہاتھ باندھیں یاللعجب!

سوال یہ ہے کہ کیا خواتین کوستر پوشی اورازار وغیرہ سنبھالنے کی ضرورت نہیں ہے؟ بلکہ خواتین کو بدرجہ اولی اس نسخہ پرعمل پیراہونا چاہئے۔

ایک اہم وضاحت

وضح رہے کہ احناف نے جو یہ تفریق کر رکھی ہے کہ مرد ناف کے نیچے ہاتھ باندھیں اور خواتین سینے پر ہاتھ باندھیں۔تو اس تفریق پر احناف کے پاس کوئی دلیل نہیں۔بعض لوگ مجمع الزوائد (۱۰۳/۲) میں منقول طبرانی (۱۹/۲۲ رقم ۲۸) کی ایک حدیث کا حوالہ دے کر مغالطہ دیتے ہیں کہ اس میں خواتین کے لئے سینے پر ہاتھ باندھنے کی دلیل ہے۔

عرض ہے کہ مجمع الزوائد کے الفاظ یہ ہیں:

"وعن وائل بن حجر قال: قال لی رسول الله ﷺ: یا وائل بن حجر إذا صلیت فاجعل یدیک حذاء أذنیک، والمرأة تجعل یدیها حذاء ثدییها

قلت: له فی الصحیح وغیره فی رفع الیدین غیر هذا الحدیث .رواه الطبرانی فی حدیث طویل فی مناقب وائل من طریق میمونة بنت حجر، عن عمتها أم یحیی بنت عبد الجبار، ولم أعرفها، وبقیة رجاله ثقات"

"وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: کہ اے وائل بن حجر! جب تم نماز شروع کرو تو اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ اور عورت اپنے ہاتھ چھاتیوں تک اٹھائے.

میں (امام ہیثمی کہتا ہوں) صحیح وغیرہ میں رفع الیدین سے متعلق اس حدیث کے علاوہ بھی ان کی حدیث ہے۔اسے طبرانی نے وائل بن حجر کے مناقب میں ایک لمبی روایت میں میمونہ بنت حجر عن عمتھا ام یحیی بن عبدالجبار کے طریق سے روایت کیا ہے۔اور میں ام یحیی کے بارے میں نہیں جان سکا باقی رواۃ ثقہ ہیں۔" [مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: کتاب الصلاة ،باب رفع الیدین فی الصلاة :۱۰۳/۲]

اس روایت کو امام ہیثمی رحمہ اللہ نے **"رفع الیدین فی الصلاة"** (نماز میں رفع الیدین کرنا) کے باب میں پیش کیا ہے اور آخر میں کہا: **له فی الصحیح وغیره فی رفع الیدین غیر هذا الحدیث** یعنی رفع الیدین کے سلسلے میں اس حدیث کے علاوہ بھی ان کی حدیث ہے۔

معلوم ہوا کہ اس حدیث کا تعلق رفع الیدین سے ہے ہاتھ باندھنے سے نہیں۔امام ہیثمی کے علاوہ

دیگر ائمہ نے بھی اسے رفع الیدین والی حدیث کہا ہے دیکھئے:[البدرالمنیر: ۴۶۳/۳]۔

بلکہ پوری دنیا کے کسی بھی عالم نے اس حدیث کو ہاتھ باندھنے سے متعلق نہیں سمجھا ہے۔

اگر بالفرض اس حدیث کا تعلق نماز میں ہاتھ باندھنے سے ہے تو اس حدیث کے ابتدائی ٹکڑے پرغور کیا جائے جو یہ ہے: **إذا صليت فاجعل يديك حذاء أذنيك** (جب تم نماز شروع کرو تو اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ) یہ جملہ بھی جس سیاق میں ہے اسی سیاق میں اس کے آگے والا جملہ بھی ہے پس اگر اگلے جملے کا تعلق ہاتھ باندھنے سے ہے تو پہلے جملے کا تعلق بھی ہاتھ باندھنے سے ہی ہے پھر تو احناف میں مرد حضرات کو چاہئے نماز میں ہاتھ باندھنے کے مقام میں اہل حدیثوں کو بھی دو قدم پیچھے چھوڑ دیں یعنی نماز میں سینے سے بھی کافی اوپر اپنے کانوں پر ہاتھ لٹکائے رہیں۔

لطف کی بات یہ ہے کہ ایک حنفی صاحب نے بھی اس حدیث کو رفع الیدین سے متعلق مانا ہے اور اسی کی بنیاد پر مرد اور عورت کی نماز میں یہ فرق بتایا ہے کہ دونوں کے رفع الیدین کا طریقہ الگ الگ ہے دیکھئے[خواتین کا طریقہ نماز: ص ۳۷۔ از مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی]

واضح رہے کہ یہ روایت وضع یدین سے غیر متعلق ہونے کے ساتھ ساتھ ضعیف بھی ہے جیسا کہ خود امام ہیثمی نے اشارہ کیا ہے مزید تفصیل کے لئے دیکھیے: الضعیفہ: ۸۶۶/۱۱ رقم ۵۵۰۰۔

بعض لوگ خواتین کے حق میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی یہ دلیل دیتے ہیں کہ اس پر اجماع ہے۔

حالانکہ یہ سراسر غلط۔ بلکہ بہت بڑا عجوبہ ہے کیونکہ مذہب مالکی میں ایک جماعت ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنے کی قائل ہے یعنی ان کے موقف کے اعتبار سے ان کی خواتین ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھیں گی۔ اس ایک ہی بات سے اجماع کا دعوی باطل ثابت ہوجاتا ہے۔

علاوہ بریں عبدالرحمٰن بن محمد عوض الجزیری لکھتے ہیں:

”الحنابلة قالوا: السنة للرجل والمرأة أن يضع باطن يده اليمنى على ظهر يده اليسرى ويجعلها تحت سرته“

”حنابلہ کا کہنا ہے کہ آدمی اور عورت (دونوں) کے لئے سنت یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کے اندرونی حصہ کو بائیں ہاتھ کے پشت پر رکھ کر ناف کے نیچے رکھے“[الفقه على المذاهب الأربعة: ۲۲۷/۱]

معلوم ہوا کہ خواتین کے لئے سینہ پر ہاتھ باندھنے کے سلسلے میں اجماع کا دعوی کرنا باطل ہے۔

اصل میں احناف کے پاس مرد اور عورت کے حق میں تفریق کے لئے کوئی دلیل ہے ہی نہیں نہ صحیح نہ ضعیف نہ موضوع۔

اس لئے یہ حضرات نام نہاد اجماع کا حوالہ دے کر لوگوں کو مطمئن کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں، یہ باتیں اندھے مقلدین کے لئے تو باعث اطمینان ہوسکتی ہے لیکن متلاشیان حق کے سامنے اس طرح کی فضول باتوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

لطیفہ:

بعض احناف کہتے ہیں کہ مرد حضرات نماز میں سینے پر ہاتھ باندھیں گے تو عورتوں کی مشابہت لازم آئے گی۔

عرض ہے کہ اول تو سینے پر ہاتھ باندھنے کا ثبوت مردوں ہی کے تعلق سے ہے اور عورتیں بھی ان کے تابع ہیں۔ دریں صورت احناف کو اگر مشابہت دور کرنی تھی تو حنفی مردوں کو سینے پر ہاتھ باندھنے کا حکم دینا چاہئے اور حنفی عورتوں کو ان کی متابعت سے روکنا چاہئے۔ اور ان سے کہنا چاہئے کہ وہ مردوں کی مخالفت میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھیں۔

دوسرے یہ کہ عورتوں کے ساتھ مشابہت سے اجتناب کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہر معاملہ میں ان کی مخالفت کی جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان امور میں عورتوں کی مشابہت اختیار نہ کی جائے جو عورتوں ہی کے ساتھ خاص ہیں۔

☆ احناف نے عقلی دلائل میں یہ بھی کہا کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا تواضع اور تعظیم کی علامت ہے۔[درھم الصرہ فی وضع الیدین تحت السرۃ:ص ٤٥]

عرض ہے کہ پوری دنیا میں کہیں بھی اس ہیئت کو تعظیم کی علامت نہیں کہا جاتا بلکہ اسے بے ادبی سمجھا جاتا ہے۔ اس کے برخلاف سینے پر ہاتھ باندھنا ضرور تعظیم کی ایک شکل ہے جیسا کہ کتب لغت میں اس کی صراحت آئی ہے چنانچہ (المعجم الوسیط) میں ہے:

”(کفر) لسَیِّده انحنی وَوضع یَده علی صَدره وطأطأ رَأسه کالرکوع تعْظِیمًا لَهُ“
”اس نے اپنے آقا کے لئے تعظیم کیا یعنی اس کی تعظیم میں اپنے ہاتھ کو سینے پر رکھ کر اپنے سر کو جھکایا رکوع کی طرح۔“ [المعجم الوسیط:ج:۲،ص:۷۹۱،۷۹۲]۔

نیز یہاں بھی یہ سوال اٹھتا ہے کہ اگر ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ہی تعظیم ہے تو حنفی خواتین سینہ پر ہاتھ باندھ کر اس تعظیم سے روگردانی کیوں کرتی ہیں؟

☆ بعض لوگ کہتے سینے پر ہاتھ باندھنا اہل کتاب کی مشابہت ہے۔

عرض کہ اہل کتاب آپس میں ایک دوسرے کی تعظیم میں سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہیں اور ہم اللہ کی عبادت کرتے ہوئے نماز کے اندر سینے پر ہاتھ باندھ کر قیام کرتے ہیں بھلا ان دونوں میں کیا مناسبت؟

مزید یہ کہ جو چیز کتاب وسنت سے ثابت ہوگئی وہی چیز اگر اہل کتاب کے یہاں ہو تو اس کی مخالفت نہیں کی جائے گی ۔مثلا اہل کتاب بھی دائیں ہاتھ سے کھانا کھاتے ہیں تو کیا ہم ان کی مخالفت میں بائیں ہاتھ سے کھانا شروع کردیں؟

نیز یہاں بھی وہی سوال اٹھتا ہے کہ اگر یہ سینہ پر ہاتھ باندھنا اہل کتاب کی مشابہت ہے تو حنفی خواتین نماز میں سینے پر ہاتھ باندھ کر اہل کتاب کی تقلید کیوں کرتی ہیں؟

دعاء ہے کہ اللہ رب العالمین ہم سب کو عقل سلیم عطا فرمائے اور اتباع کتاب وسنت کی توفیق دے آمین۔

أبو الفوزان کفایت اللہ السنابلی

۲۰۱۴/۸/۱۸ م